خلیل صدیقی

زبان کا مطالعہ



خلیل صدیقی

زبان کا مطالعہ



قلات پبلشرز، مستونگ (قلات ڈویژن)

سال اشاعت :- سنہ ۱۹۶۴

تعداد :- ۱۱۰۰

قیمت :- 12-00

ناشر :- زمرد حسین بھٹہ قلات پبلشرز - مستونگ

مطبوعہ :- قلات پریس - مستونگ

سرورق :- حنیف رامے

سرورق چھپا :- مکتبہ جدید پریس - لاہور

فہرست

۱۔ لسانیات کیا ہے؟

۲ — تاریخی جائزہ

اے-ڈبلیو-شلیگل- سہ گروہی تقسیم السنہ ریسک - آئس لینڈی زبان کی گرامر — لسانیاتی تحقیق کے طریقے — اصول تقابل — زبانوں کی ہم نسبی اور گرامر — قدیم نارس — ہند یوروپی زبانوں کی گروہ بندی - لسانی رشتوں کے صوتی اشارے — اصوات کے منظم ارتقا کا انکشاف — صوتی مباحث - لغزشیں — ژند سے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ — اوستا اور سنسکرت — دراویڈی زبانیں - تاریخی گرامر کا پیش خیمہ — معاصرین میں ریسک کی حیثیت — بوپ - تقابلی لسانیات کا بانی — سنسکرت گرامر کی اہمیت — تصور قواعد زبان، اور اس کے اثرات — افعال میں سنسکرت مادوں کی جستجو — منصرفات کا آغاز — مصوتوں سے متعلق رائیں — حنکی قانون — سامی اور ہند یوروپی مادوں کی ساخت کا موازنہ - لسانی نقطہء نظر میں تبدیلیاں تقسیم السنہ — زبان کا ارتقا — انحطاط — گرم — لوک کہانیوں اور گیتوں کی تدوین — قیاسی اشتقاقیات — علم ثقافت کی خدمات — جرمانی گرامر — ریسک کے اثرات — تصانیف کا اجمالی جائزہ — گرم کا قانون — اھرے اور قانون اصوات — ریسک اور تبادل اصوات - گرم کی جامع تعمیم - قانون کی وجہ تسمیہ - جسپرسن کی رائے - بریسڈورف اور تبادل اصوات - گرم کے قانون کا فارمولا - تنقید - لسانی مسائل میں تثلیث - زبان کا ارتقا اور تبادل اصوات - لغزشیں - تاریخ اصوات پر گرم کے اثرات - اصطلاحیں - گرامر کی بقیہ جلدیں - تقابلی لسانیات اور گرم - جرمانی گرامر کی اہمیت - گرم اور ریسک — دو قابل ذکر مضامین - تنقیدی جائزہ — ھمبولٹ — زبان سے متعلق افکار و خیالات - زبان کی منزلیں - تصریف کی حیثیت - زبان کے دو مخصوص ارتقائی دور - زبان کی انحطاطی کیفیت اور اس کی زندگی کے نئے اصول - انسان کا ذہنی سفر، لسانی تغیرات کا موجب ھے — پاٹ — ہند جرمانی اشتقاقیات - تقابلی گرامر اور علم اصوات - مشترک مادے - تغیر اصوات اور ان کی تاریخی خصوصیت - سنسکرت کی

اھمیت - ریسک سے پاٹ تک لسانیاتی اکتسابات کا جائزہ - راپ بریسڈورف - کرٹی اس - کارنامہ خاص - بعض شاگردوں کا رد عمل - شلیخر - ہیگل کا اثر - تصانیف - لسانی تغیرات کی تاریخی نوعیت - مطالعہ کے مناہج - جسپرسن کی تنقید - زبان کے معیار پر انسان کی اصلی تقسیم - شلیخر کا تثلیثی نقطہ نظر - زبان کی تین صورتیں - ریاضیاتی فارمولا - تینوں صورتوں کا جائزہ - تقسیم السنہ کا غلط اثر - ھند یوروپی ام الالسنہ کی تشکیل جدید - غلطیوں کے امکانات - تشکیل جدید کا تنقیدی جائزہ - ھند یوروپی صوتی نظام اور اس کی تثلیث - ھند یوروپی مصوتوں کے تغیرات کی توجیہ - ھند یوروپی السنہ کا نسبی شجر - فک لسانیاتی کارنامے کا تنقیدی جائزہ میڈوگ میکس ملر کارنامۂ خاص - لسانی تصورات و افکار کی تلخیص - وھٹنے - میکس ملر سے موازنہ - تقابلی لسانیات کا دور جدید - حنکی قانون ایسکولی - اس کی ایک لغزش - رد عمل - ورنر - صوتی تبادل کے مستثنیات اور صوتی قوانین - جرمانی گروہ کے صوتی تغیرات کی توجیہ - فونیم بروگ مین - حروف غنہ - زبان کا انحطاط - تقابلی لسانیات کے دور جدید کی نمایاں خصوصیت - شیرر اور اس کا نظریہ - قیاس تمثیلی - ھرمین پال کا استدلال - پال کے اثرات - فردی نند داساسر - انیسویں صدی کے اواخر تک کے اکتسابات پر تبصرہ - امریکہ اور لسانیات - ساپر - بلوم فیلڈ - جسپرسن، اس کے تصورات اور افکار کا جائزہ - زبان کے ارتقا اور مادہ کے نظریہ سے متعلق رائیں - آغاز زبان -

۲۳ ـــ ۱۲۲

۳ - شاخیں اور شعبے

خاندان السنہ کے اعتبار سے تقسیم - تقسیم کی ایک اور صورت -

مطالعۂ لسان کی دو صورتیں — تشریحی لسانیات — زبان کا طبیعی پہلو - سہ نوعی علامتیں — سماعت اور ابلاغ — بیانیہ یا تشریحی لسانیات کے مسائل — علم اصوات کی نامیاتی اور نفسیاتی حیثیتیں — صوتی تجزیے کا ارتقا — علم اصوات کی ابتدا — طبیعی پہلو — آواز کی تشکیل — مصیت غیر مصیت - صفیریہ - لائیہ، رائیہ - غنہ - مصمتے اور مصوتے — مصمتوں کے گروہ — لمس جہدی — ہائیہ — سانس اور صوت — مغنون اور سیال مصوتے اور مصمتے — صوتیات، صوتی نظام — سماعتی نقطہ نظر — نطقی نقطہ نظر۔ آوازوں کی کیفیاتی خصوصیات — زیر و بم صوتی سطح — صوتی کیفیت — امتداد — رکن — زور کا نظریہ — تلفظ اور لہجہ — آلاتی علم اصوات — معنویات — معنی کی اکائیاں — زبان میں نظم و ترتیب — تشریحی لسانیات کا طریق مطالعہ — تاریخی و تقابلی لسانیات — تقابل کے اصول — گرامر — ماہئیت، حیثیت اور اہمیت — علمی، تاریخی گرامر — تقابلی و تاریخی گرامر کی اہمیت — قواعدی تقسیمیں — گرامر کی تبدیلیاں — گراف کی بتائی ہوئی تقسیم قواعد — تقسیم کی دوسری صورت — تیسری صورت — عربی کی تقلید — علم ھجا — ماہئیت - اہمیت — فن تحریر کا آغاز — ارتقا — تصویری رسم الخط — تصوری و خیالی تصویریں — هیرو غلیفی رسم الخط — ریبس کا طریقہ — فنیقی رسم الخط، — اس سے ماخوذ و مستفاد تحریریں — عربی رسم الخط — فارسی رسم الخط — رومن رسم الخط — رسم الخط کے تغیرات — صرف و نحو — اجزائے کلام کی روایتی تقسیم — جنس — اعربی حالتیں — اسما — افعال — گردان - صوتی و معنوی تغیرات — اجزائے زبان — جملوں کے عناصر — لغت و فرہنگ — اشتقاقیات - ماہئیت - لفظ کی انفرادی حیثیت - اشتقاقیات کی اہمیت - اشتقاقیات کا آغاز - انیسویں صدی - جسپرسن کی رائے - اشتقاقی مماثلت - چند اصول -

دیباچہ

اردو میں لسانیات کی عمر بہت کم ہے۔ اس مختصر سی مدت میں بھی لسانیات کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے بعض علمائے لسانیات کی ژرف نگاہی اور تحقیق و تدقیق بڑی وقیع ہیں لیکن ان سے اردو کی لسانیاتی کم مائگی کا ازالہ نہیں ہو سکتا۔ اب تک لسانیات سے متعلق جو کتابیں تصنیف و تالیف ہوئی ہیں، ان کا تعلق صرف و نحو سے ہے یا اشتقاقیات سے۔ تاریخ زبان اردو سے ہے یا اردو اور بعض متعلقہ زبانوں کے تقابلی مطالعہ سے۔ کہیں کہیں ضمنی طور پر بعض اصول لسانیات کی طرف بھی اشارے مل جاتے ہیں۔ پچھلے چند سال سے اردو صوتیات پر بھی داد تحقیق دی جا رہی ہے۔ ان لسانیاتی کاوشوں کی افادیت اور اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن لسانیات کی وسیع اور رنگارنگ جولاں گاہ کے چند گوشوں پر قناعت کر لینا کافی نہیں۔ علاوہ بریں کسی علم کے دقائق و غوامض کی تفہیم اور اس کے مباحث سے پورا پورا استفادہ عام قارئین کے لئے اسی وقت ممکن ہے جب وہ اس علم کی مصطلحات اور مبادیات سے باخبر ہوں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے یہاں مبادیات لسانیات کو درخور اعتنا نہیں سمجھا گیا۔

زیر نظر تالیف، اردو لسانیات کے متذکرہ خلا کو پر کرنے کی ایک حقیر سی کوشش ہے، جسے مغرب کے بعض علماء لسانیات سے استفادہ کا نتیجہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اگر مبادیات لسانیات کا یہ جائزہ لسانیاتی نقطہ نظر کو فروغ دینے میں ممد و معاون ہو سکے تو اس کے منظر عام پر آنے کی غرض و غایت پوری ہو جائے گی۔ مولف کی علمی بے بضاعتی کی وجہ سے بعض فروگزاشتیں بھی نظر آ سکتی ہیں، ان کی تلافی اصلاحی مشوروں ہی سے ہو سکتی ہے۔

اس تالیف کے لئے زمرد حسین صاحب شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہی کے پیہم تقاضے پرانے مسودوں پر نظر ثانی اور انکی ترتیب و اشاعت کا موجب ہوئے۔

خلیل صدیقی

(مستونگ - قلات ڈویژن)

لسانیات کیا ہے؟

ماہئیت، وسعت اور حدود۔ مطالعہ کے مناہج

لسانیات کوئی بہت زیادہ پرانا علم نہیں ھے - انیسویں صدی سے قبل اسے باقاعدہ علم کی حیثیت نہیں دی جا سکتی تھی - لیکن پچھلی دو صدیوں میں اس علم نے فی الواقع ایسی تنظیم اور اتنی ترقی حاصل کر لی ھے کہ ماھرین علم لسانیات کا یہ دعویٰ کہ اس کی حیثیت طبیعاتی علوم سے کم نہیں، یکسر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا -

چونکہ، زبان، ——— فکر، خیال یا جذبے کے اظہار و ابلاغ کا ذریعہ ھے مقصود بالذات نہیں اسلئے اسے بنیادی اھمیت نہیں دی جاتی - مقصد ھی کو مقدم سمجھا جاتا ھے - حصول مقصد کے ذریعے کو شعوری یاغیر شعوری طورپر ثانوی حیثیت دی جاتی ھے - اس کی ادبی اور فنی حیثیت پر توجہ تو دی جاتی ھے لیکن علمی اور سائنسی حیثیت سے اس پر زیادہ غور نہیں کیا جاتا - اھل زبان، زبان کے درست یا غلط ھونے کا اندازہ تو لگا لیتے ھیں، لیکن ان میں بہت کم لوگ ایسے ھوتے ھیں جو اس کی تخلیق وتشکیل، اس کے تدریجی ارتقا، اس کی ساخت اور کینڈے، الفاظ کی بناوٹ اور انکے ماخذ، اجزائے کلام اور ان کے آغاز، تغیرات اور ان کے اسباب پر بھی غور کرتے ھوں - لسانیات میں انھی موضوعات سے بحث کی جاتی ھے متعلقہ حقائق کو تعمق نظر اور دقیق مشاھدے کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ھے - عمومی قواعد و ضوابط اور کلیے وضع کئے جاتے ھیں، باقاعدگی سے

گروہ بندی، ترتیب و بتویب ہوتی ہے اور پھر نئے مشاہدوں کی روشنی میں ان سب کی تصحیح بھی ہوتی رہتی ہے - بعض متعلقہ علوم مثلاً نفسیات عضلاتی اور عضویاتی علوم کے اصول و کلیات کی مدد سے زبان سے متعلق حقائق کو سمجھنے اور سائنسی رویہ اختیار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے - اسلئے لسانیات کو ایک علم قرار دیا جاتا ہے - اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ شروع شروع میں قیاسی رجحان غالب رہا ہے - اور تقابلی لسانیات کی بنیاد ناقص قسم کی تحقیقات لفظی یا اشتقاقیات پر رہی ہے - لیکن بتدریج اس کی جگہ سائنسی رویے نے لے لی -

زبان کے دو رخ ہوتے ہیں - گویائی اور سماعت - دونوں سماجی تقاضوں کا نتیجہ ہیں - زبان کی اولین صورت کا تعلق بولنے سے بھی ہے اور سننے سے بھی - گویائی اور سماعت بہت معمولی اعمال نظر آتے ہیں - لیکن اگر ان کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ بڑے پیچیدہ اعمال ہیں صرف یہ سمجھ لینا کافی نہیں کہ بات چیت کا تعلق زبان (آلۂ گفتگو) اور کان سے ہے، قائل اپنے بطن کا اظہار چاہتا ہے، سیدھے سادے خیالات و مدرکات ایک طرح کی ذہنی کیمیا کے ذریعہ باہمی طور پر ترکیب پاتے ہیں - اور فکر کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں - خیالات، مدرکات اورافکار نفسیاتی اعمال ہیں، ان کا زبانی ابلاغ بہ ظاہر سیدھا سادا عمل سہی، حقیقتاً ہے پیچیدہ اور مرکب - یہی حال جذبات و احساسات کے زبانی ابلاغ کا ہے اظہار بطن میں قائل کے شعور کا دخل ہوتا ہے اس میں ذہن، اعصاب، عضلات اور عضویات، سب کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ہوتا ہے - صوتی تصویروں یا لفظوں کو معانی دینے کی وجہ سے نفسیات کا موضوع بحث بھی نکل آتا ہے اسی طرح سماعت بھی ایک مرکب عمل ہے، جو مجموعہ ہے طبیعاتی، عضویاتی، عضلاتی اور اعصابی اعمال و کیفیات کا -

زبان بنی بنائی صورت میں انسان کو نہیں ملی، بلکہ وہ انسان کی سالہا سال کی تجرباتی کوششوں سے وجود میں آنے والی روایت کے نسلاً درنسلاً

منتقل اور متغیر ہوتے رہنے کا نتیجہ ہے - اس کی حیثیت ایک پیہم عمل کی سی ہے - ایک ہی رقبے میں بہ یک وقت بہت سی بولیاں بھی رائج ہوجاتی ہیں مقامی حالات اور تقاضوں کے زیر اثر ان میں ضمنی اختلافات بھی ہوتے ہیں سیاسی، معاشی اور معاشری وجوہات کی بناء پر ان میں سے کسی ایک کو پھلنے پھولنے اور بڑھنے کا موقع مل جاتا ہے - وہ اپنے بولنے والوں کی ثقافتی ترقی کے ساتھ ساتھ بتدریج زبان کے درجے پر پہنچتی ہے اور معرض تحریر میں آجاتی ہے - اس میں ادب پیدا ہوتا ہے - گو ناگوں ذرائع سے اس کا دامن وسیع ہوتا رہتا ہے - ممکن ہے بالکل ابتدا میں زبان کے معاملے میں قصدوارادہ کو برائے نام ہی دخل رہا ہو، لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ــ کہ قوت گویائی نے سماجی رشتے استوار کئے اور سماجی ضروریات نے انسان کو قوت گویائی سے زیادہ سے زیادہ کام لینا سکھلایا آٹو جسپرسن نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ انسان ہر وقت اظہار خیال یا ابلاغ ہی کے لئے زبان استعمال نہیں کرتا بلکہ سماجی زندگی سے وابستگی کے لئے بھی کچھ کہتا ہے - سماجی ارتقا کے ساتھ ساتھ زبان میں تصرفات اور تغیرات ہوتے رہتے ہیں - ایک ہی سماج کے مختلف افراد مختلف طبقاتی اور ذہنی سطح پر ہوتے ہیں - اس لئے ان کا ایک ہی زبان کا طریق استعمال بھی یکساں نہیں رہتا - الفاظ کی تہذیبی سطح کے مختلف مدارج ہو جاتے ہیں لب ولہجہ میں اختلاف ہو جاتا ہے - زبان کے یہ تمام مضمرات، لسانیات کے دائرۂ بحث میں آ جاتے ہیں -

لسانیات ان زبانوں اور بولیوں کی تحقیقات کا علمی اجتہاد ہے، جو دنیا میں کہیں نہ کہیں مستعمل ہوں یا رہ چکی ہوں - کسی نظام لسان کا تجزیہ، بول چال کے مختلف مظاہر کی جانچ پڑتال اور باہمی تقابل ہی کے ذریعہ ممکن ہے - لیکن اس کا نتیجہ لسانیاتی اصول و کلیات کا بیان بن کر رہ جاتا ہے - یہ اصول و کلیات کم و بیش لسانی ابلاغ کے تمام مظاہر میں آنکھ مچولی کرتے ہیں - عام طور پر نظام لسان اور مخصوص افراد

کی گفتگو میں اس کے مظاھرے کے درمیان امتیاز نہیں کیا جاتا - حالانکہ یہ دونوں الگ الگ چیزیں ھیں - پہلی بار، سوئٹزر لینڈ کے عالم لسانیات فرڈی ننڈ ڈاساسر نے ان دونوں کے فرق و امتیاز پر زور دیا ھے - اور یہ بتایا ھے کہ لسانیات بنیادی طور پر نظام لسان سے تعلق رکھتی ھے، مخصوص افراد کی بات چیت میں اس کے مظاھر سے نہیں -

موضوع کے لحاظ سے لسانیات کی مثال بعینہ ایک شجر کی سی ھے اس کی شاخ در شاخ تقسیم کی جا سکتی ھے - لیکن علماء لسانیات نے اس کی وسعت کو محدود رکھا ھے - تحقیق کے اس دائرے میں کچھ خاص مسائل پر زور دینا ناگزیر ھے، ھاں عام مسائل پر ضمنی اور سرسری بحث ھی کی جاتی ھے - دائرہ تحقیق کے مسائل کی صراحت آگے چل کر ھو جائیگی - یہ وضاحت ضروری معلوم ھوتی ھے کہ یہاں لسانیات کے اس دائرہ کا بیان مقصود ھے جو نفس الامر میں ارتقائی منزلیں طے کرکے معرض وجود میں آ چکا ھے - بہت سے علماء نے اس کی وسعت کے امکانات کی نشاندھی کی ھے ان امکانات میں بعض بہت حد تک فلسفہ نفسیات، بشریات وغیرہ کے حدود میں بھی آ جاتے ھیں - لیکن اس کا جواز اسی حد تک ھو سکتا ھے، جہاں تک ان کے ارتقا کی اساس، اس ساخت اور کینڈے کے تصور پر ھوتی ھے، جسے لسانیات میں مرکزی حیثیت حاصل ھے -

عالم لسانیات ابلاغ کے مواد سے بے تعلق ھو کر (الاماشاالله بالواسطه) اپنا دائرہ تحقیق کچھ محدود کر لیتا ھے - اسے اس سے غرض نہیں کہ ابلاغ کس موضوع سے متعلق ھے اس کے لئے تو ذریعۂ ابلاغ یا دوسرے لفظوں میں نظام لسان مقدم ھے - موضوع ابلاغ سے براہ راست تعلق تو علم انسانی کی کلیت سے متعلق ھونے کے مترادف ھے -

بعض علماء ان میکانکی وظائف و اعمال یا نفسیاتی کیفیات کی تحقیق کو بھی لسانیات کے دائرے سے خارج سمجھتے ھیں، جن کی بدولت انسان صوتی علامات یا لسانی علامات استعمال کرتا ھے - ان کے نزدیک عالم لسانیات

کو اس سے واسطہ نہیں کہ قائل کی غرض و غایت کیا ہے - یا یوں کہہ لیجئے کہ عالم لسانیات کو اس بات سے بحث نہیں کہ کوئی فرد کیا کہہ رہا ہے، یا کیوں کہنا چاہتا ہے، اس کی دلچسپی تو صرف اس مخصوص ثقافتی اور معینہ ڈھانچے تک محدود ہے، جو اس فرد کی ہم‌زبان قوم سے مختص ہے یعنی نظام لسان -

لسانیات کا دائرۂ بحث، زبان کی تعریف اور ماہیت کے مناہج سے بھی محدود ہو جاتا ہے انسانی معاشرے میں ابلاغ کی متعدد صورتیں پائی جاتی رہی ہیں آواز گفتگو کا تسلسل، یعنی بامعنی صوتی علامات، بصری علامات، رسم الخط کہہ لیجئے، اشارات، حرکات و سکنات —— ان سب کو مثالاً پیش کیا جا سکتا ہے علمائے لسانیات نے اول الذکر کو اہم ترین قرار دیا ہے کہ ابلاغ کی مکمل صورت یہی ہے، یہ اور بات ہے کہ اسے مکمل تریں نہیں کہا جا سکتا بصری علامات کی بھی کم و بیش یہی اہمیت ہے لیکن چونکہ یہ بول چال اور بات چیت کی مرہون منت ہی ہیں، اس لئے تقدیم بول چال ہی کو حاصل ہو سکتا ہے - باقی تمام صورتیں پارینہ ہیں اور ناقص ذرائع ابلاغ بھی -

عالم لسانیات کسی زبان کی تحریری صورت میں اسی وقت دلچسپی لیتا ہے، جب اس کی بول چال کی صوتی خصوصیات پر بہ طریق احسن تحقیق ہو چکی ہو - مردہ زبانوں کی تحقیق کا ایک ہی ذریعہ ہے، تحریری دستاویز - لیکن عالم لسانیات یہ دریافت کرنے کی کوشش ضرور کرتا ہے کہ اس زبان کی بول چال کے انداز اور مناہج کیا ہونے چاہئیں زندہ زبانوں کے مطالعہ سے جو نتائج اصول و کلیات تدریجاً ارتقا پذیر ہوئے ہیں ان سے بھی مدد لی جاتی ہے -

عالم لسانیات اپنے موضوع بحث کے اعتبار سے عمرانی عالم ہوتا ہے وہ ان مسائل کو نہیں چھیڑتا، جن کے نتائج براہ راست یا بالواسطہ عمرانیات سے بے تعلق ہوتے ہیں، یا جن کی کوئی عمرانی افادیت نہیں ہوتی - اسے

ماقبل تاریخ کے قدیم ترین ذرائع ابلاغ سے کوئی خاص واسطہ نہیں ہوتا اسے اس سے غرض نہیں کہ کیا بات کہی جانی چاہیئے یا کس قسم کی نحوی ترکیب استعمال کی جانی چاہیئے' یا لفظوں کا تلفظ کس طرح ادا ہونا چاہیئے - وہ تو صرف لوگوں کے طریق گفتگو کا مشاہدہ کرتا ہے' جو نحوی تراکیب فی الواقع بول چال میں استعمال ہوتی رہتی ہیں' انہیں دیکھتا ہے اور تلفظ کے بداھتاً معرض وجود میں آنے کے انداز پر نظر رکھتا ہے - زبان کی صوتیات اس کی توجہ کا مرکز ہوتی ہے ـــ

بول چال تک توجہ محدود رکھنے کا ایک نقصان ضرور ہے - وہ یہ کہ اشارات اور حرکات وسکنات جو کسی حد تک بول چال کے قائم مقام بھی ہیں' نظر انداز ہو جاتے ہیں پھر بھی لسانی ابلاغ کا مطالعہ ہی دائرہ بحث کو بے پناہ وسعت بخش دیتا ہے - عصر جدید میں ابلاغ کی تحریری صورت کی طرف بھی خاصی توجہ دی جارہی ہے - یہ محسوس کیا جا چکا ہے - کہ تحریری علامات کے نظام کی بھی ایک قابل توجہ حیثیت اور بجائے خود ایک ساخت ہوتی ہے اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بعض اعتبار سے تحریری علامتیں' بول چال پر مبنی ہوتی ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ بعض لحاظ سے بول چال سے بے تعلق بھی ہوتی ہیں - پچھلے کچھ برسوں میں اس خیال پر زیادہ زور دیا جانے لگا ہے- یہ درست ہے کہ تحقیق لسان میں بول چال کو بڑی اہمیت حاصل ہونی چاہیئے' لیکن صرف اس وجہ سے تحریری علامات کو علم اللسان کے دائرہ بحث سے خارج کردینا کچھ صحیح نہیں معلوم ہوتا - کچھ ماہرین نے تو تحریری علامات سے متعلق مباحث کو لسانیات کا ایک شعبہ قرار دیکر اسے ترسیماتی لسانیات کے نام سے موسوم کیا ہے - اس ضمن میں ڈرنگر کی تصنیف ''حروف تہجی'' کا مطالعہ '' خاصی اہم ہے -

بنیادی طور پر لسانیات ایک طرح کا منطقی علم الاحصاء ہے اس کا تعلق لسانی علامات کی شناخت اور تمیز اور ان مناہج کی تحقیق سے ہے

جن میں ان علامات کو سلسلہ وار ترتیب دیا جاتا ہے لسانیات کے بعض شعبوں میں ان علامات اور ان کی ترتیب کا مطالعہ تاریخی نقطۂ نظر سے کیا جاتا ہے -

لسانیاتی تحلیل و تجزیہ میں زبان کی ساخت کو بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے ساخت سے مراد وہ ڈھانچہ ہے جو اضداد کے ایسے منظم مجموعوں پر مشتمل ہو، جنہیں زبان میں دریافت کیا جا سکے، خواہ ان کا تعلق صوتی اکائیوں سے ہو یا گرامر کے تصرفات اور مشتقات سے، یا بعض حالتوں میں زبان کی مختلف صورتوں اور ہئیتوں کے معانی سے - معانی کی یہ شق مشرقی ادبیات میں علم معانی کے نام سے موسوم کی جاتی ہے -

لسانیات میں مقدم تریں مبحث، زبانوں کی ساخت اور تاریخی و تقابلی نقطۂ نظر سے ان کے ارتقا کا بیان ہے - لیکن چونکہ وہ تشریحی علم ہے - اسلئے اس میں ان امور سے بھی بحث کی جاتی ہے، کہ زبان کی تحقیق کے مناہج اور اغراض کیا ہیں ؟ اس کے ان مظاہر کی ، جو ناقابل احصاٴ طریقوں سے متغیر ہوتے رہتے ہیں، توجیہ و تعبیر کیوں کر ہوسکتی ہے ؟ تاریخ انسانی میں اس کی ماہیئت اور خصوصیت کس طرح ابھاری جاسکتی ہے؟ اس کی بقا اور ارتقا کے مناہج کیا ہیں؟ اس کی، نمو پانے والی مختلف صورتوں کو کیسے ہم آہنگ کیا جا سکتا ہے؟ زبان معرض وجود میں کس طرح آئی ہو گی؟ چال ڈھال پر زبان کے کیا اثرات مترتب ہوتے ہیں ؟ زبان اور ثقافت میں کیا تعلق ہے ؟- زبان کی، انسانی معاشرے کے ایک مظہر کی حیثیت اور اس سے متعلق تعمیمی بیانات کا استنباط و استخراج، اور ایسے خود مکتفی و سائل کی تحقیق بھی دائرۂ بحث میں شامل ہو جاتی ہے، جن سے زبانوں کی ساخت اور ٹائپ کے لحاظ سے خاندانوں اور گروہوں میں تقسیم اور درجہ بندی ہو سکے - ولیم دوائٹ وھٹنے کی رائے میں لسانیات کا مواد اور موضوع ، زبان کی کلیت ہے ، جو انسانی گفتگو کی تمام امکانی صورتوں اور ناقابل احصاٴ باھمی اختلافات کو محیط ہے،

خواہ ان صورتوں کا وجود کسی طرح اور کسی حیثیت سے بھی ہو یا رہ چکا ہو - بول چال کی صورت میں یا تحریری یا علاماتی دستاویز کی حیثیت سے - لسانیات کی جولان گاہ کسی عہد یا کسی نسل انسانی تک محدود نہیں - وہ ایک طرف انتہائی ترقی یافتہ زبانوں کو موضوع بحث بناتی ہے ' تو دوسری طرف غیر متمدن اور نیم وحشی اقوام کی بولیوں کو بھی دائرہ بحث میں لے آتی ہے - انسانی لبوں سے نکلی ہوئی ہر وہ آواز ' جو مافی الضمیر کی مظہر ہو ' لسانیات کی توجہ کی مستحق ہے -

مطالعۂ لسان کے ضمن میں یہ سوالات بڑے نتیجہ خیز ہیں کہ ہم جسطرح بولتے ہیں ' آخر اسی طرح کیوں بولتے ہیں ' کسی اور طرح کیوں نہیں بولتے - جن صوتی علامات سے ہماری زبان ترکیب پاتی ہے ' وہ ہم تک کیوں کر پہنچیں - جن اسلاف سے ہم نے یہ الفاظ سیکھے ہیں ' انہوں نے انہیں کیوں اور کس طرح اختیار کیا ہو گا - روایت نے انہیں موجودہ شکل میں ہم تک کیسے منتقل کیا - جو الفاظ ' تراکیب اور فقرے ہم استعمال کرتے ہیں ' وہ ایسے ہی کیوں ہیں ان سوالات کا تشفی بخش حل پانے کے لئے زبان کی ایک بنیادی خصوصیت یعنی تغیر و تبدل کو ملحوظ رکھنا ناگریز ہے لسانی تغیرات کی دو نوعیتیں ہو سکتی ہیں - اول وہ جو زبان کے نئے افراد تک منتقل ہونے کا نتیجہ ہیں - دوم وہ جو اس قسم کی منتقلی کے پابند نہیں نئے افراد ایسے بھی ہوتے ہیں ' جن کی اپنی کوئی زبان نہیں ہوتی مثلاً بہت چھوٹے شیر خوار بچے - ' اور ایسے اشخاص بھی ہوتے ہیں - جنکی مادری زبان دوسری ہوتی ہے - اس لئے ان تغیرات کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے بچوں کی غوغاں ' تتلاہٹ ' مادری زبان سیکھنے کے مدارج اور مناہج کا جائزہ ضروری ہے - بعض تغیرات بچوں کے مرہون منت بھی تو ہوتے ہیں براہ راست یا بالواسطہ - بچوں کے بہلانے اور ان سے لاڈ پیار کے سلسلے میں ان کے بعض پیارے پیارے نامکمل سے یا صوتی اعتبار سے مسخ شدہ کلمے بھی تو استعمال کئے جاتے ہیں ' اور ان میں سے بعض قبول عام کے دربار

میں جگہ پالیتے ھیں، اور بعض عورتوں کی مخصوص زبان کے اجزابن کر رہ جاتے ھیں - زبان، دوسری زبانیں بولنے والوں تک مختلف طریقوں سے پہنچتی ھے اور ان کے اثرات قبول کرتی ھے - ان اثرات کی نوعیت اور درجے کے اعتبار سے نئی نئی ملی جلی اور مخلوط سی زبانیں تشکیل و نمو پانے لگتی ھیں، اور مرور ایام اور بہت سے خارجی عوامل ان کی ظاھری صورت بھی بہت کچھ بدل کر رکھ دیتے ھیں، اسطرح مطالعہ کی اوربھی نئی راھیں کھل جاتی ھیں - عورتوں کی زبان بعض لحاظ سے ایسی مخصوص خصوصیات کی حامل ھوتی ھے، جو اسے مردوں کی زبان سے متمائز کر دیتی ھیں - اس پر دوسری زبانوں کے اثرات نسبتاً کم مترتب ھوتے ھیں اور وہ اپنے ماخذ یا اپنی اصل سے اتنی زیادہ بیگانہ وار اور دور نظرنہیں آتی جتنی مردوں کی زبان - غرض ''زبان اوربچہ'' ''زبان اور عورت'' ''زبان اور اجنبی افراد جیسے موضوعات، لسانیات کے دائرہ بحث میں نکل آئے ھیں مشھور عالم لسانیات آٹو جسپرسن نے ان موضوعات پر سیر حاصل بحث کرکے ، زبان کے ارتقا سے متعلق معلومات افزا نتائج اخذ کئے ھیں - یہ مباحث ارتقائے لسان کی تفہیم میں ممدو معاون ثابت ھوتے ھیں -

ھر زبان کی موجودہ شکل مسلسل تغیرات کا نتیجہ ھے ، اس لئے اس کے دور بہ دور کی صورتوں اور انکے تغیر و تبدل، حک واصلاح، اور تراش خراش کا مطالعہ ناگزیر ھو جاتا ھے - اس مطالعہ اور جائزے سے ایسے عمومی و آفاقی ، اصول و ضوابط اور کلیات اخذو مرتب کرنا، لسانیات کا خاص منصب ھے، جن کا اطلاق کم و بیش تمام زبانوں پر ھوسکے اور جن سے زبانوں کے ماخذ اور ان کے ارتقا کے مدارج و مناھج پر روشنی پڑ سکے - محض کسی زندہ اور بولی جانے والی زبان کے مظاھر کی ترتیب و تبویب، تقسیم اور درجہ بندی کافی نہیں - یہ توگرامر کا کام ھے ، جو لسانیات کا بہت چھوٹا سا شعبہ ھے - گرامر، اجزائے زبان کےباھمی رشتوں اور منطقی علائق کاتعین اور نشاندھی کرتی ھے، اور علم اللسان ان کی توجیہ

و تشریح کرتا ھے - عام لسانیات تمام ممکنہ تاریخی شواھد کی مدد سے ارتقائے زبان کی تاریخ منضبط کرتا ھے اور سراغرسی کرتے کرتے اس کے ماخذ کی کھوج لگاتا ھے - اس طرح وہ زبان اور اسکی ماھیئت اور انسانی ذھن اور تاریخ سے اس کے رشتے کو سمجھ لیتا ھے -

زبان فکر کی ان صوتی علامتوں سے ترکیب پاتی ھے ' جو ایک مکمل نظام کے اجزا ھونے کے ساتھ ساتھ جداگانہ اور خودمختار حیثیت رکھتی ھیں - ان میں سے ھر علامت یا کلمہ' ایک خاص غرض سے تخلیق کیاجاتا ھے اور اپنی صلاحیت اور استعمال کے اعتبار سے حک و اصلاح' تراش خراش اور ترک و اختیار کی منزلوں سے گذرتا رھتا ھے - کم و بیش ھر لفظ کی ایک تاریخ ھوتی ھے' جس کے دھندلکے میں گوناگوں لسانی تغیرات کو ڈھونڈا جاسکتا ھے - الفاظ کے صوتی و معنوی تغیر و تبدل کی داستان میں اجزائے کلام کی کروٹیں اور نموئے لسان کے کرشمے بھی محسوس کئے جاسکتے ھیں - اس لئے یہ کہنا بے جا نہیں کہ زبان کی تاریخ ' تحقیقات لفظی یا تاریخ الفاظ کا سہارا لیتی ھے - بعض علماء تو تحقیق الفاظ یا اشتقاقیات کو لسانیاتی تحقیق کی بنیاد سمجھتے ھیں اور لسانیات کے تاریخی جائزے سے یہ ثابت کرتے ھیں کہ اشتقاقیات نے زبانوں کے تقابلی مطالعہ کے لئے راہ ھموار کی اور اس طرح تقابلی لسانیات کو فروغ ھوا - تقابلی لسانیات کی تنظیم اور ترقی نے ان تمام مباحث کی راھیں کھول دیں' جن سے آج لسانیات کی وسعت اورحدود متعین ھوتی ھیں- وھٹنے کی یہ رائے ھے کہ عام اصول و کلیات' دور رس زاویہ ھائے نظر' آفاقی اطلاق و اھمیت کی صداقتیں' جو لسانیات کے ڈھانچے کے کچھ اجزاء ھیں' تاریخ الفاظ یا اشتقاقیات کے مرھون منت ھوتے ھیں -

کم و بیش ھر لفظ تہذیبی سطح' ذھنی رجحانات' عصری میلانات یا کسی تاریخی موڑ کی داستان زبان حال سے سناتا ھے ' اس کے دامن میں اپنے بولنے والوں کے ماضی کی کوئی نہ کوئی امانت ضرور ھوتی ھے' قابل فخر

یا باعث مذمت - الفاظ کی تاریخ سماجی کروٹوں کے ساتھ ساتھ لسانیاتی تغیرو تبدل کی مختلف نوعیتوں کی بھی غمازی کرتی ہےبقول وھٹنے دنیا کے عظیم تریں اور قدیم تریں خاندان السنہ ہند یوروپی کی اکثر زبانوں کے الفاظ کی تحقیقات سے یہ ثابت ہوتا ہے - کہ وہ امتزاجی یا ارتباطی مرکبات ہیں یا سبقلاحی - جو الفاظ بہ ظاہرمادے یا مفردنظر آتے ہیں' وہ بھی مختلف اجزاء سے ترکیب پاکر نیرنگ زمانہ کے خراد کے ہاتھوں موجودہ قالب میں ڈھل گئے ہیں - یہ اجزاء گوآج مستقل کلمات کی حیثیت نہیں رکھتے' لیکن تحقیقی مطالعے سے یہ بات آئینہ ہو جاتی ہے کہ کسی نہ کسی دور میں یہ بھی مستـقل کلمات رہ چکے ہیں' مادہ یا مشتق Herself, Horse Race, Postman, God like گھڑ دوڑ' زن مرید سفر خرچ' جنم پتری' چاند گہن' مونگ پھلی' گاؤزباں وغیرہ مرکبات امتزاجی اور Snake Charmer, House Building, Pick Pocket' جیب کترا' چڑیمار' چر کٹا' مکھی چوس وغیرہ مرکبات ارتباطی کی مثال میں پیش کئے جا سکتے ہیں سبقلاحی الفاظ کی مثالیں Extra ordiuary 'Monogamy 'Misfortune 'Cc-partner 'Demigod 'Godly 'Geology 'Phonograph 'Secretary 'Library 'Annual برد بار' دل برداشتہ' لکھائی' پڑھائی' گھناؤنا سالانہ وغیرہ - بعض الفاظ کا تجزیہ مشکل نظر آتا ہے - ہاں ان کی تاریخ کاغائر مطالعہ ان کے مدغم ہو جانے والے اجزاء کو بے نقاب کر دیتا ہے - مثلاً انگریزی کاایک مستعمل لفظ (am) بہ ظاہر مفرد نظر آتا ہے لیکن تحقیق کا آئینہ کچھ اور دکھاتا ہے اور یہ واضح کرتا ہے کہ یہ لفظ دوجدا گانہ مفرد الفاظ کی باقیات الصالحات کا ترکیب دیا ہوا ہے - پہلاحرف ''a'' مادے ''as' بمعنی ہست یا وجود' کی صوتی یادگار ہے اور آخری حرف ''m'' لفظ ''mi'' کی، جس کی نمائندگی اب انگریزی لفظ ''me'' سے ادا ہوتی ہے اور جو ضمیر متکلم کی علامت کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا -

اس خاندان السنہ کے ابتدائی ادوار میں افعال کے ساتھ ضمائر کی علامات متصل بھی مستعمل تھیں - لفظ ''am'' فعل اور ضمیر فاعل دونوں کی نمائندگی کرتا ہے اور واحد متکلم صیغے کے معنی دیتا ہے - بجنسہ اسی فعل کے صیغے واحد غائب ''is''کی کیفیت ہے'جو ti + as کامخفف ہے

سنسکرت کے ''اسمی'' کا تحقیقی جائزہ ''آس'' بہ معنی ''ہونا'' اور ''می'' بہ معنی ''میں'' میں تحلیل کردیتا ہے' حالانکہ یہ اجزا ان معنوں میں اب نہیں پائے جاتے - یونانی میں ''ای می'' (eimi) لفظیات کے آئینے میں''ای'' بہ‌معنی ''ہونا'' اور ''می'' بہ‌معنی'' میں'' کا کرشمہ دکھاتا ہے - یہ اور بات ہے کہ یہ‌اجزا ان‌معنوں‌میں مستقل‌الفاظ کی حیثیت سے نہیں ملتے لفظ ''ہڑتال'' سوچ میں ڈال دیتا ہے - لیکن تحقیق کی نظر اجزائے ترکیبی ''ہٹ'' اور ''تالا'' ڈھونڈ نکالتی ہے -
لفظی تحقیق ''کھٹمل'' کو ''کھاٹ'' کا ''مل'' (پہلوان) ثابت کر کے وجہ تسمیہ بھی بتا دیتی ہے -

یہ اور اس طرح کی بہ کثرت مثالوں سے یہ ثابت‌ہوتا ہے کہ ہند یوروپی خاندان السنہ کے بیشتر الفاظ' مرکبات ہی ہیں - کہیں انکے اجزائے ترکیبی نمایاں‌ہیں اور کہیں مدغم- بہت‌سی صورتوں میں ادغام‌کی تحلیل مشکل نظر آتی ہے - ایسے کلمات‌کی کثرت ہے جو مادے اوراشتقاق کے ارتباط سے وجود میں آئے ہیں - اس ارتباط کی نوعیت مختلف ہے کہیں ارتباط ایسا ہے کہ عناصر ترکیبی مرور ایام کے ساتھ ساتھ مسخ ہو گئے ہیں' اس طرح کہ انہیں پہچاننا بھی دشوار ہے - سبقلاحی اجزا کلمے میں اسطرح مربوط و ملفوظ ہوگئے ہیں کہ ان‌کی الگ اور مستقل‌حیثیت کاگمان بھی نہیں ہوتا — گویا تصریف اپنی ابتدائی اور اصلی شکل میں کم ملتی ہے - بعض حالات میں تصریف‌کا نشان بھی باقی نہیں رہا - الفاظ کے تحقیقی مطالعے سےیہ واضح ہو جاتا ہے کہ الفاظ کےاجزا و عناصر کے بیچ سے نئی نئی کونپلیں پھوٹتی اور وقت کے ساتھ ساتھ بارآور ہرتی ہیں -

ان کے اشتقاق، تصرف، تغیر، حذف یا ان کی تخفیف و تنسیخ سے نت نئے الفاظ وجود میں آتے اور سرمایۂ زبان میں اضافہ کرتے رهتے هیں - اکثر ایسا هوا هے - کہ زبان، اپنے ارتقا کی پہلی منزل میں یک جزوی رهی، مشتقات وجود میں آتے رهے، مادے اور اشتقاق میں ارتباط هو قارها اس ارتباطی منزل پراجزائے ترکیبی کا تمیز کرلینا دشوار نہ تھا پھر اس ارتباط کی نوعیت بتدریج پیچیدہ هوتی گئی، ارتباط نے ادغامی حیثیت اختیار کر لی اور بہ‌ظاهر الفاظ کی تحلیل مشکل نظر آنے لگی اور اجزا کا مستقل کلمات کی حیثیت سے پہچاننا دشوار هو گیا - اسی تصریفی منزل کے بعد ایسی تحلیلی منزل آئی کہ تصریف کا نشان بھی باقی نہ رها غرضیکہ اشتقاقیات کے آئینہ خانہ میں قوموں کے عروج و زوال، ذهنی اکتسابات، معاشری کروٹوں، اخلاقی مدوجزر، استعداد و لیاقت، جذبات واحساسات هی کی تصویریں نظر نہیں آتیں بلکہ زبانوں کے ابتدائی مدارج، ان کے مزاج، ساخت، صرف و نحو وغیرہ کی جیتی جاگتی بولتی چالتی تصویریں بھی مل جاتی هیں لفظ کے ماخذ کی سراغرسی کے لئے هم‌عصر اور هم‌خاندان یا مشترکہ خصوصیات رکھنے والی دوسری زبانوں کو بھی کھنگالنا پڑتا هے، اسطرح بعض علما کے نزدیک اشتقاقیات یا تحقیق لفظی، تقابلی لسانیات کی اساس بن جاتی هے -

زبان اور اسکی کلیت کی تفہیم کے لئے یہ لازمی هے کہ انسانی زبان کے شاخ در شاخ حصوں اور شعبوں کا تاریخی و تنقیحی نقطۂ نظر سے مطالعہ کیا جائے اور قدیم ترین زمانے سے لے کر عہد حاضر تک کے مستند شواهد کا جائزہ لیا جائے - ظاهر هے کہ یہ سب کچھ، عملاً ممکن نہیں اس لئے علمائے لسانیات نے دنیا کے عظیم ترین خاندان السنہ، هندیوروپی کے غائر مطالعہ هی کی بنیاد پر کچھ قاعدے وضع کئے اور کچھ دوسرے خاندانوں اور گروهوں سے مقابلہ اور ان پر ان قاعدوں کے اطلاق کے بعد جزوی تصحیح و تعمیم کی کوشش کی - علمائے لسانیات کی اس قسم کی مساعی تقابلی لسانیات کے فروغ کا باعث هوئیں اور بتدریج لسانیات کے ارتقا کی

راهیں هموار هوتی گئیں —

هندیوروپی خاندان السنہ اپنی قدامت، همہ گیری، تاریخی تسلسل، تدریجی ارتقا، تنوع و بوقلمونی اور مستند مواد و شواهد کے اعتبار سے السنہ عالم میں اهم تریں اور ممتاز تریں حیثیت رکھتا هے - یہ خاندان لسانیات کے حسب مطلب اور خاطر خواہ مواد اور حقائق کے عظیم الشان سرمائے کا حامل هے - اس نے قدیم تریں زمانے سے، بلکہ اس دور سے، جس میں کسی اور انسانی زبان یا بولی کے واضح اور مستند نقوش یا آثار نہیں ملتے، لسانیاتی تغیر و تبدل اور مناهج ارتقا کی نتیجہ خیز مثالیں پیش کی هیں- اس میں کوئی شک نہیں کہ چینی زبان، هند یوروپی زبانوں سے کم قدیم نہیں اور اپنی ساخت کے لحاظ سے خاصی قدامت کی حامل هے - لیکن اس کے وہ ارتقائی مدارج، تنوع بوقلمونی اور همہ گیری کہاں جو هند یوروپی خاندان سے مختص هیں - مصری زبان کی قدامت اور عظمت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، لیکن آج اس کا نام لیوا کون هے ؟ سامی خاندان السنہ البتہ هندیوروپی خاندان کے مقابل پیش کیا جا سکتا هے لیکن اس میں موخر الذکر کا سا تنوع نہیں هے - سامی زبانوں کی ساخت میں ایسی لچک بھی نہیں هے کہ تغیرات و تصرفات کی اتنی وافر اور نتیجہ خیز مثالیں پیش کر سکیں جتنی، هندیوروپی زبانوں میں ملتی هیں - ان زبانوں کے ماخذ اور آغاز کے بارے میں بھی کوئی موثق اور مستند رائے قائم نہیں کی جا سکی هے - یہ خاندان علم اللسان کے لئے اتنا مواد بھی فراهم نہیں کر سکا جتنا هندیوروپی خاندان کی کسی ایک شاخ نے مہیا کیا هے -

ظاهر هے کہ جس علم کے مناهج تاریخی هوں اور جس میں زبان کے عہد بہ عہد اور نسلاً درنسلاً تغیر و تبدل کا سراغ لگا کر اس کے تدریجی ارتقا کا مطالعہ کیا جائے اور اس طرح اس کی ماهیت ، منصب ، اور ماخذ و آغاز کی تحقیق کی جائے ، اس کا انحصار ، مناهج کی صحت اور نتائج کے تیقن هی پر هوسکتا هے - اور یہ دونوں باتیں مواد تحقیق کے مہیا کردہ

تاریخی تغیرات کی بھرپور مثالوں ھی پر منحصر ھوسکتی ھیں - اگر کچھ زبانوں کی قدرے قدیم تر شکلیں بعد کی شکلوں سے تقابل کے لئے تحقیق کی گرفت میں نہ آ سکیں تو بھی تاریخی تحقیق میں کوئی خاص رکاوٹ نہیں پڑتی - تحلیلی مطالعہ کی نظر زبان کی ساخت میں بھی، اس کے ارتقا کی پرچھائیں دیکھ لیتی ھے - ھم عصر اور ھم رشتہ زبانوں کے تقابل سے بھی کچھ نہ کچھ نتیجہ خیز باتیں معلوم ھو جاتی ھیں - ھم ماخذ زبانیں مرور ایام کےساتھ ایک دوسرے سےبہت مختلف ھوجاتی ھیں ، ان میں سے اکثرمتوارث خصوصیاتبھی کھو بیٹھتی ھیںلیکن ان میںکوئی نہ کوئیایسی ضرور ھوتی ھے جس میں ان خصوصیات میں سے تھوڑی بہت اپنی ابتدائی صورت میں محفوظ رہ جاتی ھیں - مثلاً سنسکرت اور ھند یوروپی خاندان کی دوسری قدیم زبانوں میں مرکب لفظ ''اسمی'' (asmi) ملتا ھے ، جس نے مختلف زبانوں میں اپنی ھئیت بتدریج بدل ڈالی ھے لیکن لتھونیا کی زبان میں اب بھی یہی شکل موجود ھے — ھمعصر زبانوں کے تقابل کے ذریعہ کسی گروہ کی تاریخی تحقیق کا دارومدار ، زبانوں اور بولیوں کی کثرت، ان کے تنوع، باھمی رشتوں اور الفاظکی قدیم شکلوں کےتحفظ پر ھے لیکن اس سے زیادہ مستند تحقیق وہ ھوتی ھے جس کی بنیاد ایک ھی خاندان کی قدیم تریں اور عہد بہ عہد کی زبانوں اور بولیوں کے تقابل پر ھوتی ھے کبھی کبھی ایک ھی شاخ یا گروہکی تنگنا میں ماخذکی صحیح تفہیم ممکن ھو سکتی ھے بہ شرطیکہ اس شاخ کی دور بہ دور کی قدیم شکلیں حسب ضرورت اور خاطر خواہ مواد مہیا کرتی ھوں - مثلاً لا طینی کے فراھم کردہ مواد سے ان قوانین کاتعین، جن کے تحت رومانی زبانوںکا ارتقاھوتا رھا ھے — نیز ان زبانوں کی تاریخ کا صحیح علمھوا ھے — بسا اوقات ایک ھی زبان کی قدیمتریں اورمابعدکی صورتیںمل جاتی ھیں لیکن کچھ درمیانی کڑیاں مفقود ھوتی ھیں — ایسی حالت میں ارتقا کے رخ اور تغیر وتبدل کی نہج کو سمجھکر مفقود کڑیوں سے متعلق قیاس کیا جا سکتا ھے —

مثال میں جرمانی زبانوں ، فارسی اور برصغیر ہند و پاک کی زبانوں کو پیش کیا جا سکتا ہے - تحقیق کا یہ طریقہ اتنا مستند تو نہیں جتنا اول الذکر ہے، تاہم صحت سے قریب تر سمجھا جا سکتا ہے -

اگرچہ ہند یوروپی زبانوں کے تقابلی مطالعے سے بقائے لسان کے عام قاعدوں کا استخراج کر لیا گیا ہے لیکن محض ہند یوروپی تقابلی لسانیات کو لسانیات قرار دینا صحیح نہیں ہے - السنۂ عالم میں اتنی مغائرت ہے کہ کسی ایک گروہ یا خاندان پر توجہ مرکوز کرنے سے زبان کی ماہئیت اور تاریخ سے متعلق جزوی معلومات ہی دستیاب ہو سکتی ہیں - ہند یوروپی خاندان کی زبانوں کی قدامت ، لچک اور تنوع کے باوجود ، ان سے مستخرج قاعدے زبان اور اس کی کلیت سے متعلق قول فیصل نہیں ہو سکتے ہاں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس خاندان کی داخلی خصوصیات اور خارجی کیفیات علمائے لسانیات کے نزدیک نتیجہ خیز اور اسی لئے بڑی اہم ہیں-

وھٹنے اور بعض علمائے لسانیات کی رائے تو یہ ہے کہ لسانیات کی تمام تر اساس مطالعۂ الفاظ یا اشتقاقیات ہی پر ہے اور علمائے اشتقاقیات کے مستخرج نتائج سے لسانیات کے گوناگوں مباحث کے لئے راہیں ہموار ہو جاتی ہیں - اشتقاقیات کا ہر مسئلہ اور ہر مرحلہ تاریخی نوعیت رکھتا ہے- اس کا تعلق مرور ایام کے ان مدارج سے ہے ، جن کی نشاندہی تاریخی شواہد سے ہوتی ہے - یہی نہیں بلکہ وہ شواہد پر محاکمے اور اس سے مستخرج صداقت کی پہچان پر بھی دلالت کرتا ہے - علمائے اشتقاقیات تمام ممکنہ شواہد کے ذریعے الفاظ کے ماخذ ان کے تغیر و تبدل اور تراش خراش کے مدارج و منازل کو منصۂ شہود پر لاتے ہیں - جدید اشتقاقیات کے نزدیک تحقیق الفاظ کی بہترین صورت یہ ہے کہ ہم خاندان زبانوں کے الفاظ کے باہمی تقابل سے مدد لی جائے - ہم اصل زبانوں میں ہر چند اختلاف سہی، وہ سب اپنے سرچشمے کی کوئی نہ کوئی خصوصیت ضرور محفوظ رکھتی ہیں- الفاظ لاکھ روپ بدل لیں اور بہروپ بھر لیں، نگاہ تحقیق ان کے ہم رشتوں

اور ان کی اصل کا کھوج لگا ھی لیتی ھے - لسانیات اپنے ارتقا کی ابتدائی منزلوں میں الفاظ کے تقابلی مطالعے یا تقابلی لسانیات کے دائرے میں محدود رھی ھے ـــ

لیکن یہ نظرانداز نہیں کرنا چاھئے کہ اٹھارویں صدی میں اشتقاقیات کی حیثیت قیاسی اور سماعی زیادہ تھی - اُنیسویں صدی کے آغاز میں بھی اسے صحیح معنوں میں علمی درجہ حاصل نہ ھو سکا تھا - الفاظ کی ظاھر مشابہت پربہت زور دیاجاتا تھا اور دور کی کوڑی لا کر تاویلات کی جاتی تھیں - بیسویں صدی میں ان تاویلات کا کوئی جواز نہیں ھو سکتا-ابتدائی اشتقاقیات کے مستخرج نتائج علمی حیثیت نہیں رکھتے - اس کے باوجود اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ لسانیات کا دائرہ عمل اشتقاقیات اور تقابلی لسانیات کے دائرے تک ھی محدود تھا اور لسانیات کے انھی شعبوں سے استنباط کرکے لسانی قوانین وضع کرلئے جاتے تھے - انیسویں صدی میں جب ان شعبوں میں علمی نقطہء نظر اختیار کیاجانے لگا، توفلسفہء لسان سے متعلق کچھ قابل قدرمستخرجات بھی منظرعام پر آئے اورزبان کے لسانیاتی مطالعے کے مناھج زیادہ واضع اورعلمی ھوتے گئے -اصول لسانیات کا استنباط بھی علمی سطح پر ھونے لگا- انیسویں صدی میں اشتقاقیات اورتقابلی لسانیات کے مطالعے کو جو اھمیت حاصل رھی ھے، اس کا ایک نتیجہ یہ بھی ھوا کہ زبان کے ترکیبی اور تحلیلی مطالعے کی روش عام ھو گئی اور زبان سے متعلق جو نظرئیے پیش کئے گئے ان میں مادے (اصلی الفاظ) کانظریہ خاص طور پر مقبول ھوا ــ اس نظرئیے کی رو سے ھر ،،زبان،، اپنے آغاز کے وقت ،،یک جزی،، رھی ھے ــ اس میں غیرمعین مادے یایک جزے اصوات ھی تھے ــ تالیف یا ترکیب نام کوبھی نہ تھی، اور نہ ھی گرامر کے عناصر باقاعدہ تشکیل پاسکے تھے ــ تالیف ، ترکیب اور قواعد کے رشتے امتداد زمانہ سے پیدا ھوئے اور زبان تالیفی، اورترکیبی منزلوں سے گزر کرتحلیلی منزل پر پہنچی اس نظرئیے کو مسلمہ سمجھا جاتا رھا اور السنہؑ عالم کا

لسانی تجزیہ کرتے وقت اصلی اور تعمیری الفاظ کے امتیاز اوراصلی الفاظ یا مادوں کی تنقیدی تاریخ پر زور دیا جانے لگا ۔

زبان محض اپنے اجزائے ترکیبی کے مجموعے ھی کا نام نہیں ھے۔ فکر، خیال یا جذبے ھی سے زبان جنم نہیں لیتی ۔ صرف آلات نطق اُسے تخلیق نہیں کرتے یا صرف ھوا کے ارتعاش یا آوازوں اور ان کی ترکیب سے زبان وجود میں نہیں آتی ۔ اگر کوئی شخص کسی طرح کسی ایسی کتاب کو صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھنا سیکھ لے ، جس کی زبان نہ وہ خود سمجھتا ھو، نہ سننے والے تو اس کے سماج میں ان بسیط آوازوں کا مربوط مجموعہ ''زبان'' نہیں قرار پاسکتا ۔ زبان اسی وقت ''زبان'' ھوتی ھے جب کسی شخص کا ذھن، اس کے اصوات کو ابلاغ یا اظہار کا ذریعہ سمجھے اور ان سے وھی یا اس سے ملتاجلتامفہوم مراد لے جو قائل کامقصود ھے۔ زبان کی ابلاغی قدر ھی اسے ''زبان'' بناتی ھے ۔ گویا زبان میں مظاھر کی دو نوعتیں ھیں ۔ طبعیی اور نفسیاتی ۔ اصوات کے تسلسل اور ربط سے طبیعی پہلو ترکیب پاتا ھے قائل اور سامع کے ذھنوں میں ان علامات کی تفسیر و معانی سے نفسیاتی پہلو پیدا ھوتا ھے ۔ زبان کے ان دو نوں پہلوؤں کا چولی دامن کا ساتھ ھے ۔ زبان کا مقدم ترین عنصر وہ اصوات ھیں جو کسی خیال، تصور، فکر یا جذبے یا ان کے مجموعے کو ذھن نشین کرا سکیں ولم ۔ ایل ۔ گراف نے یہ رائے ظاھر کی ھے ۔ کہ زبان کی ابتدائی اکائی خیال یا جذبہ کا مکمل ابلاغ کرتی ھے اور اسے جملہ کہا جا سکتا ھے ۔ اس کا یہ مطلب ھرگز نہیں کہ جب ھم بولنے لگیں تو ابلاغ کی پوری تفصیل ھمارے ذھن میں بالکل واضح ھو ۔ زبان کے اسالیب ھمارے خیالات کی تشکیل میں کچھ نہ کچھ حصہ ضرور لیتے ھیں اور دوران گفتگو جملہ بتدریج ترکیب پاتا ھے ۔ ابلاغ کی مکمل تیاری اور آغاز اظہار سے پہلے ذھن مصروف ضرور رھتا ھے، لیکن یہ ذھنی مصروفیت موزوں الفاظ کی تلاش سے عبارت کی جا سکتی ھے، جملے کی ترتیب سے نہیں ۔ جبتک

مافی الضمیر کا اظہار شروع نہیں ہوجاتا اس وقت تک "زبان" زیر تکمیل ہی رہتی ہے لیکن اس وقت تک کوئی لسانی اکائی وجود میں نہیں آتی - تحریر یا رسم الخط کی تاریخ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شروع شروع میں ابلاغ کے تجربے کے سلسلے میں انسان نے زبان کے نفسیاتی پہلو پر زیادہ توجہ دی اور صوتی اہمیت، توجہ سے بہت کچھ محروم رہی - اسی لئے اصوات اور ان کے مضمرات کے بجائے تحریر اور اس کی ابلاغی حیثیت پر ہی غور کیا جاتا رہا - تحریر، ان علامات پر مشتمل ہوتی تھی جو خیالات کی تھوڑی بہت ترجمانی تو کرتی تھیں لیکن یہ بتانے سے قاصر تھی کہ ان علامتوں کا تلفظ کس طرح کیا جا سکتا تھا- جب اس طریق مطالعہ کو ناکافی سمجھا جانے لگا تو زبان کے صوتی پہلو کی طرف نظر ہوئی - زبان کے مطالعے سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ مختلف صوتی مظاہر میں بعض مشترک اجزا بھی ہیں، جنہیں معانی سے علحیدہ کرکے بھی علامتوں کے ذریعہ پیش کیا جاسکتا ہے- ان مشترک اجزا کے لئے مشترک علامات وضع کی گئیں

ابتدائی صوتی تحریری نظام مفرد آوازوں پر نہیں بلکہ یک جزے الفاظ پر قائم ہوا - آہستہ آہستہ زبان کی نمایاں اور ممتاز اصوات کے لئے حروف تہجی وجود میں آئے - حروف تہجی اور ان کی اصوات کے رشتے مستحکم ہونے میں خاصی مدت لگ گئی - تحریر میں سہولتیں پیدا کرنے کے لئے حروف تہجی کی تنقیح بھی کی جاتی رہی - اس میں کوئی شک نہیں کہ حروف تہجی کی بدولت زبانوں نے تحریری صورتیں اختیار کیں اور پھر ادبی و علمی درجہ پا کر انسانی ثقافت کے فروغ کا ذریعہ بنیں، لیکن جہاں تک صوتیاتی اور لسانیاتی حیثیت کا تعلق ہے حروف تہجی کی وجہ سے کچھ مشکلات بھی پیش آئیں - حروف اور الفاظ کے ذریعے سوچنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ اصوات کے مدرکات کا امکان ہی نہ رہا - زبان کی اصوات کا تجزیہ کرنے کے لئے بھی حروف تہجی پر غور ہونے لگا - حروف تہجی سے صوتی تجزیہ مکمل نہیں ہوتا - تحریر زبان کی محض بصری علامت ہے — جب

ابلاغ کا تحریری طریقہ اختیار کیا جاتا ہے تو زبان اپنی صوتی کلیت کے ساتھ سامنے نہیں آتی - لکھے ہوئے الفاظ اور تحریری علامتوں کے درمیان تلازمے معین ہو جاتے ہیں ، اسی طرح اصوات اور حروف تہجی میں بھی تلازمے ہوتے ہیں - لیکن تحریر کے پڑھنے سے ذہن معانی کی طرف مبذول ہوتا ہے ، اصوات کی طرف نہیں ، اس طرح اصل صوتی تصویر دھندلا جاتی ہے ــ تحریر اور اصوات کے رشتے میں مکمل استقلال نہیں ہوتا ــ کسی زبان کے حروف تہجی کے اصوات ، خود اس زبان کے صوتی مظاہر کے لئے ناکافی ہوتے ہیں ، انسان کے آلات نطق ان گنت مختلف آوازیں پیدا کر سکتے ہیں ــ ان تمام کی صحیح، واضع اور مکمل ترجمانی چند حروف تہجی کے ذریعے نہیں ہو سکتی ــ جب ایک زبان میں اپنی ہی اصوات کی صحیح ترجمانی کی پوری سکت نہ ہو تو وہ اجنبی زبانوں کی اصوات کی صحیح نمائندگی کہاں کر سکتی ہے ــ کسی دوسری زبان کا رسم الخط اپنانے میں دو دقتیں پیش آتی ہیں ــ پہلی یہ کہ اس رسم الخط کے حروف ، اس زبان کی تمام اصوات کی ترجمانی سے قاصر ہوتے ہیں ، دوسری یہ کہ بعض ایسے غیر ضروری حروف بھی آ جاتے ہیں، جن کے مخارج اس زبان میں ہوتے ہی نہیں ــ جب انگریزی زبان کے لئے لاطینی رسم الخط اختیار کیا گیا تو یہی دقتیں پیش آئیں ــ انگریزی کی بعض اصوات لاطینی سے کچھ مختلف تھیں ، ان کی واضح ترجمانی کے لئے لاطینی میں حروف نہ تھے ــ انگریزی کے کچھ حرکات و علل ایسے ہیں جو لاطینی حروف علت کے ذریعہ ادا نہیں ہوسکتے، اسی لئے ان حروف علت کی تالیف سے مدد لی جاتی ہے ــ کبھی i اور e کو ملا کر کمی پوری کی جاتی ہے اور کبھی e اور a کو ملا ــ کبھی o اور u کی تالیف سے کام نکالا جاتا ہے - وھوالہذا - اسی طرح بعض حروف صحیح کی تالیف سے انگریزی کے صوتی مظاہر کی ترجمانی کی جاتی ہے مثلا Wh ‘Kl ‘Sh ‘Tr جن اصوات کے لئے مستعمل ہیں، ان کے لئے انگریزی (دوسرے لفظوں میں لاطینی)

میں حروف تہجی نہیں ہیں - یا مثلاً Sing میں n کی جو آواز ہے ، اس کے لئے کوئی حرف نہیں ، اسلئے "n" سے ہی کام لیا جاتا ہے - گویا الفی یا انوناسک ،،ون،، کا اخفایا نون غنہ کا صوتی وجود تو ہے تحریری وجود نہیں - اس کے برعکس x، q، c کے مخارج انگریزی میں نہیں تھے - لیکن رسم الخط کی وجہ سے یہ مخارج بھی آگئے ہند آریائی زبانوں میں عربی کے حروف ص، ض، ع، غ، ق، وغیرہ کے مخارج نہ تھے ' لیکن اب اردو بول چال میں سنائی بھی دیتے ہیں - لیکن ایک زبان میں دوسری زبان کے مخارج پیدا ہونے کی مثالیں کم ملتی ہیں - اس کے علاوہ حروف تہجی یا تحریری علامتیں جامد ہو کر رہ جاتی ہیں جبکہ بول چال کی زبان میں صوتی تغیرات ہوتے رہتے ہیں - اسی لئے ہر زبان کی تحریر چند سو سال کے بعد بول چال کی زبان کی اتنی ترجمانی کرنے سے بھی قاصر ہو جاتی ہے ،جتنی پہلے کر سکتی تھی اور اس میں کچھ نہ کچھ تغیرات کی ضرورت محسوس کی جانے لگتی ہے - لہذا زبان کے طبیعی پہلو کا تجزیہ کرنے کے ضمن میں تحریر ، علمی اعتبار سے اچھا ذریعہ نہیں بن سکتی - زبان کی صوتی خصوصیات کو سمجھنے کے سلسلے میں اس کی تحریری صورتیں یا بصری علامتیں، عام لوگوں کے لئے گمراہ کن بھی ہو سکتی ہیں - تحریری علامات میں زبان کے لب ولہجہ، زیروبم، جزوکلمہ پر زور ، آوازوں کے ادغام کی نوعیت وغیرہ کی صحیح ترجمانی نہیں ہو سکتی - مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ زبان کا فنی نقطۂ نظر سے مطالعہ ، اس کی تحریر کے ذریعہ نہیں ہو سکتا - اس کے لئے اصوات پر غور وخوض ضروری ہے - اس کے بغیر زبان کے ارتقا سے متعلق صحیح رائے قائم نہیں کی جا سکتی - اشتقاقیات اور تقابلی لسانیات میں صوتی تغیرات کو بڑی اہمیت حاصل ہے - ان تغیرات کو اچھی طرح سمجھنے، ان کا رخ متعین کرنے، اور ان کے اصول و قوانین کا استنباط کرنے کے لئے صوتیات کی طرف توجہ دینا لازمی ہے — صوتیاتی مطالعے کے بغیر زبان کے مزاج کو سمجھنا ناممکن ہے — جدید لسانیات ، صوتیات پر زیادہ زور دیتی

ہے - علمائے لسانیات زبان کے مطالعے کے لئے عموماً یہ مشورہ دیتے ہیں کہ زبان کے مخارج ، لب و لہجہ ، زیر و بم ، اجزائے کلمات پر ''زور''وغیرہ پر پوری پوری توجہ دی جائے ۔ مشاہدے کے ساتھ ساتھ مبادیات صوتیات کا بھی مطالعہ کیا جائے ، اور زبان کے تاریخی ارتقاء پر گہری نظر رکھی جائے ۔ اس ضمن میں دور بہ دور کے تغیرات کا جائزہ لے کر ہم رشتہ اور ہمسایہ زبانوں سے موازنہ و مقابلہ کیا جائے ، نیز ''لسانیات'' کے اصول و مسائل سے زیادہ سے زیادہ واقفیت بہم پہنچائی جائے - صوتی مطالعے کے لئے جدید صوتیاتی آلات کا استعمال ناگزیر ہے - مبادیات صوتیات کا تعلق تشریحی بحث سے ہوتا ہے ، جس میں آوازوں کے مخارج ، تلفظ ، ادا اور صفات کی وضاحت کی جاتی ہے ۔ صوتیات کی تاریخی بحث میں ہر آواز کی تاریخ دی جاتی ہے - اور تقابلی بحث دوسری متعلقہ زبانوں سے مقابلے کے بعد اس کے مختلف ارتقائی دوروں کو روشنی میں لایا جاتا ہے - 1

زبان کی تعمیر اور نشوونما میں کچھ عام اور مستقل اصول حصہ لیتے ہیں - یہ اصول زبان کے ساتھ ساتھ استقلال حاصل کرتے ہیں - شروع شروع میں زبان میں استقرار نہیں ہوتا - الفاظ کی ترتیب اور ترکیب میں ٹھہراؤ امتداد زمانہ سے پیدا ہوتا ہے ، اس وقت تک اس کے اصول نحو، بھی مستقل نہیں ہو جاتے - جب زبان کی مستقل اور مابہ‌الامتیاز حیثیت قائم ہو جاتی ہے تو ان اصولوں کو معین کیا جا سکتا ہے - ان اصولوں کا تاریخی، تقابلی اور تحقیقی مطالعہ ہی گرامر ہے - 2 علمی گرامر کا مطالعہ لسانیاتی نقطۂ نظر پیدا کرنے میں ممد و معاون ہوتا ہے - اس کی شاخوں ، یعنی تاریخی اور تقابلی گرامر کے مطالعہ سے زبان کے بہت سے اسرار و رموز کھلتے ہیں -

---

1 ''لسانی مسائل''، صفحہ 10 (ڈاکٹر شوکت سبزواری)

2 " صفحہ 20 (")

تاریخی جائزہ

عام طور پر یہ رائے ظاہر کی جاتی ھے کہ لسانیات کا آغاز ان تحریروں اور دستاویز کے مطالعہ سے ھوا ، جو اپنی مذھبی اور جمالیاتی اقدار کی وجہ سے محفوظ رکھ لی گئی تھیں۔ان دستاویز کا متن لسانی اعتبار سے بہت قدیم تھا، اس لئے ان کی تفسیر ضروری سمجھی گئی۔تفسیر کے ضمن میں زبانوں کی ساخت پر بھی تھوڑا بہت غور کیا گیا، اجرائے زبان کو سمجھنے کی کوشش کی گئی - اگر چہ مفہوم کی تفہیم مقدم تھی، تاھم ضمنی طور پر اجزائے زبان (جہاں تک کلمات کا تعلق ھے) ابھرتے گئے اور آھستہ آھستہ کلمات کی حیثیتیں اور اُنکے رشتے متعین کئے جانے لگے - اس طرح گرامر وجود میں آنے لگی - ان دستاویز کے مطالعہ سے قومی ثقافتوں کا جائزہ بھی ھوتا رھا ، اور گرامر کے ساتھ ساتھ قومی ثقافتوں کے مطالعہ کا رواج عام ھونے لگا - ثقافتی روایات کے مطالعہ کو ''فیلولوجی،، کے نام سے موسوم کیا جانے لگا - جرمن فیلولوجی، فرنچ فیلولوجی، جیسی ترکیبیں عام ھوگئیں- بنیادی طورپر فیلولوجی کسی قوم کی ثقافتی روایات کے مطالعے کا نام تھا لیکن بتدریج اس میں ادب اور زبان کا ضمنی مطالعہ بھی شامل ھو گیا ــ

بقول آٹو جسپرسن جب سے انسانی ذھن اس قسم کے مسائل کی طرف مبزول ھوا کہ دنیا بھر کے لوگ ایک ھی زبان کیوں نہیں بولتے؟

الفاظ کی تخلیق کس طرح ہوئی ہے؟ ایک اسم اور مسمی میں کیا رشتہ ہے؟ فلاں شخص یا چیز کے لئے جو لفظ استعمال ہوتا ہے، وہی کیوں مخصوص ہو گیا ہے؟ کوئی اور لفظ کیوں نہیں استعمال کیا جاتا ؟- شاید اسی وقت سے لسانیات کا آغاز بھی ہوا-شروع شروع میں اس قسم کے سوالات کے جوابات، حیات و کائنات کی پیچیدگیوں کی قدیم توجیہ کی طرح نیم مذہبی یا اساطیری ہی ہوتے ہونگے یہ خیال عام ہوگا کہ خالق کائنات یا کسی دیوتا نے زبان تخلیق کی ہوگی یا تمام جانوروں کو اولین انسان کے پاس بھیج دیا ہوگا تا کہ وہ انکے نام مقرر کرلے-تورات میں زبانوں کے اختلافات کی یہ توجیہ کی ہے کہ آدم نے جو گناہ کیا تھا اس کی پاداش میں اس کی نسل میں زبانوں کے اختلافات پیدا کر دیئے گئے ہیں — زبان سے متعلق یہ عام لیکن اہم مسائل و مباحث مدت سے انسان کے پیش نظر رہے ہیں — قدیم یہودی ان شخصی ناموں یا اسمائے خاص کی لفظی حیثیت ، ان کی تشکیل اور معنویت پر بھی توجہ دیتے اور تفسیر و توجیہ کرتے رہے ہیں' جن میں اظہاریت نہ ہوتی تھی — اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ زبان کے مسائل سے غافل نہ تھے — الفاظ کی تحقیق، ان کی ساخت اور معنویت کو ان کی اتفاقی لیکن کم و بیش ایسی مشابہت پر بھی منحصر کیا جاتا رہا ہے جس کی توثیق مفاہیم کے موہوم رشتے یا مناسبت سے ہو سکتی تھی — لفظی تحقیق کا یہ انداز یونانی مصنفوں نے اختیار کیا ہے، لاطینی مصنفوں نے انہی کی تقلید کی ہے — یونانی مفکرین نے پہلی بار اس امر پر بھی غور و خوض کیا ہے کہ آیا الفاظ، جن خیالات کی ترجمانی کرتے ہیں، ان کے فطری اور لازمی مظہر بھی ہیں یا وہ ان خیالات کی صرف مقررہ اور روایتی علامات ہیں جن کی باقاعدہ ترجمانی دوسری آوازوں سے بھی ہو سکتی ہے — اس موضوع پر مسلسل بحثیں ہوتی رہی ہیں — افلاطون کی ,, Kratylos ،، سے اس حقیقت پر اچھی روشنی پڑتی ہے — لیکن یہ بحثیں نتیجہ خیز نہ ثابت ہوئیں، اس لئے کہ مفکرین کوئی قطعی رائے قائم ہی نہ کرسکے — غالباً

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے پیش نظر صرف یونانی زبان تھی ـ آج تقابلی لسانیات کی ایک صدی سے زیادہ مدت گزر جانے کے بعد بھی یہ سوال اسی طرح غور طلب ہے - یونان میں دو کلیدی الفاظ یعنی فطری (Phusei) اور روایتی (Thesei) نے صدیوں تک مفکروں اور نحویوں کو دو گروھوں میں تقسیم کر رکھا تھا - لیکن کچھ ایسے بھی مفکر تھے (مثلاً ''مکالمات افلاطون،، میں سقراط) جو یہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ اس وقت کی زبان کے الفاظ اور ان کے مفاہیم میں ، نیز اسم اور مسمی میں کوئی فطری تعلق نہیں ـ لیکن وہ لوگ ایسی مثالی زبان کی تخلیق کے متمنی بھی تھے ، جس میں الفاظ اور مفاہیم ، اسم اور مسمی کے درمیان کوئی معقول مناسبت اور مدلل رشتہ بھی ہو - اس قسم کے قیاسات سے فطانت ضروری ٹپکتی ہے لیکن انھیں علم کا درجہ نہیں دیا جا سکتا سائنس جس تعمق نظر ، دقیق مشاہدے، حقائق نفس الامر کی باقاعدہ گروہ بندی اور ترتیب کی متقاضی ہے ،اس کی پرچھائیاں قدیم یونانیوں کے یہاں برائے نام ھی ملتی ھیں قدیم ھند کے نحویوں نے پہلی بار لسانیاتی مشاھدے اور لسانی درجہ بندی کی اھمیت محسوس کی ـ قدیم بھجنوں کی زبان کئی اعتبار سے متروک ھو چکی تھی لیکن مذھبی تقدس کا اقتضا یہ تھا کہ ان میں کوئی تصرف نہ ھونے پائے،ایک نقطہ بھی ادھر سے آدھر نہ ھو ـ اس کا نتیجہ یہ ھوا کہ بھجنوں کی روایت سینہ بسینہ ، نسلاً در نسلاً چلتی رھی ـ اس سے ان آوازوں یا الفاظ کے تجزیئے میں بڑی مدد ملی ، جن کے ذریعہ مفصل بیانات واضح اور بین ھو گئے ھیں ، باتوں کے نازک مفاھیم کا فرق نمایاں ھو گیا ھے - اگرچہ ان میں تصنع ، تکلف اور اصطلاحات کی بھر مار بھی ھے ، لیکن صرفی و نحوی ترتیب ، بلاغت و فطانت بھی قابل داد ھے - ان سب کا تجزیہ اعجاز سے کم نہیں - ان نحویوں کا طریق کار مغربی نحویوں سے بالکل مختلف ھے - جب پانینی اور دوسرے سنسکرتی نحویوں کی تحقیقات ، انیسویں صدی میں پہلی بار

یورپ میں روشناس ہوئیں تو یورپ کی "لسانیات" نے ان کا خاصا اثر قبول کیا۔ اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ قدیم ہند کی کچھ فنی اصطلاحات آج بھی مغربی لسانیات میں بلا تکلف استعمال کی جاتی ہیں مثلاً سندھی - اور وہ اصطلاحات جو مرکب اسموں کی مختلف قسموں سے متعلق ہیں —

یورپ میں علم قواعد کا تدریجی ارتقاسب سے پہلے یونان میں ہوا اور اس کے بعد روما میں - ارسطو نے پہلی بار الفاظ کی صرفی تقسیم کی اور لفظ کی "حالت" کا تصور پیش کیا - یونان کے رواقئین نے ارسطو کی تقلید ھی نہیں کی بلکہ کچھ اضافے بھی کئے ڈیونی سیس تھریکس (دوسری صدی قبل مسیح) نے یونانی گرامر پر باقاعدہ ایک مستقل کتاب تالیف کی - یہ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے - اس میں صوتیات اور صرف و اشتقاق سے بھی بحث کی ہے - اس کے پیش کردہ اصولوں کو سامنے رکھ کر یونانی اور لاطینی کی بہت سی گرامر کی کتابیں لکھی گئیں - اپولونیس ڈسکولس (دوسری صدی عیسوی) کی یونانی گرامر، ڈونیٹس (چوتھی صدی عیسوی) پری شین (چھٹی صدی عیسوی) کی لاطینی گرامر کی کتابیں قابل ذکر ہیں - ان میں سے بعض کی اصطلاحات لاطینی کے وسیلے سے یورپ کی مختلف زبانوں میں دخیل بن کے رائج ہیں — ان اصطلاحات میں سے بعض میں یونانی زبان کے لحاظ سے عجیب و غریب غلطیاں بھی راہ پا گئی ہیں - مثلاً انگریزی میں اسم کی حالت کو accusative کہتے ہیں، جو در اصل یونانی لفظ aitiatike کا بہروپ ہے - یونانی میں aitiatike حالت مفعولی کو کہتے تھے، لیکن انگریزی میں اس کے لئے اصطلاح کا استنباط aitiamai (I accuse) سے ہو گیا ہے - یونان اور روما کے بعد اسکندریہ میں ان قدیم مصری شاعروں کے کلام کی تفسیر اور اس ضمن میں الفاظ کی بحث میں موشگافیوں کا دور دورہ شروع ہوا، جن کی زبان متروک اور نا قابل فہم ہو چکی تھی — الفاظ کے پیچ و خم کی تفصیل اور معانی کی وضاحت میں موشگافیاں

کی جانے لگیں - یہاں الفاظ کو عموماً دو اقسام میں تقسیم کیا جاتا تھا - قیاس لغوی اور مخالف قیاس لغوی - لیکن زبان کی ساخت اور اس کے ڈھانچے پر کسی نے غور و خوض نہیں کیا — گویا اسکندریہ میں بھی اشتقاقیات یا تحقیق الفاظ کے سلسلے میں علمی نقطہ نظر پیدا نہ ہو سکا - قرون وسطیٰ میں بھی ,, لسانیات ،، نے کوئی ترقی نہیں کی — قدیم زبانوں میں سے لاطینی ہی ایک ایسی زبان تھی ، جس کی طرف اہل یورپ نے تھوڑی بہت توجہ دی ، لیکن یہ توجہ بھی کلیسا کی مرہون منت تھی- لاطینی کسی علمی نقطہ نظر سے نہیں سیکھی جاتی تھی بلکہ مذہبی دستاویز کی وجہ سے مرکز توجہ تھی - اس توجہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاطینی گرامر پر بھی غور ہونے لگا - اجزائے کلام پر غور کر کے الفاظ کے باھمی رشتوں کو سمجھا گیا اور گرامر کے قواعد مرتب کیے گئے نشاۃالثانیہ کے بعد یونانی زبان کی طرف بھی رجوع کیا گیا لاطینی گرامر کی ترتیب چھاپہ خانہ کی ایجاد اور بین الملکی رسل و رسائل کی سہولتوں کی بدولت یورپ کی زندہ زبانوں کو بھی درخور اعتنا سمجھا جانے لگا — چوں کہ عبرانی ، عہد نامہ عتیق کی زبان تھی ، اس لئے مذہبی رجحان کی وجہ سے اس زبان سے واقفیت پر بھی زور دیا جانے لگا عبرانی اور یورپ کی زبانوں میں بعد المشرقین تھا پھر بھی عبرانی سے واقفیت نے مطالعہ السنہ کا ذوق و شوق پیدا کیا - یہ اور بات ھے کہ یہ ذوق و شوق ایک غلط رجحان کا پیش خیمہ ثابت ہوا — سامی خاندان السنہ کی خصوصیات متحقق نہ ہوئی تھیں — عبرانی کو مذہبی جنون نے جنت کی زبان قرار دے رکھا تھا — اس لئے اس کا امالالسنہ سمجھ لیا جانا لازمی تھا — یورپ کی تمام زبانوں کو عبرانی سے ماخوذ سمجھ لینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ عبرانی اور ان زبانوں کے بعض الفاظ کی صوتی مماثلت کو بنیاد بنا کر عبرانی کو ان سب زبانوں کا ماخذ ثابت کرنے کی کوشش کی جانے لگی — اس طرح ظن و قیاس کے طفیل اشتقاقیات اور علم لغات

کا آغاز ہوا ـ ظاہر ہے کہ اشتقاقیات یا تحقیق الفاظ کی یہ صورت قیاسی ظنی اور بے بنیاد تھی، جسے علمی حیثیت نہیں دی جا سکتی ـ لیکن اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اس طرح بہ ظاہر مماثل الفاظ کے اچھے خاصے ذخیرے سے مناسب اور بر محل انتخاب کے ذریعہ نسبتاً باقاعدہ اشتقاقیات کے لئے بھی راہ ہموار ہو گئی ـ سترھویں اور اٹھارویں صدی میں بائبل کے گاتھک زبانوں میں ترجموں کی وجہ سے ان زبانوں کی تاریخی گرفت کی سہولت پیدا ہو گئی ـ اس دور میں تاریخ السنہ میں برائے نام ھی دلچسپی لی جاتی تھی ـ مفکرین کسی ایک زبان کے دور بہ دور کے ارتقا پر توجہ مرکوز کرنے کے بجائے مختلف ہم عصر زبانوں سے متعلق معلومات فراہم کرنے پر اکتفا کر لیتے تھے ـ روسی مفکر لیبنیز (Lebnez) لسانیاتی مسائل میں خاصی دلچسپی لیتا تھا ـ ایک آفاقی زبان کے امکان سے متعلق اس کے بعض اقوال قابل توجہ بھی ہیں ـ لیکن اس نے بھی پیٹر اعظم کو یہی ترغیب دلائی کہ مملکت روس کی متنوع زبانوں کے نمونے اکٹھے کئے جائیں لیبنیز (Lebnez) کی اس تحریک اور ملکہ کیتھرائن ثانی کے ذوق و شوق کے طفیل اس دور کی معروف زبانوں کے اچھے خاصے نمونے یک جا کر لئے گئے ـ گو اس طرح کے فراہم کردہ مواد میں بہت سی خامیاں بھی ہیں، لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ مواد بھی لسانیاتی غور و خوض اور تحقیق کے سلسلے میں آگے چل کر کچھ نہ کچھ کار آمد ضرور ثابت ہوا غالباً ہروس نے پہلی بار بین اللسانی رشتوں سے متعاق رائے قائم کرنے کے لئے گرامر کو لغات پر ترجیح دی ـ تقابلی لسانیات کے آغاز سے پہلے لاطینی پڑھانے پر ھی زور دیا جاتا تھا ـ طلبہ کو صرف لاطینی گرامر سے واسطہ پڑتا تھا ـ لفظ گرامر اور لاطینی گرامر مترادف سمجھے جاتے تھے ـ اسکولوں میں گرامر کی تعلیم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ثانوی اسکولوں کے لئے روایتی اصطلاحات ،،گرامر اسکول،، (انگلستان) میں ،،لیٹن اسکول،،

(ڈینمارک) میں رواج پا گئیں ـ لاطینی گرامر کی روشنی میں دوسری زبانوں کے کلمات اور اجزاء کی تقسیم کی جانے لگی ـ اگرچہ انگریزی اور ڈینش زبانوں میں صدیوں تک اسم کی اضافی، اخراجی اور ظرفی حالتوں کا علیحدہ علیحدہ وجود نہ تھا، پھر بھی لاطینی کی تقلید میں اسم کی گردان میں ان حالتوں کی نشان دہی کی جانے لگی ـ لاطینی افعال کے زمانوں اور حالتوں کا اطلاق کم و بیش ہر یوروپی زبان پر کیا جانے لگا ـ لاطینی گرامر کی پرچھائیاں اب بھی یورپی زبانوں کی گرامر میں نظر آجاتی ھیں ـ چونکہ لاطینی بول چال کی زبان کی حیثیت سے نہیں بلکہ تحریری زبان کی حیثیت سے پڑھائی جاتی تھی، اس لئے اصوات کے مقابلے پر حروف پر زیادہ توجہ مرکوز کی جاتی تھی ـ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا گیا کہ زبان اولاً بول چال سے تعلق رکھتی ھے، ثانیاً تحریر سے -اُس کی بقا نطق و سماعت سے وابستہ ھے نہ کہ قلم اور بصارت سے نتیجۃً زبان کی ماہئیت اس کے مزاج اور ارتقاءؑ کی تفہیم ممکن نہ رھی اکثر ایسا بھی ھوا کہ زندہ اور بول چال کی زبان سے قطع نظر کر کے اس کی تحریری شکل ھی کو در خور اعتنا سمجھا گیا ـ آج بھی بعض علماء اسی علطی کا ارتکاب کرتے ھیں اور زبان کی اصوات سے اغماض کر کے تحریری مواد پر اکتفا کر لیتے ھیں ـ یہ سوال غور طلب ھے کہ قرون وسطیٰ اور دور مابعد میں لاطینی گرامر کی تعلیم کی غرض و غایت کیا تھی ـ ظاھر ھے کہ اس کا مقصد لاطینی کے مذھبی اور کلاسیکی فن پاروں سے آشنا ھونا بھی تھا اور اظہار علمیت بھی ـ بلکہ موخرالذکر مقصد مقدم تھا ـ اس دور کو تاریخ زبان اُردو کے اُس دور کے مماثل سمجھ لیجئے جبکہ اُردو، سماجی کار برآری کے باوجود شعرو ادب کے دربار میں رسائی حاصل نہ کرسکی تھی ـ فارسی گوئی اور فارسی نویسی کو فضل و کمال کی علامت سمجھا جاتا تھا، اور تو اور اُردو میں خطوط نگاری بھی باعث ننگ تصور کی جاتی تھی ـ بعینہٖ یوروپ میں سماج میں

علمی اعزازحاصل کرنے کےلئے لاطینی خوانی هی نہیں لاطینی نویسی بھی لازمی تھی ۔ نتیجه یه هوا که قدیم اهل روما کے روز مرہ محاوروں صرف و اشتقاق کو ملحوظ رکھنے کے بجائے قواعد کی پابندی پر زور دیا جانے لگا ۔ گرامر کی بنیاد مشہود حقائق پر نہیں بلکه چند جامع اصولوں پر رہ گئی ۔ غلط الفاظ سے احتراز اور صحیح الفاظ پر قدرت یا دوسرے لفظوں میں محض صحیح تحریر کے فن کو گرامر سمجھ لیا گیا ۔ ,,صحت اور فن،، هی گرامر کے ضروری عناصر قرار پا گئے اور انهی کو معیار سمجھ کر لاطینی لکھی جانے لگی ۔ زبان کے جائزے کا معیاری طریقه اختیار کرنے میں بہت سی دقتیں پیش آتی هیں اُن سے عہدہ برآ هونے کے لئے زبان کی تاریخ، اُس کے ارتقا اور لسانیاتی نفسیات کے عام لوازمات کا علم ضروری ھے ۔ لیکن سولہویں اور سترھویں صدی میں یه شعور پیدا نه هوا تھا۔ لاطینی گرامر کی تعلیم کا یہ نتیجه هوا که لاطینی کی طرف ضرورت سے زیادہ توجه دی جانے لگی اور لاطینی هی کے حوالے سے جدید یورپی زبانوں سے متعلق محاکمے هونے لگے ۔ زبانوں کے اپنے صرفی و نحوی قاعدوں اور لاطینی قواعد سے اختلاف کو نظرانداز کیا جاتا رها ۔ لاطینی گرامر کی تعلیم منطق کی تعلیم سے کسی طرح کم نہیں سمجھی جاتی تھی یه خیال تھوڑا بہت درست بھی تھا کیونکه اجنبی زبان کی گرامر کی پابندی منطقی نقطۂ نظر پیدا کر سکتی ھے لیکن اس کا مضر اثر یه بھی هوا که زبان کے منطقی پہلو پر زیادہ زور دیا جانے لگا اور لاطینی مستعملات سے تصدیق کر کے اجزائے کلام کو منطقی ٹھہرایا جانے لگا ۔ ستم یہ هوا که گرامر کے اصول غیر مربوط جملوں کی مثالوں سے سمجھانے کا عام رواج هو گیا تھا ۔ گرامر کی تعلیم کا یه طریقه اهن، اولینڈروف اور بہت سے مولفین کی تالیفات کے ذریعه غالباً اب بھی امریکا کے بیشتر اسکولوں میں رائج ھے ۔ یه طریقه نظریاتی زیادہ تھا اور علمی کم ۔ صرف ابتدائی اور ضروری قاعدے بتا دئے جاتے تھے تا که ان کی مدد

سے لاطینی کتابوں کی تفہیم میں مدد مل سکے ۔ اگر تاریخی اور تقابلی گرامر کا شعور پیدا ہو چکا ہوتا تو لاطینی اور دوسری زبانوں کے مختلف دوروں کا مطالعہ اور تقابل اس طرح کیا جاتا کہ زبان کی پوری تاریخ اس کا آغاز، اس کی بدلتی ہوئی کیفیت منظر عام پر آجاتیں ۔ اس طرح لسانی مسائل و مباحث کی تفصیلیں لسانیات کو اچھی خاصی علمی سطح پر پہنچا دیتیں ۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ اٹھارویں صدی کے اواخر تک لسانیات نظری گرامر اور لغت کے مسائل و مباحث تک محدود رہی ۔ گویا اس کی حیثیت محض ادعائی رہی ، اس پر مدرسانہ اندازنظر کی چھاپ دکھائی دیتی ہے ۔ تاہم یہ ضرور ہوا کہ صوریات اشتقاقیات اور لفظی تحقیق یا لفظیات پر خاصی توجہ دی گئی، نیم علمی نقطہ نظر ہی سے سہی ۔

اٹھارویں صدی

اٹھارویں صدی کے مفکرین نے زبان کے فطری آغاز کے مبحث پر بھی غور کیا ہے روسو کا خیال ہے کہ ابتدائی انسانوں نے کوئی زبان تشکیل کرنے کے لئے "معاہدہ عمرانی" کی طرح کم و بیش ارادہ سمجھوتہ کیا ہوگا ۔ اس کے نزدیک زبان، انسان کی ارادی مفاہمت سے پیدا ہوئی ہے ۔ روسو کے اس خیال کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی، کیوں کہ قدیم ترین انسان، جو طلاقت لسانی سے (بہ اعتبار ابلاغ کے) محروم تھے ، زبان کی ضرورت محسوس کر کے اپنی بے معنی آوازوں کو با معنی بنانے پر کس طرح متفق ہو ہو سکتے تھے ؟ جب ان کے پاس کوئی ذریعہ ابلاغ ہی نہ تھا، تو آوازوں کے مفاہیم متعین کرنے اور ان سے متفق ہونے کی کیا صورت ہو سکتی تھی ؟ مختصر یہ کہ روسو کی رائے لسانیات کی تاریخ میں وقیع نہیں سمجھی جا سکتی ۔ کنڈلاک ایسے مرد اور عورت کا تصور پیش کرتا ہے جو لسانی ذریعہ ابلاغ سے محروم تھے اور جنہوں نے اضطراری طور پر زبان کی قدیم ترین شکل کو جنم دیا ہوگا ۔ اس کی یہ

رائے ہے کہ ان دونوں نے وفور جذبات میں جو جبلی آوازیں نکالی اور اضطراری حرکتیں کی ہونگی، اُن سے فریقین نے ایک دوسرے کے جذبات و خواہشات کا تھوڑا بہت اندازہ لگایا گیا ہوگا اور پھر بعد میں ان آوازوں سے ملتی جلتی آوازیں نکال کر ایک دوسرے کو سمجھنا اور سمجھانا چاہا ہوگا ۔ اُن کی اولاد نے ان آوازوں اور لہجوں کے زیر اثر جو آوازیں نکالی ہونگی اُن کے مختلف اور متعدد تجربوں کے بعد کچھ اندازے لگائے اور مفاہیم متعین کئے ہوں گے ۔ یہ مفاہیم تجربوں کی کسوٹی پر غلط بھی ثابت ہوئے ہونگے ۔ کچھ مدت کے بعد مفاہیم میں استقلال پیدا ہوا ہوگا ۔ آوازوں کے مفاہیم مختلف تجربوں کے بعد بتدریج ہی متعین ہو سکتے تھے ۔ اس طرح صوتی اشاروں میں ابلاغی قدر پیدا ہوئی ہوگی یہ صوتی اشارے نسلاً در نسلاً منتقل ہوتے رہے ہر نسل اپنے تجربات سے ان میں تغیر و تبدل اور اضافہ کرتی رہی، آخر کار ایک نظام لسان وجود میں آتا گیا ۔

ہرڈر اٹھارویں صدی میں لسانیاتی مسائل پر بہت کچھ علمی لقطۂ نظر اختیار کرنے والا پہلا مفکر ہرڈر ہے ۔ ہرڈر نے لسانیات سے متعلق کوئی علمی تحقیق تو نہیں کی لیکن لسانیات کے ارتقا کے لئے راہیں ضرور ہموار کردیں ۔ سنہ ۱۷۷۲ء میں ،،برلن اکیڈیمی،، نے ایک انعامی مقابلے کا اعلان کیا ۔ موضوع یہ تھا کہ ،،زبان کس طرح ایجاد ہوئی ہے،، ہرڈر نے اس انعامی مقابلے کے لئے ایک مضمون لکھا جس کا عنوان تھا ،،زبان کا آغاز،، اس نے اپنے مضمون کی ابتدا میں اس عقیدے پر کہ زبان عطیۂ الٰہی ہے، کڑی نکتہ چینی کی ہے ۔ اس نے مروجہ عقیدے کی تردید میں یہ کہا ہے کہ اگر زبان خدا کی تخلیق کی ہوئی اور ودلیعت کردہ ہوتی تو وہ بالکل مدلل اور کامل ہوتی ۔ اس میں وہ خامیاں نہ ہوتیں جو منطقی اعتبار سے نظر آتی ہیں ۔ دنیا کی تمام زبانوں میں منطقی اعتبار سے اتنی ابتری، بے ترتیبی اور بے ربطی ملتی ہے کہ وہ خدا کی

تخلیق نہیں سمجھی جا سکتی ھرڈر زبان کو انسان کی ایجاد بھی نہیں سمجھتا ۔ اُس کی یہ رائے ھے کہ انسان نے ارادۃً اور شعوری طور پر زبان تشکیل نہیں کی بلکہ زبان انسانی ضرورتوں کے تقاضوں اور انسانی فطرت کی پیداوار ہے ۔ اُس کے نزدیک جس جبلت کے ماتحت بچہ رحم مادر سے باھر نکلتا ھے کم و بیش ویسی ھی جبلت زبان کی تشکیل کا موجب ھوتی ہے ۔ عام حیوانات کی طرح انسان بھی اپنے احساسات کے اظہار کا ذریعہ آوازوں کو ھی بناتا ہے لیکن جب تک ان بسیط آوازوں کی افہام و تفہیم نہ ھو اس وقت تک ان کے مجموعے کو زبان نہیں کہا جا سکتا ۔ انسان جسم اور، قوت کے اعتبار سے بہت سے حیوانات سے حقیر سہی، لیکن استعداد اور ذھن نے اس کمتری کی تلافی کر دی ھے وہ اپنے حسیات کے طوفان میں سے ایک آدھ لہر کو منفرد کر کے اس کی تفہیم کی استعداد رکھتا ھے ۔ مثلاً قدیم ترین انسان نے بھیڑ پر نظر پڑتے ھی اس کی امتیازی خصوصیات تلاش کیں اور ممیانے کو منفرد کر لیا ۔ پھر جب دوسری بھیڑ نظر آئی تو اُس نے منفرد کی ھوئی مابہ‌الامتیاز خصوصیت کی بازیافت سے، ممیانے کی نقل کر کے اُس کی نشان دھی کی ۔ اس طرح اُس نے بھیڑ کو ایک نام دے دیا ۔ اس کے نزدیک بھیڑ ممیانے والا جانور قرار پائی ۔ گویا افعال سے اسماء وجود میں آئے ۔ اگر زبان عطیہ الٰہی ھوتی تو اس کا آغاز اسموں سے ھوا ھوتا اس لئے کہ زبان کے آغاز کا منطقی طریقہ یہی ھے ۔ قدیم ترین زبانوں کی ایک خصوصیت یہ ھے کہ انمیں احساس کے مختلف پہلؤں کا عکس ھے، احساس کی کما حقہ ترجمانی نہیں ۔ اور خیال کا اظہار استعاروں کے ذریعہ ھوا ھے ۔ استعاروں کی وجہ سے مافی الضمیر کی حقیقی ترجمانی نہیں ھوتی، ہاں اس کا شائبہ ضرور پیدا ھو جاتا ھے ۔ غالباً استعاروں اور مجاز مرسل کے استعمال کی وجہ قدیم انسان کی ذھنی کم مائگی اور ھیجانات کا وفور ھے ۔ قدیم زبانوں میں خیال کی رعنائیوں فکر کی بلندی اور گہرائی کو پیش کرنے

کے لئے سرمایہ الفاظ برائے نام ہے لیکن مرادفات کی ریل پیل ہے - یہ مرادفات بھی ہیجانات کے وفور ہی کا نتیجہ ہیں - اس انعامی مضمون سے قطع نظر ہرڈر نے اپنے دوسرے کارناموں سے بھی لسانیات کے لئے نئی راہیں کھولیں - اس نے جرمنوں کو ذہنی طور پر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ رومانی ادیبوں کے تاثرات قبول کر لیں - اس نے جرمن زبان کے عہد متوسط کے ادب اور لوک گیتوں کی قدر و قیمت اور اہمیت کا احساس بھی پیدا کیا - اس کے نزدیک زبان اور قدیم ترین شاعری میں گہرا رابطہ ہے - قدیم ترین شاعری تہذیب انسانی کی طفولیت کے بر جستہ گیت ہی تو ہیں، جن کی برجستگی، زبان کی برجستہ نمو کی مترادف ہے ہر زبان ادبیات کا وسیلہ ہی نہیں بالذات ادب اور شاعری ہے - ہر قوم اپنی زبان کے ایک ایک لفظ کے ذریعہ اپنے مزاج کا اظہار کرتی ہے - ہرڈر نے جرمنی زبان کے کلموں میں حروف صحیح اور حروف علل کی ترکیبوں ان کے مقاطعے اور اجزا کی جزالت، روز مرہ اور محاوروں کی متانت وغیرہ سے خاصی بحث کی ہے -

جینش

سنہ ۱۷۹۴ع میں برلن اکیڈیمی نے انعامی مضامین کے مقابلے کا پھر اعلان کیا - موضوع یہ تھا ،،ایک مکمل زبان کا مثالی معیار اور معروف یورپی زبانوں کا تقابل،، برلن کے ایک پادری ڈی جینش کا مضمون بہترین قرار دیا گیا - جینش کے نزدیک انسان کے ذہنی اور اخلاق جوہر اس کی زبان میں بہت کچھ کھلتے ہیں - ،،تانت باجا راگ پایا،، مشرق کی صحیح مثل ہے - وحشی کی زبان میں اکھڑپن ہوتا ہے اور مہذب انسان کی زبان شائستہ ہوتی ہے - یونانیوں کی فکری صلابت اور حسیاتی رچاؤ کا پرتو ان کی زبان میں بھی ملتا ہے - اہل روما کی متانت اور عملیت کا عکس ان کی زبان میں نظر آتا ہے - فرانسیسی زبان، فرانسیسیوں کی خوش باشی اور عمرانیت کی ترجمان ہے، اور جرمن زبان جرمنوں کے

فلسفیانہ رجحان کی۔ **جینش** کی یہ رائے ہے کہ اگر زبان کسی خاص موقع پر ذہن کی ضرورت کے مطابق خیال یا جذبے کی ترجمانی کردیتی ہے تو وہ صحیح معنوں میں ذریعہ ابلاغ کہلا سکتی ہے اور اپنی غرض و غایت کو پورا کرتی ہے ۔ زبان کے تقابل کے سلسلے میں اس نے حسب ذیل خصوصیات کو ملحوظ رکھنا ضروری قرار دیا ہے :۔

(۱) لغات کی کثرت اور زبان کی ایسی لچک کہ نئے الفاظ آسانی سے وضع کئے جا سکیں ۔
(۲) صرف و نحو کی سادگی اور زبان کی توانائی ۔
(۳) صفائی اور قطعیت اور
(۴) آہنگ

جینش نے ان خصوصیات کو ہر لحاظ سے مکمل زبان کا مثالی معیار بتایا ہے اور اس معیار پر یونانی، لاطینی اور بہت سی معروف یوروپی زبانوں کا تنقیدی جائزہ لیا ہے ۔ اس سے ایک لغزش ضرور ہوئی ہے، وہ یہ کہ اس نے مشہور ادیبوں کے ادبی محاسن پر زیادہ زور دیا ہے اگر وہ ادبیات سے قطع نظر کر کے نظام لسان کا تنقیدی جائزہ پیش کرتا تو اس کے مضمون کی وقعت اور افادیت اور بڑھ جاتی ہے ۔ وہ **ہرڈر** کی طرح جرمن زبان کی تعریف و توصیف میں رطب اللساں نہیں ہے بلکہ ایک غیرجانبدار مبصر کی طرح اس کی خامیوں اور کوتاہیوں پر تبصرہ کرتا ہے **جنیش** پہلا عالم لسانیات ہے جس نے ایک مثالی زبان کی خصوصیات سے تفصیلی بحث کی اور ایک زبان کو دوسری پر یا ایک لفظ یا محاورے کو دوسرے لفظ یا محاورے پر ترجیح دینے کی بہت کچھ علمی توجیہ بھی کی اور زبان کے استقرائی جمالیاتی نظرئیے کی طرح ڈالی ۔ اس نظرئیے کو علمی طور پر آج بھی فروغ دیا جا سکتا ہے ۔

اٹھارویں صدی کے علماء لسانیات میں **شوطیلیس دی بروسیز** اور **فلدا** کا بھی ذکر کیا جا سکتا ہے، لیکن ان کے کارنامے نتیجہ خیز

نہیں کہلا سکتے - اس صدی کے علماء میں سے ہرڈر اور جنیش کے سوا کسی نے "لسانیات" کو براہ راست متاثر نہیں کیا۔

انیسویں صدی

انیسویں صدی میں زیادہ سے زیادہ زبانوں کے مطالعے کی وجہ سے زبانوں کی ساخت پر بھی غور کیا جانے لگا، اُن کے باھمی رشتوں کی چھان بین، اُن کی گروہ بندی، لسانیاتی اسالیب کے تجزئیے اور تاریخی شواھد سے مادوں کے مآخذ کی سراغرسی پر توجہ دی جانے لگی اجزائے کلام کے مسائل و مباحث کے سلسلے میں "کیسے" کے ساتھ "کیوں" بھی زیر بحث آیا اور لسانیات ایک تشریحی علم بنتی گئی ۔ انیسویں صدی کا ایک بڑا کارنامہ یہ ھے کہ اُس نے ھمیں تاریخی نقطۂ نظر دیا- جنگوں اور بادشاھوں سے قطع نظر کر کے بھی تصور تاریخ کا اطلاق کیا جانے لگا، اس طرح "ارتقاء" کا خیال عام ھوا - تمام علوم میں تاریخی ارتقا سے بحث کی جانے لگی اور آھستہ آھستہ ان میں بڑی تبدیلی رونما ھوئی- رومانی تحریک سے بھی ثقافتی اور علمی شغف کو فروغ ھوا - چنانچہ لسانیاتی نقطۂ نظر میں بھی انقلاب آ گیا - لسانیات پر تصور ارتقا کے اطلاق نے زبان کے بہت سے اسرار و رموز بے نقاب کر دئیے یہی نہیں بلکہ "بشریات" اور بہت سے ملکوں کی تاریخ پر بھی ایک نئے زاوئیے سے روشنی ڈالی -

بلوم فیلڈ نے یہ رائے ظاھر کی ھے کہ انیسویں صدی میں ولیم جونس اور کولبروک نے یورپ کو ھندی ثقافت سے آشنا کرایا اُن کے طفیل اھل یوروپ کی دسترس ھندوستانی ثقافت کے مختلف عناصر پر ھوئی اور اس ضمن میں سنسکرت گرامر کے مطالعے کا موقع ملا۔ انہیں سنسکرت گرامر میں بعض ایسے لسانیاتی اکتسابات نظر آئے جن کا انہیں سان گمان بھی نہ تھا ۔ سنسکرت گرامر "لسانیات" کی اس علمی سطح پر تو نہ پہنچی تھی جو "لسانیات" کو بعد میں نصیب ھوئی- پھر بھی

تھی - اس کی تاریخی اور تقابلی حیثیت بھی نہ تھی - لیکن اصوات سے متعلق تشریحی انداز ضرور تھا ــ سنسکرت گرامر کی یہ قدیم کتابیں، انیسویں صدی تک پڑھائی جاتی رہی تھیں ــ گرامر کی تعلیم کا انداز وہی تھا جو یوروپ میں لاطینی گرامر کا تھا ــ سنسکرت گرامر کی ان کتابوں میں صوریات اور اشتقاق کا واضع اور مکمل بیان اور تلفظ کی صحت کے نکات بھی تھے ــ چونکہ یوروپ میں بسیط آوازوں کی طرف کوئی توجہ نہ دی گئی تھی، اس لئے یوروپی علماء کے لئے سنسکرت گرامر کے مسائل بالکل نئے اور زبان سے متعلق فنی معلومات فراہم کرنے والے ثابت ہوئے ــ دوسری طرف رومانی تحریک کی وجہ سے جو ذہنی انقلاب آ چکا تھا، اس کے زیر اثر عضویات اور علم تشریح الابدان کو فروغ ہونے لگا ــ زبان (آلۂ گفتگو یا جیبھ) کاعضویاتی مطالعہ بھی کیا گیا ــ آہستہ آہستہ زبان سے متعلق دو رجحانات پیدا ہوئے، جن میں سے ایک کا نمائندہ ماہر عضویات بروکے قرار پا سکتا ہے اور دوسرے کا ماہر علم ثقافت شیرر ــ ان دونوں رجحانات نے علم الاصوات یا ،،صوتیات،، کو جنم دیا ــ سنسکرت گرامر کی صوریات اور اشتقاق و تصریف کے مطالعہ سے لسانی ہئیتوں کے ارتقاء پر غور کرنے کا شعور پیدا ہوا ــ اس طرح یوروپ میں صوریات کا ارتقا بہت کچھ سنسکرت گرامر کے مرہون منت ہے ــ یہ کہنا غلط نہیں کہ یوروپ میں سنسکرت کی دریافت، تاریخ لسانیات میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتی ہے ــ

جسپرسن کا یہ خیال ہے کہ سنسکرت نے اپنا مطالعہ کرنے والوں کو زبان کی جوہرشناسی اور لسانیاتی بصیرت بالالتزام نہیں دی ہے ــ اس کے برعکس ایسی بھی مثالیں ملتی ہیں کہ سنسکرت سے واقفیت کے بغیر بھی زبانوں کے باہمی رشتوں اور ان کے ارتقا سے متعلق ضروری صداقتوں کو سمجھ لیا گیا ہے ــ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سنسکرت سے واقفیت کے نتیجے میں لسانی مطالعے میں خاصا انقلاب آگیا

یوروپ میں بر صغیر ہند سے متعلق زیادہ معلومات نہ تھی لیکن انگریزوں اور فرانسیسیوں میں ہندی مقبوضات کی وجہ سے جو جنگیں ہوئیں، ان کی وجہ سے اہل یوروپ کو یہاں کی زرخیزی اور دولت کا زیادہ علم ہوا اور انہوں نے دنیا کے اس خطے میں دلچسپی لینی شروع کی - اس دلچسپی کے ضمن میں یہاں کی معاشرت، ثقافت اور زبانوں کی طرف بھی تھوڑی بہت توجہ دی گئی — اس دلچسپی اور توجہ کا آغاز فرانسیسیوں اور انگریزوں ہی نے کیا تھا — سنہ ۱۷۶۷ع میں ایک فرانسیسی پادری کورڈو نے ''فرنچ انسٹی ٹیوٹ،، کو ایک مراسلہ بھیجا، جس میں سنسکرت اور لاطینی کے بہت سے الفاظ کی مماثلت کی طرف توجہ دلائی تھی اس نے سنسکرت لفظ ''اسمی،، کی تصریف کا مقابلہ لاطینی تصریف کی ملتی جلتی شکلوں سے کیا تھا — یہ مراسلہ چالیس سال بعد اس وقت شائع ہوا، جب دوسرے علماء دونوں زبانوں کی باہمی مماثلت منظر عام پر لا چکے تھے — ان علماء میں سر ولیم جونس کو امتیازی حیثیت حاصل ہے - اس نے سنہ ۱۷۸۶ع میں یہ تحریر کیا تھا کہ سنسکرت کی قدامت کے متعلق وثوق سے تو کچھ کہا نہیں جا سکتا تاہم یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس کی ساخت تعجب خیز ہے، جو یونانی زبان کے مقابلے پر زیادہ مکمل ہے اور لاطینی سے زیادہ لطیف - سنسکرت اپنے افعال مادوں اور صرف و نحو کے قاعدوں کے اعتبار سے یونانی اور لاطینی سے اتنی قریب ہے کہ تینوں کو ہم اصل کہا جا سکتا ہے، ہاں یہ یہ ضرور ہے کہ اس متحد ماخذ کا اب وجود نہیں ہے — اسی طرح یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ گاتھک اور کیلٹک زبانیں بھی اسی سر چشمے سے سیراب ہوئی ہیں، جو سنسکرت کا ماخذ ہے — قدیم فارسی کو بھی زبانوں کے اسی خاندان میں شمار کیا جا سکتا ہے — سر ولیم جونس نے زبانوں کا تقابل بالتفصیل پیش نہیں کیا، ہاں تقابلی لسانیات کی ایک

شلیگل

انیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں **فریڈرک فان شلیگل** نے برصغیر ہند کی زبانوں خصوصاً سنسکرت سے متعلق اپنی تصنیف (۱۸۰۸ء) کے ذریعہ لسانیات کو خاصا متاثر کیا ۔ **شلیگل** نے پیرس میں سنسکرت کا مطالعہ کیا تھا ۔ اسے اپنے رومانی ولولوں کی وجہ سے یہ توقع تھی کہ بر صغیر ہند کی قدیم کتابوں کے مطالعہ سے یوروپی افکار میں ویسا ہی انقلاب لایا جا سکتا ہے جیسا نشاۃ الثانیہ میں یونانی ادبیات کے مطالعہ سے آیا تھا ۔ **شلیگل** کے لسانی نظرئیے ہندوستانی مذہب اور فلسفہ بلکہ مذہبی اور فاسفیانہ شاعری سے چولی دامن کا ساتھ رکھتے ہیں - اس نے سنسکرت اور یورپ کی بہت سی معروف زبانوں کی مماثلت کو خاص طور پر محسوس کیا ہے اور سنسکرت کے بہت سے ایسے الفاظ کی فہرست دی ہے، جو جرمن، یونانی اور لاطینی زبانوں میں بجنسہ مستعمل تھے ۔ اس نے اس خیال کی مذمت کی ہے کہ یہ مشابہتیں اتفاقی ہیں ۔ یا اہل ہند کی مستعار لی ہوئی ہیں اور یہ رائے ظاہر کی ہے کہ ان زبانوں کے متحدالماخذ ہونے اور سنسکرت کی قدامت کا ثبوت ان زبانوں کی گرامر کی مماثلت میں مضمر ہے - اس ضمن میں آس نے تقابلی گرامر کا بھی تذکرہ کیا ہے - اگر اس نے ان زبانوں کی تقابلی گرامر کا باقاعدہ مطالعہ کیا ہوتا، تو جدید لسانیات کا پیش رو سمجھا جاتا ۔ اس نے صوتی تغیرات کے اصول متعین کرنے سے عمداً احتراز کیا ہے اورخود ہی یہ جتلا دیا ہے کہ وہ حروف کی تبدیلیوں کے اصول منضبط نہ کرے گا بلکہ الفاظ کی مکمل مشابہت ہی کو زبانوں کی ہم نسبی کا ثبوت سمجھے گا ۔ اس نے بعض زبانوں کے مخارج کا بھی ضمنی طور پر حوالہ دیا ہے - اور پہلی بار یہ بتایا ہے کہ ہسپانوی زبان میں لاطینی ''ف،، ''ہ،، ہو جاتا ہے اسی طرح لاطینی ''پ،، اسی لفظ کے منصرفات میں ''ف،، بن جاتا ہے ۔ لاطینی لفظ کا ''س،، جرمنی کے منصرفات میں ''ہ،، سے بدل جاتا ہے گویا اس طرح آس نے جرمن زبان کی صوتی تبدیلیوں سے متعلق بعد میں

منضبط ہونے والے اصول کی ہلکی سی پرچھائیں پیش کردی ۔ اگر اس نے سنسکرت اور دوسری زبانوں کے صوتی علائق معلوم اور تغیرات کے اصول منضبط کر لئے ہوتے تو اُسے جدید لسانیات کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہو جاتی - سنہ ۱۵۹۷ء میں **ون کے نئیس** نے جرمن اور فارسی کے قریبی رشتے کا خیال پیش کیا تھا ۔ یہ خیال خاصا مقبول ہوا ۔ **شلیگل** بھی اس خیال سے بہت زیادہ متاثر ہوا لیکن وہ جرمن اور فارسی کی تقابلی گرامر پر توجہ دینے کے بجائے لفظوں کی مشابہت پر ہی زور دیتا رہا ۔ اُس نے بہت سی زبانوں کا جائزہ لے کر اُنہیں دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے ۔ ایک گروہ سنسکرت اور اس کے مماثل زبانوں پر مشتمل ہے اور دوسرا بقیہ زبانوں پر ۔ اُس نے پہلے گروہ میں مادے کی عضویاتی نمو کی نشاندھی کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ ان زبانوں کے مادوں میں اندرونی تبدیلی کی صلاحیت ہے، جسے اُس نے ''اشتقاق،، کی اصطلاح سے موسوم کیا ہے ۔ انگریزی سے اس طرح کی مثالیں دی جا سکتی ہیں ۔ Sprung, Sprang, Spring دوسرے گروہ کی زبانوں میں مادے میں تبدیلیاں، سابقے یا لاحقے کے اضافے سے ہوتی ہیں ۔ اُس نے یہ رائے بھی ظاہر کی ہے کہ یونانی میں تعمیری اور اصلی الفاظ کے انضمام سے تصریف ممکن ہے ۔ لیکن سنسکرت میں اس کا امکان نہیں ۔ اُس کے نزدیک اشتقاق یا اندرونی تبدیلیوں کے ذریعہ سے زبان کی ساخت عضویاتی طور پر تشکیل پاتی ہے ۔ بعض زبانوں میں سابقے اور لاحقے کی مدد سے مادوں میں جو تغیرات ہوتے ہیں، وہ اشتقاق سے ملتے جلتے ہوتے ہیں ۔ مجموعی طور پر گرامر کا فن اور اکملیت، ان دونوں گروہوں میں بالکل مخالف سمتوں میں ہیں- پہلا گروہ عضویاتی زبانوں کا گروہ کہلا سکتا ہے اور اس گروہ کی زبانیں سب سے زیادہ ترقی یافتہ سمجھی جا سکتی ہیں لیکن ان کی ساخت کا حسن اور فن زوال پذیر ہو سکتے ہیں ۔ جرمن، رومانی اور جدید ہند

آریائی زبانیں اپنی ابتدائی صورتوں کے مقابلے پر زوال پذیر نظر آتی ھیں۔ اس کے بر عکس سبقلاحی زبانوں کا آغاز نہایت بھونڈا ملتا ھے لیکن اصل الفاظ میں سابقوں اور لاحقوں کا جس قدر زیادہ انضمام ھوتا ھے۔ اسی قدر وہ زبانیں فنی اعتبار سے مکمل ھوتی جاتی ھیں ــ **شلیگل** نے انسانی زبان سے متعلق بھی سرسری طور پر رائے زنی کی ھے ــ اس نے دنیا کی زبانوں کی لسانی ساخت کے اختلاف سے یہ نتیجہ اخذ کیا ھے کہ مختلف عہدوں اور ماحولوں میں زبانوں کا آغاز مختلف طور پر ھوا ھے بعض زبانوں (مثلاً مانچو) میں جو مخارج ملتے ھیں ان سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ھے کہ فطری آوازوں کی نقالی ان زبانوں کے آغاز کا سبب بنی ــ لیکن قدیم عضویاتی یا اشتقاق زبانوں کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ فطرت یا جانوروں کی آوازوں سے ماخوذ ھیں ــ یہ زبانیں اس امر کا ثبوت پیش کرتی ھیں کہ انسان کی ابتدا ھر جگہ وحشیانہ حالت ھی سے نہیں ھوئی بلکہ انسانی سوجھ بوجھ کا وجود شروع ھی سے رھا ھے ــ

شلیگل کی دو گروھی تقسیم میں سہ گروھی تقسیم کی گنجائش نکل سکتی ھے ــ اس نے دوسرے گروہ کی زبانوں میں سب سے نچلے درجے پر چینی زبان کو رکھا ھے، جس میں بقول اس کے، ضمنی مفاھیم کے مظاھر ترمیمات، آن یک جزوں یا احادی المقاطع پر مشتمل ھوتے ھیں، جو اصل الفاظ سے الگ اور مستقل حیثیت رکھتے ھیں ــ گویا شلیگل کے نزدیک چینی زبان میں سابقے اور لاحقے نہیں ھیں اور اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ھے کہ چینی سبقلاحی زبانوں سے علیحدہ اپنی ذات سے ایک خاندان کی حیثیت رکھتی ھے ــ یہ اور بات ھے کہ شلیگل نے براہ راست ایسا نہیں کیا ھے ــ اس نے سامی زبانوں کو سبقلاحی زبانوں میں شامل کرنے کے جو دلائل پیش کئے ھیں، وہ وزنی نہیں ــ کہیں کہیں تو ایسا محسوس ھوتا ھے کہ اس کے نزدیک

سامی زبانوں کی ساخت میں ایسے عناصر بھی ھیں، جو اشتقاق سے مشابہ ھیں اگر ھم شلیگل کی گروہ بندی میں دو تبدیلیاں کر دیں تو زبانوں کے تین گروہ بن جاتے ھیں، جن کی نشان دھی بعد کے لسانیاتی کارناموں میں کی گئی ھے - اس کے بھائی اے ـ ڈبلیو شلیگل نے بعد میں زبانوں کے تین ھی گروہ قرار دئیے ھیں ـ (۱) یک جزے مستقل الفاظ کی زبانیں مثلاً چینی (۲) سبقلاحی زبانیں اور (۳) اشتقاق یا تصریفی زبانیں اے ـ ڈبلیو شلیگل نے اپنے بھائی کی طرح تصریفی زبانوں کو بلند ترین درجہ دیا ھے ـ وہ انھی زبانوں کو عضویاتی سمجھتا ھے - اور آنھیں دو گروھوں ترکیبی اور تحلیلی میں تقسیم کرتا ھے ـ اور یہ رائے ظاھر کرتا ھے کہ تحلیلی زبانوں میں ضمائر شخصی اور افعال معاون افعال کے منصرفات یا گردان میں متصل طور پر استعمال کئے جاتے ھیں "حالت،، بتانے کے لئے حروف اور مقابلے کی نوعیت ظاھر کرنے کے لئے صلہ فعل مستعمل ھوتے ھیں ـ ترکیبی زبانوں کے آغاز سے متعلق کچھ نھیں کہا جا سکتا اس لئے کہ ان کی قدامت کا اندازہ لگانا مشکل ھے ـ تحلیلی زبانیں دور جدید کی پیداوار ھیں ـ زبان سے متعلق ھم جو کچھ بھی جانتے ھیں ، ترکیبی زبانوں کے تجزئیے ھی کے طفیل جانتے ھیں ـ

ریسک

انیسویں صدی کے ابتدائی دور میں فریڈرک شلیگل کے علاوہ تین علماء لسانیات کے نام سرفہرست نظر آتے ھیں - ریسمز ریسک فرانزبوپ اور جیکب گرم سچ پوچھیئے تو انھی کی بدولت لسانیات نے کینچلی بدلی اور صحیح معنوں علم کا درجہ حاصل کیا - ان تینوں میں لسانیاتی کارناموں کے تاریخی اعتبار سے ریسک کو تقدیم حاصل ھے اگر چہ ریسک کا اصل لسانیاتی کارنامہ ۱۸۱۸ع میں بوپ کی تصنیف

چونکہ اس کا مسودہ ۱۸۱۴ع میں تیار ہو چکا تھا اور لسانیات سے متعلق ریسک کے مضامین بوپ اور گرم کے مضامین سے پہلے ہی منظر عام پر آ چکے تھے، اس لئے تاریخ لسانیات میں اس کی تقدیم بے محل نہ ہوگی - ریسک کو بچپن ہی سے گرامر سے خاص شغف تھا ـ اس نے کوپن ہیگن یونیورسٹی میں مختلف زبانوں کی صرفی و نحوی ساخت کا دقت نظر سے مطالعہ کیا اور آئس لینڈ کی زبان کے مطالعے پر سب سے زیادہ توجہ دی، اس لئے کہ یہ زبان اس کی مادری زبان ''ڈینش'' کا ماخذ تھی - وہ اس زبان کے تصریفی یا اشتقاقی نظام پر فخر کرتا ہے ـ اس کی پہلی تصنیف آئس لینڈ زبان کی گرامر سے متعلق ہے، جو ۱۸۱۱ع میں شائع ہوئی - اس سے پہلے کسی زبان کی گرامر پر ایسا تفصیلی اور تحقیقی کام نہیں کیا گیا تھا ـ اس نے زبان کے پیچیدہ اسالیب کو ایک واضع اور مستقل نظام کی صورت میں پیش کیا ہے، اور حروف علت یا مصوتوں کے تغیرات کی توجیہ سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ زبان کے مزاج کو خوب سمجھتا تھا ـ اس نے صوتی نحت و تخریب کی پہلی بار وضاحت کی ۱۸۱۴ع میں کوپن ہیگن میں لسانیاتی مضامین کا انعامی مقابلہ ہوا، جس میں ریسک کے مضمون کو انعامی قرار دیا گیا ـ یہ مضمون ''نارس'' Norse زبان کے آغاز سے متعلق تھا - ریسک کی بدقسمتی کہ یہ معرکتہ الارا مضمون سنہ ۱۸۱۸ع سے پہلے نہ چھپ سکا - اگر یہ مضمون کچھ پہلے اور ''ڈینش'' سے زیادہ معروف زبان میں چھپ جاتا تو شاید ریسک کو جدید لسانیات کا بانی سمجھ لیا جاتا ـ یہ طویل مضمون ''قدیم نارس یا آئس لینڈی زبان کے آغاز کی تحقیق'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوا تھا ـ انعامی مقابلے کا موضوع یہ تھا:-

''قدیم اسکنڈی نیوین زبان کے صحیح ماخذ کی تحقیق، تاریخی تنقید کی روشنی میں ـ اس زبان کی ماہیئت اور اس کا مزاج ـ اسکنڈی نیوین اور جرمانی بولیوں سے اس کا رشتہ ـ ان زبانوں سے مشتقات اور

تقابل کے اصولوں کی تعیین،،

ریسک نے اپنی تحقیق میں موضوع کے الفاظ کو خاص طور پر ملحوظ رکھا ہے ـ اس نے لسانیاتی تحقیق کے صحیح مناہج بیان کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ تاریخی دستاویزوں سے پہلے کی انسانی تاریخ سے متعلق معلومات حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ زبان ہی ہو سکتی ہے ـ مذہب رسم و رواج، قوانین، تہذیبی اداروں وغیرہ میں بہت کچھ تغیرات ہو سکتے ہیں، لیکن زبان عموماً کم ہی بدلتی ہے اور ہزاروں سال بعد بھی پہچانی جا سکتی ہے ـ زبانوں کے رشتے دریافت کرنے کے لئے صرف سرمایہ الفاظ کا تقابل کافی نہیں بلکہ پورے نظام ہائے السنہ کی تنقیح ضروری ہے ـ زبان کے عام الفاظ سے متعلق وثوق سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اصلاً اسی زبان کے ہیں، کیونکہ بہت سے الفاظ دخیل اور دوسری زبانوں سے مستعار ہو سکتے ہیں اس طرح ماخذ اور خاندان کے اعتبار سے بالکل مختلف زبانوں میں بھی الفاظ کا اشتراک نظر آ سکتا ہے ـ دو زبانوں کی گرامر کی مماثلت ان کے ہم نسب یا ہم ماخذ ہونے کی بہتر سند ہو سکتی ہے ـ ایک زبان، دوسری زبانوں کے الفاظ سے کتنی ہی مخلوط ہو جائے، اشتقاق و منصرفات اور صوریات کے اعتبار سے برائے نام ہی بدل سکتی ہے - صرفی و نحوی شکلیں دوسری زبانوں سے بہت کم اخذ کی جاتی ہیں عام طور پر علماء لسانیات اس نکتے کو نظر انداز کرتے رہے ہیں ـ اسی لئے ان کے لسانیاتی کارناموں کی حیثیت علمی نہیں ہے ـ جس زبان کی گرامر بہت زیادہ پیچیدہ ہوتی ہے، وہ اپنے ماخذ سے بہت قریب ہوتی ہے ـ ایک زبان ہر چند مخلوط اور اپنی ہم خاندان زبانوں سے بہت مختلف ہو چکی ہو، وہ اسی خاندان میں شمار کی جائیگی، بشرطیکہ مادی اور ناگزیر الفاظ اور گرامر کا اشتراک ہو ـ اس ضمن میں ضمائر اور اعداد کو فیصلہ کن سمجھنا چاہئے ـ جن زبانوں کے ضمائر اور اعداد مشترک

هوں، وہ سرمایہ الفاظ کی بڑی مغائرت کے باوجود هم خاندان هی هونگی اگر دو زبانوں کے ضمائر اور اعداد میں ایسی هم آهنگی اور مماثلت هو کہ ایک زبان کے حروف یا اصوات کی ان تبدیلیوں سے متعلق جو دوسری زبان میں ظہور پذیر هوجاتے هیں، اصول وضع کر لینا ممکن هو، تو دونوں زبانیں بنیادی طور پر هم اصل هونگی، اور انکے کینڈوں میں بھی مشابہت هو تو ان کا هم اصل هونا یقینی هو جاتا هے — ریسک نے اس قسم کے صوتی تبادل کو عضویاتی اختلافات اور مخارج پر منحصر ٹھرایا هے اس کے ان مباحث سے اندازہ هوتا هے کہ وہ لسانی رشتوں اور قانون اصوات کا تعلق محسوس کر چکا تھا —

ریسک نے زبان سے متعلق یہ اصول وضع کر کے، قدیم نارس یا آئس لینڈی زبان کے ماخذ کی تحقیق پر ان کا اطلاق کیا هے — اس کی یہ رائے هے کہ قدیم ترین زبانوں میں سے یونانی هی کا تعلق آئس لینڈی سے هو سکتا هے، لیکن موخرالذکر کو اول الذکر سے براہ راست ماخوذ نہیں سمجھا جا سکتا — یونانی اس معدوم زبان کی قدیم ترین معروف صورت هے، جو آئس لینڈی کی مورث اعلیٰ قرار دی جا سکتی هے —

ریسک نے ائس لینڈی کے ارد گرد کی تمام زبانوں کا جائزہ لیا اور ان کی درامر کاباهمی تقابل کر کے، رشتوں کے تعیین کی — وہ آئس لینڈی کو گاتھک خاندان میں شمار کرتا هے اور اس خاندان سے باهر بھی آئس لینڈی کی مماثلتیں تلاش کرتا هے — جب وہ سلاوی زبانوں اور آئس لینڈی میں کچھ بنیادی مماثلتیں دیکھتا هے تو انہیں ایک گروہ قرار دیتا هے — اسی طرح لتھونی اور لیٹک [1] زبانوں کا جائزہ لے کر انہیں اس بڑے خاندان کا ایک ذیلی خاندان بتلاتا هے — سلاوی زبانوں کے ضمن میں ریسک اس خاندان کے ایک اهم اصول کی طرف اشارہ

---

۱ — جسپرسن

کرتا ہے ۔ اس اصول کی طرف، جسے سترہ سال بعد بوپ نے بڑے فخر سے پیش کیا تھا، یعنی ''س،، کا ''خ،، میں بدل جانا ۔

ریسک کی اس تصنیف کا بہترین باب تھریسی زبانوں سے متعلق ہے ۔ اس نے اس باب میں یونانی اور لاطینی کا تقابل ''جرمانی،، سے کیا ہے ۔ اس نے صوتی تبدیلیوں اور گرامر کے تقابل کے ساتھ ساتھ ۳۵۲ بنیادی الفاظ کی مماثلت کی نشان دھی بھی کی ہے ۔

اس نے ہند یوروپی زبانوں کی گروہ بندی اسطرح کی ہے :۔

(۱) انڈین (دکنی ہندوستانی)

(۲) ایر انک (فارسی، آرمینی، اوسیٹک)

(۳) تھریسین (یونانی، لاطینی)

(۴) سرمائی ان (لیٹک، سلاوی)

(۵) گاتھک (جرمانک، اسکنڈی نیوین)

(۶) کیلٹک (برطانوی، گیلک)

اس گروہ بندی سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ریسک نے ان زبانوں کے رشتے متعین کرنے کے لئے صحیح نقطہء نظر اختیار کیا ہوگا ۔ اس نے فنی زبانوں کی بھی گروہ بندی کی ہے اور یہ گروہ بندی بعد کے علماء کی، کی ہوئی گروہ بندی سے بدر جہا بہتر ہے ۔

ریسک کا کارنامہ صرف لسانی رشتوں کی صحیح تعیین نہیں بلکہ ان رشتوں کا دل نشیں استدلال بھی ہے ۔ اس نے لسانی رشتوں کے ثبوت میں صوتیاتی اشارے بھی پیش کئے ہیں، یہ اور بات ہے کہ وہ زبانوں کی گرامر کی مماثلت کو بھی ضروری قرار دیتا ہے ۔ اس کے یہاں صوتیاتی مباحث کم ہیں، لیکن ان سے بھی اصوات کے منظم ارتقا کا انکشاف ہوتا ہے ۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے ۔ کہ جرمن مصمتوں(حروف صحیح) کے تبادل کا جو قانون بعد میں وضع ہوا،اس کی اچھی خاصی جھلک ریسک کے یہاں مل جاتی ہے ۔ ریسک کی دی

ہوئی مثالوں سے یہ ''فارمولا،، اخذ کیا جا سکتا ہے :-

یونانی پ ٹ ک ڈ گ ف خ

قدیم نارس ف ت ہ ٹ ک ب گ

ریسک نے یہ انکشاف بھی کیا کہ الفاظ کے ابتدائی مصمتوں ہی کا تبادل نہیں بلکہ درمیانی مصمتوں کا بھی تبادل ہوتا ہے مثلاً لاطینی اور قدیم نارس کے درمیانی مصمتوں کا تبادل یہ ہے :-

لاطینی ک ٹ

قدیم نارس گ د

ان مثالوں سے صاف ظاہر ہے کہ ریسک قدیم ترین اور اہم ترین ہند یوروپی قوانین اصوات سے غافل نہیں، اسی لئے وہ ان کی مطابقت کو لسانی رشتوں کا ثبوت قرار دیتا ہے - اس نے اس ثانوی تبادل کا بھی اندازہ کر لیا تھا، جو جرمانی زبانوں میں ''ھائی جرمن،، کی مابہ‌الامتیاز خصوصیت ہے - یہ حقیقت اس وقت معلوم ہوتی ہے جب ہم آئس لینڈی یا قدیم نارس اور اسکی قریب ترین زبانوں کے باھمی تقابل کے ذیل میں دی ہوئی مثالوں سے دو چار ہوتے ہیں - ان مثالوں سے مندرجہ ذیل ثانوی تبادل منظر عام پر آتا ہے !

قدیم نارس پ ت ک

ھائی جرمن ف ز خ

ریسک نے جو صوتی مباحث پیش کئے ہیں وہ اپنی جگہ بڑے اہم ہیں، لیکن ان کے ضمن میں ریسک سے کچھ لغزشیں بھی ہوئی ہیں مثلاً قدیم گاتھک زبانوں کے طویل مصوتوں سے متعلق اس کی رائے صحیح نہیں ہے - اس کا یہ خیال درست نہیں ہے کہ جدید آئس لینڈی تلفظ قدیم تلفظ کا پرتو ہے، کیونکہ گرم نے قدیم زبانوں کے تقابل سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جدید آئس لینڈی تلفظ کا قدیم آئس لینڈی تلفظ سے کوئی تعلق نہیں - ابتدائی ''ب،، سے متعلق بھی اس کی رائے درست نہیں ہے-

"ب"، کا پہلا تبادل "ڈ"، اور "گ"، کی طرح ہوتا ہے اور وہ غیر مصیت "پ"، میں بدل جاتا ہے - قدیم ہند یوروپی میں "ب"، شاذ و نادر ہی ملتا ہے، شائد اسی لئے ریسک کو اچھی مثالیں نہیں مل سکیں -

اس وقت تک "ژند"، سے متعلق بہت سی غلط فہمیاں تھیں - ریسک نے بر صغیر پاک و ہند اور ایران کا دورہ کر کے "ژند"، کی صحیح حیثیت کو سمجھا ــ اس نے بمبئی سے "اوستا"، کے وہ نادر قلمی نسخے حاصل کئے، جن کے کچھ حصوں کی نقلیں سنہ ۱۷۶۰ع میں فرانسیسی عالم داپیرن نے لی تھیں اور اپنے مضمون "ژند زبان اور ژند اوستا کی قدامت اور اصلیت"، (سنہ ۱۸۲۶ع) کے ذریعہ "ژند"، سے متعلق اہل مغرب کی رایوں کو خاصا متاثر کیا ــ اہل مغرب یہ جانتے تھے کہ "اوستا"، کی زبان اور سنسکرت میں اتنی گہری مماثلت ہے کہ صرف صوتی تغیرات کو ملحوظ رکھکر "اوستا"، کا ترجمہ سنسکرت میں بہ آسانی ہو سکتا ہے اور "اوستا"، کی زبان فارسی سے بہت مختلف ہے - اسی لئے وہ "اوستا"، کی زبان کو سنسکرت کی ایک بولی قرار دیتے تھے- ریسک ہند یوروپی خاندان کی بنیادی خصوصیات کو خوب سمجھ چکا تھا، لسانی رشتوں کا تعین کرنے کی صلاحیت بھی اس میں بدرجۂ اتم تھی- اس نے یہ ثابت کیا کہ ژند، سنسکرت کی بیٹی نہیں بلکہ بہن ہے - اس کے بہت سے بنیادی الفاظ فارسی میں بھی ملتے ہیں ــ اور "اوستا"، جس رسم الخط (میخی) میں دستیاب ہوتی ہے، وہ بہت بعد کا ہے، ابتدائی نہیں ریسک نے اپنے اس مضمون میں اتفاقی طور پر خط میخی کے دو حروف کی صحیح ترجمانی بھی کردی تھی اور اس طرح قدیم ایرانی کتبوں کے پڑھنے میں تھوڑا بہت مدد و معاون بھی ثابت ہوا ــ

ریسک نے پاک و ہند اور ایران کی سیاحت کے دوران، ان خطوں کی بہت سی زبانوں کا جائزہ لیا تھا، جو تقریباً چالیس سال بعد

پہلا عالم لسانیات ہے، جس نے یہ رائے ظاہر کی کہ دراویڈی زبانیں، سنسکرت سے بالکل مختلف ہیں ــ وہ دراویڈی زبانوں کو مالا باری کے نام سے موسوم کرتا ہے ــ

ریسک کی ہفت سالہ سیاحت بڑی نتیجہ خیز ثابت ہوئی ــ اس نے سنہ ۱۸۱۶ع اور سنہ ۱۸۲۳ع کے درمیان سویڈن، فن لینڈ، روس، کاکیشیا، ایران، پاک و ہند کا سفر کر کے وہاں کی زبانوں کا براہ‌راست مطالعہ کیا ــ بہت سی زبانوں کی گرامر پر کتابیں لکھیں ــ اگر چہ اس نے تاریخی گرامر کی طرح نہیں ڈالی، تاہم سنہ ۱۸۱۵ع میں ایک مضمون میں ڈینش گرامر کی بہت سی خصوصیات کی تاریخی توجیہ کی ہسپانوی اور اطالوی گرامر سے متعلق بھی اس کی تاریخی توجیہات، تاریخی گرامر کا پیش خیمہ قرار پا سکتی ہیں ــ

سچ پوچھئے تو ریسک، صوتیات اور تقابلی گرامر دونوں کا پیش رو سمجھا جا سکتا ہے ــ جہاں تک صوتیات اور خصوصاً مصمتوں کے باہمی تبادل کے بارے میں اس کے خیالات کا تعلق ہے، وہ اپنے ہم عصر علماء لسانیات میں ممتاز نظر آتا ہے ــ اس نے جن زبانوں پر تحقیق کی، ان سے براہ راست واقفیت حاصل کر لی تھی ــ اس کی نظر بول چال کی زبانوں پر تھی ــ دوسرے علماء نے ان میں سے اکثر زبانوں کے متعلق معلومات، دستاویزوں یا کتابوں کے ذریعے سے بہم پہنچائی تھیں - ریسک کے بعد بھی بہت دنوں تک ایسا عالم لسانیات پیدا نہیں ہوا جس نے بول چال کی زبانوں پر نظر رکھ کر نتائج کا استنباط کیا ہو اس نے اپنے افلاس اور خرابی صحت کے باوجود، دور دراز کا سفر اختیار کیا اور لسانیات کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں لیکن اس کی تصانیف ''ڈینش'' زبان میں ہیں، جو زیادہ معروف نہیں ــ شاید اسی لئے اسے تاریخ لسانیات میں وہ مقام حاصل نہ ہو سکا، جس کا وہ مستحق تھا ــ ''صوتیات'' میں گرم کو اس پر ترجیح مل گئی اور

''تقابلی گرامر'' میں بوپ کو۔ جہاں تک بوپ کا تعلق ہے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اس نے ''ہند یوروپی تقابلی گرامر پر ریسک کے مقابلہ پر زیادہ تفصیل سے کام کیا ہے ۔

فرانز بوپ

بعض علماء، جدید لسانیات کے بانیوں میں فرانز بوپ کو سب سے زیادہ اهمیت دیتے هیں ۔ بوپ نے پیرس میں مشرقی زبانوں خصوصاً سنسکرت کا دقت نظر سے مطالعہ کیا تھا ۔ اس کی پہلی تصنیف جسے بعض حلقوں میں تقابلی لسانیات کا نقطۂ آغاز بھی سمجھا جاتا ہے ۔ سنہ ۱۸۱۶ء میں شائع ہوئی ۔ اس کا عنوان ہے ۔ ''سنسکرت اور یونانی لاطینی، فارسی اور جرمانی کے تصریفی نظام یا گردان کا تقابل'' بوپ برلن اکیڈیمی میں پروفیسر کے عہدے پر بھی فائز رہا جہاں اس نے بہت سے فاضلانا مضامین پیش کئے اور بعض سنسکرت کتابوں کو جرمن زبان میں منتقل کیا ۔ اس کی دوسری معرکتہ الارا تصنیف ''سنسکرت، ژند، یونانی، لاطینی، گاتھک اور جرمانی زبانوں کی تقابلی گرامر'' ہے ۔ جس کی پہلی جلد ریسک کی وفات کے ایک سال بعد سنہ ۱۸۳۳ء میں، دوسری سنہ ۱۸۳۵ء میں اور باقی جلدیں سنہ ۱۸۳۷ء اور ۱۸۵۲ء کے درمیان منظر عام پر آئیں ۔ یہ تصنیف تقریباً پندرہ سو صفحات پر مشتمل ہے ۔ سنہ ۱۸۵۷ء اور سنہ ۱۸۶۱ء کے درمیان اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا اور مصنف کی وفات کے بعد سنہ ۱۸۶۸ء اور سنہ ۱۸۷۰ء کے درمیان تیسرا ایڈیشن ۔

اول الذکر تصنیف کے عنوان سے ظاہر ہے کہ بوپ نے اپنی تصنیف میں زبان کی دو ایسی شاخوں کو شامل کیا ہے یعنی سنسکرت اور فارسی کو جنہیں ریسک نے نظرانداز کر دیا تھا اور دو ایسی شاخوں کو چھوڑ دیا ہے، جن سے ریسک نے بحث کی ہے یعنی سلاوی اور بالٹک کو ۔ بوپ سنسکرت پر پورا عبور رکھتا تھا لیکن قدیم ایرانی

زبان سے متعلق سنہ ۱۸۱۶ع تک اس کی واقفیت برائے نام تھی - اس نے قدیم ایرانی یا ژند کے بجائے فارسی سے بحث کی ھے اور شائد اسی لئے اس نے فارسی اور جرمانی کے رشتے سے متعلق مروجہ خیالات کا اظہار کیا ھے ـ اس تصنیف کا موضوع گردان یا تصریف ھے لیکن کہیں کہیں صوتیاتی مباحث بھی آ گئے ھیں، جن کے مطالعہ سے یہ اندازہ ھوتا ھے کہ اسے صوتیات پر دسترس نہ تھی ـ اس تصنیف کا انگریزی ترجمہ ''سنسکرت، یونانی، لاطینی اور ٹیوٹانی زبانوں کا تجزیاتی تقابل،، کے عنوان سے سنہ ۱۸۲۰ع میں ھوا، جس میں کچھ ایسے امور اور مباحث بھی ھیں، جو اصل کتاب میں نہ تھے ـ چونکہ یہ ترجمہ شاید بوپ کی اجازت یا ایما سے ھوا تھا، اس لئے یہ قیاس کیا جا سکتا ھے کہ یہ تغیرات، ترمیم اور اضافے بوپ کے اپنے ذھن کی پیدا وار ھیں ـ

بوپ منصرفات کے ماخذ کی تحقیق کرنا چاھتا تھا- اس سلسلے میں اس نے سنسکرت گرامر سے مدد لی - یہ اور بات ھے کہ وہ سنسکرت گرامر کے منصرفات کو حطمی حیثیت نہیں دیتا - اس نے اپنی اس تصنیف (گردان) میں قلمبند کیا ھے کہ

> ''میری رائے میں یونانی، لاطینی اور دوسری یوروپی زبانیں اس سنسکرت سے متفرع نہیں، جو ھندوستان کی قدیم کتابوں میں ملتی ھے - میرا خیال ھے کہ یہ سب ایک ایسی زبان کی شاخیں ھیں، جس کی بنیادی خصوصیات سنسکرت میں سب سے زیادہ محفوظ رہ گئی ھیں ـ قدیم مصنفین اور دستاویزوں کی زبان سے سنسکرت گرامر کی اتنی وضاحت نہیں ھوتی جتنی برھمنوں کی زبان سے ـ براھمنی زبان کی مدد سے یونانی اور لاطینی سے متعلق قیاسات زیادہ صحیح ھو سکتے ھیں،،

گویا بوپ نے یونانی اور لاطینی کی لسانی تفہیم کے سلسلے میں

براھمنی سنسکرت کو اھم قرار دیا ھے ۔ اس نے سنسکرت اور یونانی وغیرہ کی گرامر کے منصرفات اور گردانوں کا مقابلہ کر کے یہ معلوم کیا کہ ان میں سے کون سی مماثل ھیں اور ان کی قدیم ترین صورتیں کیا تھیں ۔ اس کے بعد اس نے ان کی بالکل ابتدائی صورتوں اور ماخذ کا کھوج لگانے کی کوشش کی ھے ۔ اس ضمن میں وہ مروجہ گرامر کے مقابلے پر فلسفیانہ گرامر سے زیادہ متاثر نظر آتا ھے ۔ گاٹ فرائڈ ھرمین نے خالصةً منطقی بنیادوں پر ھر جملے کے تین لازمی عناصر بتائے تھے مسند مسندالیہ (مبتدا اور خبر) اور اسناد جو مبتدا اور خبر میں ربط پیدا کرتا ھے ۔ چونکہ فعل کا کام خبر کو مبتدا سے منسوب کرنا ھے، اس لئے اس کی حقیقی اور اصلی شکل ایک ھی ھوتی ھے ۔ یعنی فعل اثباتی کی۔ پیرس میں بوپ نے سلوسترے داساسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا تھا۔ داساسی نے بھی کم و بیش یہی خیال ظاھر کیا ھے ۔ اس کے زیر اثر بوپ بھی یہی دھراتا ھے کہ ایک فعل اپنے حقیقی معنوں میں فقرے کا وہ جزو ھے، جس کے ذریعے سے مبتدا اپنے متعلقات سے منسوب ھوتا ھے ۔ فعل کی اس تعریف سے یہ ظاھر ھوتا ھے ۔ کہ ایک ھی قسم کے فعل کا وجود ھو سکتا ھے یعنی فعل اثباتی کا ۔ یونانی اور لاطینی وغیرہ کی ساخت سے مشابہت رکھنے والی زبانیں اس قسم کے ایک فعل کے ذریعہ ایک منطقی قضیے کا اظہار کر سکتی ھیں ۔ فقرے کا وہ جزو جو مبتدا اور اس کے ان متعلقات کے ربط کا اظہار کرے، جو فعل کا مقصود خصوصی ھیں، عموماً مخفف ھو جاتا ھے اور اس کا اظہار نہیں کیا جاتا ۔ لاطینی فعل ''Dat'' (وہ دیتا ھے یا وہ دے رھا ھے) میں حرف ''t'' سے واحد غائب مبتدا کا اظہار ھوتا ھے ۔ ''Da'' دینے کا عمل ظاھر کرتا ھے اور اسناد مخفف ھے ۔ فعل ''Potest'' میں اسناد کا اظہار ھو جاتا ھے ۔ اس کلمے میں تینوں ضروری اجزاء موجود اور ظاھر ھیں ۔ ''t''

واحد غائب مبتدا ہے ۔ ,, Pot ،، خبر اور ,,es،، اسناد ۔ 1

گرامر کے اس منطقی تصور کا نتیجہ یہ ہوا کہ **بوپ** ہر جگہ افعال میں بنیادی جزو کی حیثیت سے سنسکرت ''اس'' اور ''بھو'' کی شکلوں میں اثباتی فعل ڈھونڈنے کی کوشش کرنے لگا ۔ **بوپ** وہ پہلا شخص نہیں جس نے یہ خیال ظاہر کیا ہو کہ وہ اختتامیے جوآج افعال کے اجزائے لاینحل ہیں، اصلاً مستقل الفاظ تھے ۔ اس سے پہلے **ہارن طوک** ۱۷۸۶ء میں یہ خیال ظاہر کر چکا تھا کہ کسی زبان کے افعال میں جو مشترک اختتامیے ملتے ہیں وہ کبھی بجائے خود مستقل الفاظ تھے، جن کے واضح معانی بھی تھے ۔ اس نے جو مثالیں پیش کی ہیں، ان سے ملتی جلتی مثالیں **بوپ** نے بھی پیش کی ہیں ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ **طوک** کی طرح کلموں کی بہت زیادہ تخفیف نہیں کر دیتا ۔ وہ لاطینی فعل تام ,,Scripsi ،، یونانی مضارع ''etupsa'' اور مستقبل ''tupso''کو علی‌الترتیب Scrip-s-i –'e-tup-s-a' اور ''tup-s-o'' میں تجزیہ کرکے سنسکرت مادہ ''اس'' ڈھونڈ نکالتا ہے اور یہ بھی نہیں دیکھتا کہ وہ جن ''اضافوں'' کی تاویل کر رہا ہے، ان کا تعلق فعل کے مختلف زمانوں سے ہے ۔ جس طرح اس نے اکثر افعال کے اختتامیوں میں سنسکرت مادے ,,بھو،، کا سراغ لگایا ہے اور یہ رائے قائم کی ہے کہ زبانیں مختلف الاوضاع عناصر کو اس طرح ترکیب دیتی رہتی ہیں کہ وہ بتدریج ایک مکمل اکائی کی حیثیت سے سنائی دینے لگتے ہیں 2

منصرفات کے آغاز سے متعلق **بوپ** کی توجیہات کا اندازہ شاید ایک مثال سے لگایا جا سکے ۔ **بوپ** نے لاطینی کے صیغہ واحد حاضر ama-ris اور صیغہ واحد غائب amat-ur کا تقابل کرکے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ کسی ایک میں صوتی تبادل ہوا ہے، ایسا صوتی تبادل

۱۔ جسپرسن ۲۔ جسپرسن

لاطینی میں عام طور پر ہوتا ہے ۔ لاطینی کے مجہول افعال amat-ur اور amant-ur میں فعل اثباتی میں لاحقوں کا طور ایک ہی ہے اور r دراصل s کا تبادل ہے، جیسا کہ صیغہ حاضر اور صیغہ غائب کے تقابل سے قیاس کیا جا سکتا ہے - ضعیف افعال کے ماضی میں t اور d اختتامیوں کے بارے میں بوپ کا یہ خیال ہے کہ معطوفہ کی حالت ظاہر کرنے والے اختتامیے ضمائر متصل سے بدل گئے ہیں ، جن کا اظہار t اور d سے ہوتا ہے – ''d'' کے بعد ''ed'' کا اضافہ محض اتفاق ہے – ریسک کی رائے میں یہ بتانا آسان نہیں کہ اختتامیہ ''t'' یا ''d'' کب وجود میں آیا کیوں کہ یہ یونانی اور لاطینی میں نہیں – لیکن آئس لینڈی گرامر سے ظاہر ہے کہ اس کا قریبی تعلق ماضی معطوفہ سے ہے اور وہ ماضی کے طور شرطیہ میں بھی ملتے ہیں – ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ''t'' یا ''d'' ماضی کے تمام اطوار کی قدیم خصوصیت ہے لیکن یونانی میں یہ خصوصیت حذف ہو گئی – 1

بوپ نے مصوتوں سے متعلق یہ رائے ظاہر کی ہے کہ ''سنسکرت میں کئی جگہ ''a'' کی موجودگی، اس کے حروف تہجی کے نقص کی وجہ سے ہے – بول چال کی سنسکرت میں ان موقعوں پر جہاں تحریری سنسکرت میں ''a'' ملتا ہے، اطالوی ''e'' اور ''o'' سنائی دیتے ہیں - بعد میں بوپ نے مصوتوں کے ضمن میں جیکب گرم کا خاصا اثر قبول کرلیا گرم نے یہ قیاس کر لیا تھا کہ قدیم زبانوں میں صرف تین مصوتے a' i اور u ہوتے تھے – اس کی پیروی میں بوپ اور اس کے مقلدین یہ خیال ظاہر کرنے لگے کہ سنسکرت مصوتہ ''a'' زبان کی بالکل ابتدائی حالت کی نمائندگی کرتا ہے – ''حنکی قانون'' کی دریافت ۱۸۸۰ء تک یہ خیال عام رہا ہے – اگر بوپ مصوتوں سے متعلق اپنی پہلی رائے نظرانداز

۱ــ جسپرسن

نہ کرتا تو شاید حنکی قانون کی دریافت کا سہرا اسی کے سر رہتا ۔ حنکی قانون ھی کی بدولت یہ حقیقت منظر عام پر آئی کہ مصوتوں کی یونانی ثلیث a، e اور o زبان کی ابتدائی حالت کی ترجمانی کرتی ہے ۔ بوپ کی تصنیف ''تصریفی نظام'' کے انگریزی ترجمے تجزیاتی تقابل ۱۸۲۰ء میں مادوں کے باب میں سامی اور هندیوروپی زبانوں کے مادوں کی ساخت کا موازنہ ملتا ہے ۔ بوپ نے یہ بتلایا ہے کہ سامی زبانوں کے مادے بالالتزام سہ حرفی اور عموماً ذوالمقاطع یا دو جزے ہوتے ھیں سنسکرت، یونانی وغیرہ میں حروف کو نہیں بلکہ مقاطع کو مادوں کی بنیادی خصوصیت قرار دے سکتے ھیں ۔ هند یوروپی مادے احادی المقاطع یا یک جزے ہوتے ھیں ۔ هند یوروپی مادے ''i'' (جانا) کا یا اس کی متوازی مثال کا عربی میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ۔ سامی زبانوں کے مادوں کی بنیادی خصوصیت کی وجہ سے ان میں اندرونی تغیرات یا اشتقاق کی جتنی صلاحیت ہے اتنی هند یوروپی مادوں میں نہیں ہے ۔ ان تغیرات کو فریڈرک شلیگل نے تصریف کے نام سے موسوم کیاتھا ۔ خود بوپ نے بھی دو سال پہلے اسے کلماتی رشتے ظاہر کرنے کا حقیقی عضویاتی اور نامیاتی طریقہ قرار دے کر، سنسکرت کی تصریفی خصوصیت کو ابھارا تھا ۔ لیکن سنہ ۱۸۲۰ع میں وہ شلیگل اور خود اپنے اس مفروضے پر کہ کلمے کا اندرونی تغیر سنسکرت کی مابہ الامتیاز خصوصیت ہے اور دوسری زبانوں میں منصرفات لاحقوں کے اضافے سے وجود میں آتے ھیں، سخت، تنقید کی ہے ۔ اس نے یہ رائے ظاہر کی کہ گردان اور تصریف کے یہ دونوں قاعدے چینی کے سوا تمام زبانوں میں مستعمل ھیں اور سنسکرت میں لاحقوں کا قاعدہ زیادہ رائج ہے ۔ یک جزی زبانوں میں مصوتوں کی تبدیلی اور بنیادی مصمتوں کی تکرار ھی سے حقیقی تصریف ہو سکتی ہے ۔ افعال میں ضمائر متصل کی نشان دھی شیدئیس (سنہ ۱۷۹۰ع) اور ریسک پہلے ھی کرچکے تھے ۔ بوپ

نے ان کی همنوائی کی ھے لیکن اس نے شیدئیس پر یہ اعتراض کیا ھے کہ وہ ضمائر کی صرف فاعلی حالت ھی کو پیش نظر رکھتا ھے [1]

بوپ نے اپنی ابتدائی تصانیف میں بہت سے لسانی مسائل پر بحث کی ھے لیکن اس کے مباحث معنی خیز تو ھیں، نتیجہ خیز نہیں اس نے اصوات کے انقلاب، حذف و سقوط مصمتوں کے تبادل وغیرہ پر زیادہ غور نہیں کیا اور لسانی رشتوں پر بھی کوئی خاص توجہ نہیں دی - شاید اسی لئے شروع شروع میں اس نے یہ خیال ظاھر کیا تھا کہ فارسی، سنسکرت کے مقابلے میں جرمن سے زیادہ قریب ھے ـ اس کے ذھنی ارتقا اور لسانیاتی نقطۂ نظر کی تبدیلیوں کا ثبوت یہ ھے کہ وہ خود اپنی ھی پہلی تقسیم السنہ سے مطمئن نہ تھا ـ اس نے اپنی گروہ بندی اور فریڈرک شلیگل کی دو گروھی کی تردید کی ـ لیکن وہ آریائی گرامر کے تمام مسائل و مباحث اور سنسکرت مادوں کے اندرونی تغیرات کی توجیہ میکانکی اسباب سے کرتا ھے ـ یہ رجحان اس کی گروہ بندی کو اے ـ ڈبلیو ـ شلیگل کی سہ گروھی تقسیم کی شکل دے دیتا ھے ـ بوپ نے زبانوں کو اس طرح تقسیم کیا ھے :ـ

۱ـ وہ زبانیں جن کے باقاعدے مادے نہیں ھیں اور جن میں کوئی تنظیم یا گرامر کا تعین نہیں مثلاً چینی جس میں گرامر کے رشتوں کا اندازہ کلمات کے محل استعمال سے ھوتا ھے ۔

۲ـ احادی المقاطع یا یک جزے مادوں والی زبانیں جن میں ترکیبی اور تصریفی صلاحیت ھوتی ھے اور جن کے منصرفات کا دارومدار بیشتر ضمیری اور فعلی مادوں کے ارتباط پر ھوتا ھے - ھندیوروپی زبانیں اور پہلے اور تیسرے گروھوں میں شامل نہ ھونے والی زبانیں اسی گروہ میں شامل کی جا سکتی ھیں ۔

۱ـ ''زبان - اس کی ماھیئت - ارتقا اور آغاز،، - آٹوجسپرسن

۳- ذوالمقاطع یا دو جزے، سہ حرفی مادوں کی زبانیں - صرف سامی زبانیں اس گروہ میں شامل کی جا سکتی ھیں - ان زبانوں میں منصرفات و مشتقات مادے کے اندرونی اشتقاق و تصریف سے وجود میں آتے ھیں -

بوپ نے اتصال اور اشتقاق یا تصریف جیسی اصطلاحوں کو استعمال نہیں کیا ھے شاید اس لئے کہ اول الذکر اصطلاح غیر آریائی [1] زبانوں کے لئے استعمال کی گئی تھی اور بوپ اتصالی اور اشتقاق زبانوں کو الگ الگ گروھوں میں شمار نہیں کرتا - موخرالذکر اصطلاح غالباً اس لئے استعمال نہیں کی کہ اس میں ابہام تھا اور فریڈرک شلیگل نے یہ اصطلاح اندرونی تغیر یا اشتقاق کے لئے استعمال کی تھی مثلاً 'drink drank اور drunk ظاھر ھے کہ شلیگل نے اشتقاق کی جو تعریف کی ھے، اس کی رو سے کوئی زبان (سوائے سامی زبانوں کے) کلیۃً اشتقاق نہیں ھو سکتی اور اس کی بنیاد پر زبانوں کی گروہ بندی درست نہیں — بعد کے علماء نے یہ اصطلاح اشتقاق کی دونوں صورتوں، اندرونی اور بیرونی کے لئے استعمال کی ھے، جن کی مثالیں سنسکرت اور یونانی وغیرہ میں عام ھیں - بوپ کی تقسیم السنہ اور گروھی وضاحت کی رو سے ایک زبان دوسری منزل سے تیسری منزل پر نہیں پہنچ سکتی - ھاں یہ ضرور ھے کہ اس نے آریائی زبانوں کے اختتامیوں کی جو توجیہہ کی ھے، اس سے ایک ھی زبان کی تین منزلوں انفرادی، اور تصریفی کے نظریئے کی راہ ھموار ھو جاتی ھے - بوپ نے ''تصریفی نظام'' میں یہ رائے ظاھر کی ھے کہ زبانیں اپنے اس قدیم ترین زمانے میں، جس کا ھمیں علم حاصل ھو سکا ھے، اپنی تکمیل کر کے روبہ‌انحطاط ھو چکی تھیں - سنہ ۱۸۳۰ع میں گرم پر تبصرہ کرتے ھوئے اس نے یہ

۱- بوپ اور جسپرسن وغیرہ نے ''ھند یوروپی'' کا نام ''آریائی'' بھی استعمال کیا ھے -

قلمبند کیا ھے کہ زبانیں نحوی اعتبار سے ھر چند ترقی یافتہ ھوں، علمی گرامر کی ساخت کے اعتبار سے وہ اس مکمل ساخت کے اکثر اجزاء کھو چکی ھیں، جس میں کامے اپنے صحیح مقام اور صحیح باھمی رشتوں کے ساتھ ھوا کرتے تھے اور ھر مشتق کا اس کے ماخذ سے تعلق صریحی ھوتا تھا 1

بوپ سے متعلق اجمالاً یہ کہا جا سکتا ھے کہ اس نے اشتقاق اور تصریفی اجزاء کے ماخذ اور آغاز کا سراغ لگانا چاھا لیکن بجائے اس کے تقابلی گرامر کا بانی بن گیا ـ سچ تو یہ ھے کہ وہ سنسکرت کے مطالعہ کے ذریعہ تقابلی گرامر تک اس وقت پہنچا جب ریسک، آئس لینڈی زبان کے مطالعہ سے تقابلی گرامر کی سرسری نشاندھی کر چکا تھا 2

جیکب گرم

تاریخ لسانیات میں جرمنی کے مشہور عالم لسانیات و صنمیات جیکب گرم کو خاصی اھمیت دی جاتی ھے - گرم نے قانون کی تعلیم مکمل کرلی تو اس کے استاد سیوینی نے اسے پیرس بلا لیا اور قانون کی تاریخی تحقیق کے سلسلے میں کچھ کام تفویض کیا ـ اس ضمن میں گرم کو قدیم جرمن دستاویزوں کا مطالعہ کرنا پڑا - اس مطالعے کی وجہ سے اسے جرمنی کے قرون وسطیٰ کے شعری سرمائے سے خاصی دل چسپی ھو گئی اور اسکا نقطہ نظر بتدریج علمی ھوتا گیا - اس کی ابتدائی تحریروں سے یہ پتہ چلتا ھے کہ وہ اس وقت تک اشتقاقیات کے قطعی اور حتمی اصولوں کی کمی تو محسوس کر چکا تھا لیکن انھیں دریافت نہ کر سکا تھا - وہ اپنی گرامر کی پہلی اشاعت (سنہ ۱۸۱۹ع) میں خود بھی مذبذب سا نظر آتا ھے - اس نے اپنے بھائی ولہم گرم

۱ــ ۲ــ ''زبان ــ اس کی ماھئیت ــ ارتقا اور آغاز،، جسپرسن

کی مدد سے سنہ ۱۸۱۶ع اور سنہ ۱۸۱۸ع کے درمیان جرمن نسلوں کی قدیم ترین رزمیہ روایات کا تجزیہ اور تبصرہ شائع کیا۔ دونوں بھائیوں نے مل کر لوک کہانیاں اکٹھا کرنا شروع کیا اور جس قدر کہانیاں دستیاب ہو سکتی تھیں، ان کا ایک مجموعہ مرتب کیا جو سنہ ۱۸۱۲ع اور سنہ ۱۸۱۶ع کے درمیان شائع ہوا جیکب گرم نے لوک گیتوں کی تدوین ہی نہیں کی بلکہ ان کی علمی حیثیت بھی واضح کی۔ اس طرح وہ ایک نئے علم (لوک گیت) کا بانی ہوا۔ شروع شروع میں گرم کے نزدیک زبان کی حیثیت محض ثانوی تھی، اسی لئے جب اس نے اشتقاقیات کی طرف توجہ دی تو قیاسات ہی سے کام لیا۔ لیکن اے۔ ڈبلیو۔ شلیگل کی تنقیدوں اور ریسک کے مضامین نے اس کی آنکھیں کھول دیں اور وہ جرمن اور اس کی ہم نسب زبانوں کی قدیم ترین صورتوں کے مطالعہ میں مصروف ہو گیا۔ اس نے ریسک کی آئس لینڈی گرامر پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ دنیائے السنہ میں ہر فرد کو مقدس سمجھنا چاہئے۔ چھوٹی سے چھوٹی اور حقیر سے حقیر بولی کو اس کی اپنی حالت اور ماہئیت پر ہی رہنے دینا چاہئے کیونکہ اس حقیر ترین بولی کو کسی نہ کسی لسانیاتی اعتبار سے انتہائی ترقی یافتہ زبان پر ترجیح ضرور دی جا سکتی ہے۔ شیرر کی رائے میں گرم برادران نے قدیم علم ثقافت کی صحت کا اطلاق قدیم قومی ادبیات اور مشہور روایات پر کیا۔ اس وقت تک اس کا اطلاق صرف یونانی اور لاطینی کلاسیک اور بائبل پر کیا جاتا تھا۔ انہوں نے لوک گیتوں کو شاعری کا رکن رکین بنا کر اور علمی حیثیت دے کر مسلمہ شاعری، کے میدان میں وسعت پیدا کی اور علم ثقافت کو بھی تنگنا سے نکالا۔ علم ثقافت کے ماہرین ان لکھی روایتوں، گیتوں، اساطیری داستانوں، ضعیف الاعتقادی اور طفلانہ گیتوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے گرم برادران نے پہلی بار انہیں علم ثقافت کے مطالعہ میں

اهمیت دی اور اس طرح اس علم کو قومی بنایا، جسکی بدولت روئے زمین کی تمام قوموں کے اس علمی مطالعے اور انسانی ذہن کی اس تقابلی تحقیق کے لئے ایک نمونہ قائم ہو گیا، جن کا ملخص ادبیات ھے - اگرچہ جیکب گرم نے کلاسیکی علم ثقافت کی روایتوں سے انحراف کیا ھے، تاھم اس کی ایک علامت، اس کے یہاں ضرور مل جاتی ھے - یعنی وہ مختلف زبانوں کے محاسن، اسی کی قائم کردہ کسوٹی پر پرکھتا ھے اور یہ رائے ظاہر کرتا ھے کہ چھ سو سال سے ہر جاہل و عامی جرمن زبان کی ان خوبیوں کو جانتا ھی نہیں بلکہ روزانہ برتتا تھا، جن کا تصور بہترین قواعد دان بھی نہیں کر سکتے [1]

جیکب گرم نے بڑی محنت سے کلاسیکی مصنفین کے یہاں بکھرے ہوئے الفاظ اور تلمیحات تلاش کیں اور ان کی مدد سے ''گتار،، ''تھریسی،، ''اسکائیتھی،، اور بہت سی ان دوسری قوموں سے جرمن زبان کا تعلق متعین کرنے کی کوشش کی ھے، جن کی زبانوں سے متعلق معلومات مشتبہ ھیں، یا جن کی زبانوں کی مسخ شدہ یادگاریں بعض یونانی اور لاطینی مصنفوں کے یہاں ھی ملتی ھیں، اس نے جو نتیجے اخذ کئے، ان میں علماء مابعد ترمیم اور اضافے کرتے رھے، ان نتائج کے معنی خیز ہونے میں کلام نہیں -

جیکب گرم کی تصنیف ''جرمانی گرامر'' کی پہلی جلد سنہ ۱۸۱۹ع میں منظر عام پر آئی - اس کے دیباچے کو پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ھے کہ ھم گرامر کے ایک نئے نقطہء نظر سے روشناس ہو رھے ھیں- گرم عام قواعد دانوں کی طرح محض نظری نہیں بننا چاھتا- اس کے نزدیک زبان ہر فطری اور اخلاقی امر کی طرح ایک غیر شعوری اور ان دیکھا راز ھے، جو بچپن ھی میں خاطر نشین ہو جاتا ھے، اس لئے

---

۱ — جسپرسن

هر وہ جرمن جو اپنی زبان از خود بولنے لگا ہے، اپنے آپ کو جیتی جاگتی، چلتی پھرتی گرامر کہہ سکتا ہے ۔ گرم گرامر کا کوئی نصاب نہیں مقرر کرنا چاہتا بلکہ زبان میں جو کچھ فطری طور پر نشو و نما پاتا رہا ہے، اس کا مشاہدہ اور معائنہ کرنا چاہتا ہے ۔ اس نے اپنی پہلی جلد کی دوسری اشاعت میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ''میں گرامر کے منطقی تصور کے سخت خلاف ہوں ۔ گرامر کے منطقی تصور کی بدولت بہ ظاہر با ضابطگی تو پیدا ہو جاتی ہے لیکن مشاہدے اور معائنے کا خون ہوتا ہے ۔ میرے نزدیک مشاہدہ اور معائنہ ہی لسانیات کی جان ہے ۔ چونکہ میرا مقصد اپنی زبان کے ہردم متغیر ان عناصر کا جائزہ لینا تھا، جو وقت اور مقام کے ساتھ ساتھ بدلتے رہے ہیں، اس لئے ایک بولی کے بعد دوسری کا مطالعہ نا گزیر ہو گیا، مجھے ان اجنبی زبانوں پر بھی نظر ڈالنا پڑا، جو ہماری زبان سے کسی نہ کسی نوع کا تعلق رکھتی ہیں''۔ گرم اپنی گرامر میں جرمن کے سوا دوسری زبانوں کو شامل نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن بعد میں اس نے محسوس کیا کہ قدیم ہائی جرمن، گاتھک سے مستلزم ہے اور جرمن کی بعد کی منزلیں ''لو جرمن'' (Low German' جس میں انگریزی بھی شامل ہے) کی مدد کے بغیر نہیں سمجھی جا سکتیں ۔ اس ضمن میں اسکینڈی نیوین زبان کے سرمایہء ادب کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔ اس دیباچے میں ہم اس ''تاریخی دبستان'' کے واضع لائحہء عمل کا مطالعہ کرتے ہیں، جو اب لسانیات پر حاوی ہو رہا تھا ۔ لیکن لسانیات کے اس نقطہء نظر کی رو سے زبان جس طرح مستقلاً متغیر اور ارتقا پذیر ہوتی ہے، اسی طرح گرم کے خیالات تبدیل ہوتے رہے تھے ۔ جس عالم لسانیات نے اسے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ ریزمس ریسک تھا ۔ گرم کو اپنی گرامر کی پہلی اشاعت کے وقت ریسک سے متعلق زیادہ علم نہ تھا، لیکن وہ ''آئس لینڈی گرامر'' سے ضرور واقف تھا گرم کی شہرہ آفاق گرامر کی پہلی جلد کی تکمیل

پہلے، اسے ریسک کا انعامی مضمون مل گیا - اس نے دیباچے میں جی کھول کر اس مضمون کی تعریف کی ہے - یہی نہیں بلکہ اپنے اکثر خطوط میں اسے سراہا ہے - وہ ریسک کی ''اینگلو سیکسن گرامر'' اور آئس لینڈی گرامر کے سویڈش ترجمے کو بھی دیکھنا چاھتا تھا، لیکن اسے یہ دونوں پہلی جلد کی طباعت کے بعد ملیں - گرم نے اپنی کتاب کی دوسری جلد کا مواد ترتیب دینے سے پہلے، جلد اول پر نظر ثانی کی اور اسے از سر نو ترتیب دے کر سنہ ۱۸۲۲ع میں شائع کیا - اس نے اس نئی اشاعت میں ایک جدت پیدا کی - علم الاصوات کی جدت، جس کا سنہ ۱۸۱۹ع کی اشاعت میں شائبہ بھی نہ تھا - طبع ثانی میں علم الاصوات کے مباحث تقریباً چھ سو صفحات پر مشتمل تھے - اس اشاعت سے پہلے گرم کو یہ یقین ہو چکا تھا کہ لسانیات کو صوتی اعتبار سے صوتی تبادل کے کچھ قوانین کے ما تحت ہی ہونا چاھئے - صوتیات سے متعلق اس کا اجتہاد، بہت کچھ ریسک کے مرہون منت ہے - اس نے اپنی گرامر کی پہللی اشاعت میں آئس لینڈی زبان کے اسماء و افعال کی گردان سے متعلق جو کچھ قلمبند کیا ہے، وہ کم و بیش ریسک کی خوشہ چینی ہے - دوسری اشاعت میں بھی قدیم انگریزی کے ضمن میں ریسک سے استفادہ کیا ہے - جسپرسن کی رائے میں مختلف زبانوں کی اصوات کی متوازیت اور مماثلت کے واضع قانون وضع کرنے کا سہرا ریسک کے سر ہونا چاھئے -

گرم کا قانون

گرم نے اپنی گرامر میں قدیم یونانی اور ''لو'' اور ھائی (Low and High) جرمن میں مصمتوں کی متوازیت اور مماثلت کا قانون پیش کیا ہے، جسے گرم کا قانون کہا جاتا ہے - یہ سوال اپنی جگہ خاصا اہم ہے کہ اس قانون کی حقیقی دریافت کا اعزاز کسی عالم لسانیات کو حاصل ہے ؟ انفرادی مصمتوں کی متوازیت کی واضع نشان دھی

گرم کے بہت سے پیش رو کر چکے تھے لیکن جو عالم لسانیات اس مکمل قانون کو دریافت کرتے کرتے رہ گیا، وہ سویڈن کا جرے۔ اھرے ھے - اس نے صوتی تبادل کی ترتیب اور تقابل کی بہت سی مثالیں پیش کی هیں - ریسک نے اپنے مضمون ''آئس لینڈی گرامر کا آغاز'' میں اھرے کے پیش کردہ تقابل کا اعادہ کر کے مثالوں کا اضافہ کر دیا ھے چونکہ گرم نے اپنی گرامر کی پہلی اشاعت کے دیباچے میں ریسک کے مضمون کا حوالہ دیا ھے، اس لئے یہ عین ممکن ھے کہ اس کے لئے یہ مضمون مزید تحقیق کا محرک ثابت ہوا ھو - لیکن انفرادی کلمات کے صوتی تبادل کی ترتیب و متوازیت اور گرم کی جامع تعمیم میں بڑا فرق ھے گرم نے اس تعمیم کا جو اطلاق ھائی جرمن زبان پر کیا ھے وہ یقیناً اس کا اپنا کار نامہ ھے - لیکن لسانیات کی تاریخ میں صوتی تبادل کی اس تعمیم کو ضرورت سے زیادہ اھمیت بھی نہیں دی جا سکتی - اگرچہ یہ تعمیم یا قانون صوتی تغیرات کی صحت مند توجیہ میں سد راہ ثابت ہوا ھے، تاھم اس کی تشکیل میں جو کلیت اور تناسب نظر آتے ھیں، ان کی وجہ سے اسے ایک عظیم کارنامہ سمجھا جاتا ھے۔

گرم کی شہرت اور عظمت کا دار و مدار اسی قانون پر ھے - سب سے پہلے انگلستان میں میکس ملر نے اسے ''گرم کا قانون'' کہا اور اس کے بعد یہ قانون اسی نام سے مشہور ہوگیا۔ جسپرسن کی رائے میں اسے ''ریسک کا قانون'' کہنا زیادہ مناسب ھے کیوں کہ ریسک لاطینی اور جرمن مصمتوں کی متوازیت کی نشاندھی اس طرح کر چکا تھا !

لاطینی	p	t	k
جرمن	f	th	h

گرم صوتی تبادل سے متعلق کچھ جاننے سے پہلے، ریسک کے اس اجتہاد سے واقف ھو چکا تھا ۔ حقیقت یہ ھے کہ ریسک نے اصوات کی متوازیت کے ثبوت کے لئے مثالوں کا اچھا انتخاب پیش کر کے

محض بیان نفس الامر پر اکتفا کیا ھے ـ اس نے جس انداز سے مخصوص متبادل اصوات کو ترتیب دیا ھے، اس سے یہ اندازہ ھوتا ھے کہ اس نے اصوات کی متوازیت اور مماثلت کو اچھی طرح محسوس کر لیا تھا ـ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے ان باتوں کو کسی قانون کے ماتحت پیش کرنے یا ان کی تعمیم سے کوئی قانون وضع کرنے کی کوشش نہ کی بلکہ صرف ان اصوات کے تغیرات کی توجیہ کردی ھے - گرم نے مثالوں میں خاصا اضافہ کر دیا ھے اور ایک قانون وضع کر کے اس کے ماتحت تبادل اصوات کی اس طرح تنظیم کر دی ھے کہ اس میں ھائی جرمن زبان کا ثانوی تبادل بھی شامل ھو گیا ھے ـ ریسک کے یہاں بھی اس ثانوی تبادل کا ذکر ملتا ھے، خواہ دوسرے پیرایے ھی میں سہی 1

اس قانون کے ضمن میں ایک اور عالم لسانیات کا تذکرہ ضروری ھے ـ وہ ھے بریڈس ڈورف جس نے گرم سے ایک سال پہلے ریسک سے استفادہ کر کے یہ فارمولا پیش کیا تھا :

یونانی	شدیدہ	رخوہ	ھائیہ
جرمانی خاندان السنہ	ھائیہ	شدیدہ	رخوہ

''گرم کا قانون'' اس طرح پیش کیا جا سکتا ھے !

یونانی	p, b, f	t, d, th	k g, ch
گاتک	f, p, b	th, t, d	h, k, g
ھائی جرمن	b (v), f, p	d, z, t	g, ch, k

اسے فارمولے کی یہ شکل دی جا سکتی ھے :

یونانی	ش	ر	ہ
گاتھک	ہ	ش	ر

۱ ـ جسپرسن

ھائی جرمن　　ر　　ہ　　ش

(ش=شدیدہ، ر=رخوہ، ہ=ھائیہ)

گرم کا یہ فارمولا درست نہیں سمجھا جاسکتا کیوں کہ ھائی جرمن میں یونانی p اور گاتھک f کے متوازی مماثل ''رخوہ'' نہیں ھے۔ ھائی جرمن میں گاتھک کی طرح یونانی k کے متوازی و مماثل h ھے۔ جہاں کہیں میں یونانی k کے متوازی اور مماثل g ھے، گاتھک میں بھی g ھے h نہیں۔ اس کی توجیہ گرم نے نہیں بلکہ بہت دنوں بعد ورنر نے کی۔ گرم کی کی ہوئی تعمیم اسی وقت معقول اور حقیقتاً قانون قرار پا سکتی ھے، جب ''ھائیہ'' کا مفہوم اتنا وسیع سمجھ لیا جائے کہ صوتی اعتبار سے اس اصطلاح کی علمی حیثیت ھی نہ رھے یعنی وہ مخلوط بہ ھا یا وقفیہ + ہ، وقفیہ + جھدی pf یا ts (جسے z لکھا جاتا ھے)، غیر مصیت جھدی f یا s، مصیت جھدی v' th' اور ''h'' وغیرہ سب پر محیط ھو۔

گرم زبان اور اس کے مسائل میں ھر جگہ تثلیث کا کرشمہ دیکھتا ھے۔ تین کا عدد اسے اتنا عزیز ھے کہ وہ اصوات کی گروہ بندی اور گرامر کی شقوں میں سہ گانگی کی نشان دھی کرتا ھے۔ اس کے نزدیک مصمتوں کے تین گروہ ھیں — لبی، دندانی، حلقی — ان کی ذیلی سہ گانہ تقسیم—شدیدہ، رخوہ، ھائیہ — کے تاریخی اعتبار سے تین مدارج ھیں۔ ابتدائی مصوتے بھی تین ھیں a, i, u' ان کی تنزیلیں بھی تین ھیں۔ اعداد بھی تین (واحد، تثنیہ، اور جمع) اور جنس بھی تین (مذکر، مونث، مشترک) ھیں۔ زمانے تین ھیں تو فعلی حالتیں بھی تین ھی ھیں (معروف، مجہول اور معتدل)۔

گرم کے قول کے مطابق جب زبان نے ارتقا کی طرف پہلا قدم اٹھایا اور اپنی آوازوں کی عضویاتی اساس کی پابندیوں سے آزاد ھوئی تو اس کے لئے ارتقا کی دوسری منزل سے گزرنا اور تیسری منزل پر پہنچنا

نا گزیر تھا ۔ تیسری منزل پر پہنچ کر وہ ارتقا کی آخری منزل پر آ گئی ۔ بہت سی آوازیں اپنے مخارج سے ہٹتی گئیں ۔ ان کی ترتیب بھی بدلتی گئی لیکن تغیرو تبدل کے با وجود اس اعتبار سے صوتی قانون کے دائرے ھی میں رھیں، کہ اس قانون کا اطلاق ان پر ھو سکتا ھے ۔ یہ صوتی تبادل ایک طرح کی صوتی تخریب ھے ۔ قرون وسطیٰ کے آغاز میں جرمن آزادی کی جد و جہد میں مصروف تھے، ۔ ابتلا اور سخت کوشی نے ان کے مزاج میں خشونت پیدا کر دی، جس کا ایک نتیجہ 1 صوتی تخریب بھی ھے ۔

جسپر سن تاریخ لسانیات میں گرم کی اھمیت تو تسلیم کرتا ھے لیکن وہ اسے ماھر صوتیات نہیں سمجھتا ۔ وہ گرم کی صوتیاتی لغزشوں پر تبصرہ کرتے ھوئے رقم طراز ھے کہ ''بقول گرم جرمن لفظ ''Schrift'' بولتے وقت آٹھ آوازیں ادا کی جاتی ھیں، گو اسے سات علامات تحریر یا حروف میں لکھا جاتا ھے، ''f'' در اصل ph کے لئے استعمال ھوتا ھے ۔ گویا گرم کے نزدیک Sch تین آوازوں پر مشتمل ھے s اور ھائیہ ch یعنی c + h گرم کی یہ توجیہ قابل قبول نہیں ھے۔

گرم کی لغزشوں کے باوجود اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تاریخ اصوات پر اس کا گہرا اثر پڑا ھے ۔ اس نے اپنی گرامر اور ''نظریہ حروف،' میں صوتی تبادل کے ضمن میں کلمات کی معتد بہ فہرست دی ھے، جس کی وجہ سے علماء لسانیات کو اس بات کا اندازہ ھوا کہ لسانی ارتقاء کے شعبہء صوتیات میں بڑی با ضابطگی ھے ۔ اگر چہ گرم کے قانون کا تعلق مصمتوں ھی کے تبادل سے ھے، پھر بھی وہ اسے جامع و مانع سمجھتا ھے ۔ اس کا خیال ھے کہ اس قانون سے بے ضابطہ اشتقاقیات کا سد باب ھو سکتا ھے ۔ مصمتوں کے تبادل نے قانون کی

---

۱ ۔ گرم بحوالہ جسپرسن

حیثیت اس لئے بھی اختیار کرلی کہ اس کی بدولت بہت سے معروف کلمات سے متعلق انکشافات ہوئے، اور بالکل انوکھے طریقے پر بہت سی یوروپی زبانوں کے کلمات یونانی و لاطینی کلمات سے مستلزم قرار پائے 1

گرم نے بہت سی ایسی اصطلاحیں گھڑی ہیں، جو آج بھی ''لسانیات'' میں مستعمل ہیں - ablaut (اشتقاق میں مصوتوں کی تبدیلی) umlaut قوی وضیعف تنزیلیں اور گردان - یہ سب اصطلاحیں پہلی بار گرم ہی نے استعمال کی ہیں ــ

گرم نے اپنی گرامر کی بقیہ تین جلدوں میں مشتقات، مرکبات، انشا اور نحو سے سیر حاصل بحث کی ہے - چوتھی جلد جو کلیتہً نحو سے متعلق ہے، ناتمام رہ گئی ــ گرم نے گرامر کی تیسری اشاعت کا بھی ارادہ کیا تھا لیکن اس کا صرف ایک حصہ جو مصوتوں سے متعلق ہے ۱۸۴۰ء میں منظرعام پر آسکا - ''جرمن گرامر'' جزئیات کی تفصیل، انداز بحث اور جامعیت کے اعتبار سے واقعی بے مثال ہے ــ بعض زبانوں کے مشتقات اور ان کے ہر اصول، ہر حرف بلکہ ہر رکن کی خاصی مثالیں فراہم کر دی گئی ہیں - سچ پوچھئے تو بعد کے محققوں کے لئے یہ کتاب ایک نمونہ ثابت ہوئی - ڈیز اپنی مشہور تصنیف ،، رومانوی زبانوں کی گرامر ،، میں کم و بیش گرم کی پیروی کرتا ہے ــ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہند یوروپی زبانوں کے مطالعہ پر گرم کے انداز بحث اور طرز فکر کا گہرا اثر مترتب ہوا

عام طور پر جیکب گرم کو بھی تقابلی لسانیات کے بانیوں میں شمار کیا جاتا ہے لیکن وہ خود کو تقابلی لسانیات کا نہیں بلکہ تاریخی لسانیات کا بانی سمجھتا ہے ــ اس کی تصنیف ،، جرمن گرامر ،، جسے جرمانی بلکہ گاتھک گرامر کہنا زیادہ صحیح ہے، تقابلی لسانیات

---

۱ ـــ جسپرسن

کی تاریخ میں نظر انداز نہیں کی جا سکتی - اس کتاب میں چند ہم رشتہ زبانوں اور ایک ہی زبان کی مختلف منزلوں کا تقابل کیا گیا ہے ، اس لئے اسے تقابلی لسانیات میں اہمیت دی جاسکتی ہے ـ گرم کے یہاں ریسک اور بوپ کے مقابلے پر دائرہ تقابل کچھ محدود ہے ـ ہند یوروپی تقابلی لسانیات میں جرمانی گروہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے اس لئے کہ یہ گروہ قدیم ، ہند یوروپی سے بہت قریب ہے ، اس کے شواہد خاصے اہم ہیں اور ہند یوروپی خاندان السنہ سے متعلق مجموعی تاثر پیدا کرنے میں اس گروہ کا اچھا خاصا عمل دخل ہے - اس میں شک نہیں کہ ریسک نے جرمانی گروہ کی طرف گرم سے پہلے بحث کی تھی لیکن اس نے قدیم آئس لینڈی پر زیادہ توجہ دی تھی لیکن صرف ایک نمائندہ زبان پورے گروہ کے مزاج اور خصوصیات کو اچھی طرح سمجھنے میں مدد نہیں دے سکتی ـ گرم کو ریسک پر یہ ترجیح حاصل ہے کہ اس نے جرمانی گروہ کی بہت سی زبانوں کا تقابل پیش کیا ہے اور اس طرح اس گروہ کی خصوصیات سے متعلق زیادہ مواد فراہم کر دیا ہے ریسک نے اس گروہ کی مختلف زبانوں کا صحیح رشتہ تو بتا دیا تھا لیکن ان زبانوں کا تفصیلی تقابل نہ کیا تھا ـ اس کے بر عکس گرم تفصیلی تقابل پر زیادہ توجہ دیتا ہے - بعض لوگوں کا خیال ہے کہ گرم کو ان علماء لسانیات میں شمار کیا جا سکتا ہے ، جنھوں نے تقابلی لسانیات کو علمی سطح پر پہنچایا -

گرم کے دو مضامین بھی توجہ طلب ہیں ـ ان میں سے ایک جرمن زبان کی فضیلت سے متعلق ہے ، جو ۱۸۴۷ء میں شائع ہوا - گرم نے اس مضمون میں جرمن زبان کا تنقیدی جائزہ لیا ہے - جس طرح اردو میں صیغہ واحد غائب کے لئے تعظیماً صیغہ جمع استعمال کیا جا تا ہے ، اسی طرح جرمن میں بادشاہوں کے لئے واحد غائب کے لئے تعظیم کے طور پر جمع کا صیغہ رائج رہا ہے ـ گرم نے اس پر اعتراض کیا ہے- اس نے

مجہول ، ماضی اور مستقبل کے امدادی فعل کے بھدے پن اور زبان کی لفظی ترتیب پر بھی نکتہ چینی کی ہے - اس نے جرمن زبان کی قدیم شکلوں کو اپنے دور کی زبان پر ترجیح ضرور دی ہے ، لیکن وہ ایسے اصول پیش نہیں کرتا جن کو ملحوظ رکھ کر مختلف زبانوں کی قدر و قیمت کا تقابل کیا جا سکے - گرم کا دوسرا مضمون آغاز زبان سے متعلق ہے ، جو ۱۸۵۱ء میں منظر عام پر آیا ـ فلسفہ لسان سے متعلق گرم کے تمام خیالات اس مضمون میں مل جاتے ہیں ـ اس مضمون میں گرم کی انشا پردازی کے جوہر بھی کھلتے ہیں - لیکن یہی انشا پردازی اس مضمون کا سب سے بڑا عیب بھی ہے ـ کسی علمی موضوع کی پیش کش کے لئے پر تکلف اور شاعرانہ اسلوب کسی طرح بھی موزوں نہیں ہو سکتا - گرم آغاز زبان سے متعلق عام عقیدے کی تردید کرتے ہوئے رقم طراز ہے کہ :-

"زبان تخلیق ربانی نہیں اور نہ ہی خدا نے انسان کو تخلیق کر کے اس پر زبان کا انکشاف کیا - زبان کی خامیاں اور اس کے تغیرات اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ زبان تخلیق ربانی نہیں ہو سکتی بلکہ بتدریج نمو پاتی ہے ـ وہ انسان ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے اور پرندوں کے چہچہوں اور عام مخلوقات کی فطری آوازوں سے بے تعلق ـ مرد اور عورت بالغوں کی حیثیت سے تخلیق کئے گئے اور ان کے ایک سے زیادہ جوڑے پیدا کئے گئے ہوں گے کیوں کہ اگر بالکل ابتدا میں ایک ہی جوڑا تخلیق کیا گیا ہوتا تو یہ عین ممکن تھا کہ ان سے صرف اولاد نرینہ ہی پیدا ہوتی ، یا صرف لڑکیوں کے پیدا ہونے کا بھی امکان تھا ـ اس صورت میں افزائش نسل کیوں کر ممکن ہوتی - بالفرض ایک جوڑے کی اولاد دونوں جنسوں پر مشتمل بھی ہوتی تو بھائی بہن کے ازواج کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا -"

انسانوں کے ایک سے زیادہ جوڑوں کے تخلیق سے متعلق گرم نے جو استدلال پیش کیا ہے، اس سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا - چوں کہ اس کا تعلق 'ولسانیات'' سے نہیں ہے اس لئے ہم اسے نظر انداز کر سکتے ہیں- گرم یہ نہیں بتلاتا کہ اولین انسانوں نے بات چیت اور افہام و تفہیم کس طرح شروع کی ہو گی - وہ انسان کو الفاظ کا موجد بھی قرار دیتا ہے اور بعض اصوات مثلاً ''ل'' اور ''ر'' کی رمزیت بھی ظاہر کرتا ہے- اس کے نزدیک بالکل ابتدا میں زبان تین مصوتوں a، i اور u اور معدودے چند مصمتوں پر مشتمل تھی - ہر لفظ یک جزا یا یک رکنی ہوتا تھا اور مجرد تصورات کا فقدان تھا تمام قدیم زبانوں میں تذکیر و تانیث کے اختتامیے اس بات کا ثبوت ہیں کہ زبان کی تشکیل میں عورتوں کا خصوصی حصہ ہے - جنس کی تمیز کی وجہ سے زبان میں قطعیت اور صفائی پیدا ہوتی گئی - شخص، زمانہ اور طورفعل ظاہر کرنے والے اختتامیے ضمائر اور امدادی و تعمیری الفاظ میں بتدریج جوڑ دئیے گئے جو بعد میں ان الفاظ میں مدغم ہو کر رہ گئے ــ ماضی کے اظہار کے لئے صوتی تکرار سے کام لیا گیا بعض صورتوں میں صوتی اکائیوں یا رکنوں کے اعادے نے ان آوازوں کو ایک دوسرے میں مدغم بھی کر دیا - تمام اسماء افعال سے مستلزم ہیں ــ افعال کی مادی تعبیروں کے اطلاق سے اسم وجود میں لائے گئے ــ گرم زبان کی تین منزلیں بتلاتا ہے ، اس کی یہ رائے ہے کہ ان میں سے آخری دو منزلیں تاریخی دستاویزوں کے ذریعے ہمیں معلوم ہو سکی ہیں ــ زبان کے پہلے دور کا تعلق مادوں اور تعمیری الفاظ کی تشکیل اور ارتقا سے ہے ــ اس کے دوسرے دور میں اشتقاق و تصریف کا عروج نظر آتا ہے ــ ابتدائی دور میں زبان خوش آہنگ تھی لیکن اس میں بے ترتیبی اور بے ربطی تھی ــ دوسرے دور میں اس میں زیادہ سے زیادہ شاعرانہ صلاحیتیں پیدا ہوئیں، ہمارے زمانے میں اس میں زور اور اثر تو یقیناً بڑھ گیا لیکن اس کا حسن زوال پذیر ہوگیا - قدیم

ترین زبانوں میں مادی اور روحانی امور کی وضاحت کرنے کی پوری پوری صلاحیت تھی لیکن ارتقاء کے بعد ان کے اندرونی اشتقاق کی صلاحیت ختم ہوگئی اور اس کمی کو تھوڑا بہت پورا کرنے کے لئے امدادی الفاظ کا سہارا ڈھونڈا گیا ۔ گویا گرم کے نزدیک انسانی زبان کی تاریخ یہ ثابت کرتی ہے کہ زبان زوال پذیر ہے ۔ یہ خیال دوسرے بہت سے علمائے لسانیات نے بھی ظاہر کیا ہے ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ گرم کی رائے میں اشتقاق اور تصریف کی جگہ جو سابقے اور لاحقے استعمال ہوئے ہیں، وہ زبان میں اچھی خاصی صلاحیت پیدا کر دیتے ہیں ۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ انسانی زبان بہ ظاہر زوال پذیر ہے لیکن بعض اعتبار سے وہ مجموعی طور پر ترقی کر رہی ہے، اور اس کی صلاحیت اور اس کا زور مسلسل بڑھ رہا ہے ۔ گرم کے ان خیالات میں جو تناقض ہے، اسے نظر انداز کرنا ممکن نہیں ۔

ولہم فان ہمبولٹ

انیسویں صدی کا یہ دور تقابلی لسانیات کا دور کہلاتا ہے، اور ریسک، بوپ اور گرم تقابلی لسانیات کے بانی اور قدما قرار دئیے جاتے ہیں ۔ ان کے ہم عصروں میں بہت سے ایسے علماء نظر آتے ہیں، جنہوں نے مطالعہ ٔ لسان اور تقابلی لسانیات کی طرف خاصی توجہ مبذول کی ہے ۔ ان علمائ میں ولہم فان ہمبولٹ کو امتیازی حیثیت حاصل ہے ۔ ہمبولٹ نے متعدد زبانوں، علم ثقافت اور نسلیات کا اچھا خاصا مطالعہ کیا تھا ۔ وہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ زبان ایک مسلسل عمل ہے، کوئی بنی بنائی چیز نہیں، اس لئے اس کی تعریف نسبی طور پر ہی کی جا سکتی ہے ۔ زبان سے متعلق اس کے افکار و خیالات کو مختصراً یوں پیش کیا جا سکتا ہے ۔

> ”انسانی ذہن، افکار و خیالات کے اظہار کے لئے نطق کو استعمال میں لاتا ہے اور اس استعمال کا نتیجہ ”زبان“ ہے ۔ عام طور

پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ الفاظ اور ان کے کچھ قاعدے زبان کی تشکیل کرتے ہیں لیکن ان الفاظ اور ان قاعدوں کا وجود مسلسل نطق کے عمل پر منحصر ہے - زبان کو الفاظ اور قاعدوں میں تقسیم کرنا علمی تجزئیے کے بے ڈھنگے استعمال کا نتیجہ ہے - زبان کی ہر چیز حرکی ہے - اس کا کوئی مستقر نہیں ہوتا ، حتیٰ کہ تحریر میں بھی نہیں - ذہن میں اس کے مردہ حصوں کی تجدید ہوتی رہتی ہے - زبان اپنے وجود کے لئے نطق اورتفہیم کی محتاج ہے - کسی زبان کی مذمت نہیں کی جا سکتی، خواہ وہ کتنے ہی وحشی قبیلے کی ہو ، کیوں کہ ہر زبان انسان کے ابتدائی لسانی رجحان کا تھوڑا بہت عکس ضرور ہوتی ہے - زبان ہو یا بولی، اسے ایک عضویاتی کل کی حیثیت سے دیکھنا چاہیئے . اس کی اس حیثیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے بولنے والوں کی انفرادیت کی ترجمان ہوتی ہے - چونکہ ہر زبان اپنے بولنے والوں کے قومی کردار کا اشاریہ ہوتی ہے ، اس لئے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اس کے اچھے خاصے حصے کا ماخذ ان تصورات کی رمزیہ نمائندگی میں مضمر ہوتا ہے ، جن کے وہ ترجمان ہیں - اصوات اور تصورات میں ایک طرح کا فطری تعلق ہوتا ہے ، اس لئے بالکل متغائر زبانوں میں بھی ملتے جلتے خیالات کے لئے یکساں اصوات استعمال کئے جاتے ہیں - زبان، شروع شروع میں اشیاء کی نشاندھی کرتی ہے اور ان کے درمیان تعلق کا اندازہ لگانا سامع پر چھوڑ دیتی ہے بتدریج الفاظ کی ترتیب متعین ہو جاتی ہے، - ان میں سے کچھ اپنے استعمال اور کبھی کبھی اپنی صوت کو بھی کھو دیتے ہیں یا بدل دیتے ہیں - زبان کے دوسرے دور میں گرامر کے رشتے ابھرتے اور تشکیل پانا شروع ہوتے ہیں،ان میں رد و بدل ہوتا رہتا ہے - ان رشتوں کا اظہار الفاظ کی ترتیب کے ذریعے ہوتا ہے یاان الفاظ کے ذریعے ہوتا ہے جو مادی اشیاء اور رسمی نشان دھی کے نمائندے ہوتے ہیں - یہ الفاظ آھستہ آھستہ آپس میں جڑ بھی جاتے ہیں ، لیکن ان کے جوڑ ایسے ڈھیلے ہوتے ہیں کہ انہیں محسوس کیا

جا سکتا ہے - نتیجۃً اصوات کا ایک مجموعہ تو ہو جاتا ہے لیکن کوئی صوتی اکائی نہیں بنتی - تیسرے دور میں گرامر کی ہئیتوں سے مشابہہ صورتیں نمو پاتی ہیں اور مکمل لفظ سے ملتی جلتی شکلیں وجود میں آنے لگتی ہیں ـ چوتھے دور میں مکمل الفاظ وجود میں آ جاتے ہیں اور ان کے اشتقاق و تصریف کے ذریعے گرامر کے رشتے تشکیل و ترمیم پا کر متعین ہوتے رہتے ہیں ـ ہر لفظ گفتگو یا کلام کا مخصوص اور معتینہ حصہ ہوجاتا ہے اور تعمیری الفاظ محض مادی اشیاء کے اشارئیے نہیں رہ جاتے بلکہ لفظوں کے باہمی رشتوں کی علامت بن جاتے ہیں،، [1]

گویا ھمبولٹ کے نزدیک بھی اتصال یا تالیف کے بعد اشتقاق یا تصریف کی منزل آتی ہے ـ وہ ان دونوں منزلوں کے درمیان تدریجی ارتقا کا قائل نہیں ہے ـ اس کا خیال ہے کہ تالیف کے بعد تصریف کی منزل کا آنا ایسا ہی ہے جیسے کسی محلول کا اچانک رووں میں تبدیل ہو جانا ـ اس نے زبانوں کی گروہ بندی صوری طور پر کی ہے - اس سلسلے میں وہ ’’تالیف‘‘ اور ’’تصریف‘‘ کے ساتھ ساتھ ایک نئی اصطلاح ’’انضمام‘‘ استعمال کرتا ہے اور بہت سی امریکی زبانوں میں اس کی نشان دہی کرتا ہے ـ وہ تقسیم السنہ کے ضمن میں رقم طراز ہے کہ چینی زبان میں گرامر کی کوئی ہیئت نہیں - اس کے سوا دنیا کی جتنی زبانیں ہیں، ان کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں ـ

۱ـ اشتقاقی یا تصریفی

۲ـ اتصالی یا تالیفی

۳ـ انضمامی

لیکن کوئی زبان کلی طور پر تالیفی یا تصریفی نہیں ہو سکتی، کیونکہ تالیف اور تصریف میں عموماً خلط ملط ہوتا ہے ـ زبان کے

۱ـ جسپرسن

ارتقا میں تصریف کو بڑی اهمیت حاصل هوتی ہے - اسی کی بدولت لفظ کو استحکام هوتا ہے اور اسی کے ذریعے جملے کے اجزا خیالات کے اختلاط کے لحاظ میں تقسیم هوتے هیں ـ اس طرح تصریف لسانیاتی ساخت کے صحیح اصول کی نمائندگی کرتی ہے ـ تصریف کا مندرجه بالا طریقه کسی زبان میں بھی مکمل اور مستقل حیثیت میں نظر نہیں آتا ـ سامی زبانوں میں تصریف کی اصلی صورت ملتی ہے، لیکن اس کی پیروی زبان کے تمام اجزاء میں نہیں هوتی ـ سنسکرتی (هند یوروپی ؟) زبانوں میں هر لفظ کی مکمل اکائی، تصریف میں تالیف کا شائبه پیدا نہیں هونے دیتی زبان کے تمام اجزا تصریف کے دائره عمل میں رهتے هیں ـ زبان کے انضمامی حالت میں اصوات میں جو جوڑ هوتے هیں، وه اتنے ڈھیلے هوتے هیں که لفظ صحیح طور پر اکائی کی حیثیت اختیار نہیں کرتا - اس کے مقابلے پر تصریف میں ایک ایسا اصول نظر آتا ہے جو صحیح لسانیاتی ادراک کا نتیجه کہلا سکتا ہے - چینی اور سنسکرت زبانیں لسانیاتی ساخت کے دو قطبین هیں - ان میں سے هر ایک ایک خاص اصول کی مکمل طور پر پابند ہے - بقیه تمام زبانوں کو ان دونوں کے درمیان سمجھا جا سکتا ہے - تالیفی زبانوں میں کوئی بات مشترک نہیں هوتی، بس یه کہا جا سکتا ہے که وه نه انفرادی هوتی هیں اور نه تصریفی السنه عالم کی اس صوریاتی تقسیم کے با وجود یه تسلیم کرنا پڑتا ہے که انسانی زبانوں کی ساخت کے تنوع اور مغائرت کی وجه سے ان کی قطعی اور حتمی گروه بندی ممکن نہیں [1]

همبولٹ زبان اور اس کے ارتقاء کے ضمن میں رقم طراز ہے که زبان اپنے بولنے والوں کی ذهنی استعداد کے تغیرات کے زیر اثر مسلسل ارتقاپذیر رهتی ہےاس کے دو مخصوص ارتقائی دور هوتے هیں - ایک وه جس

۱ـ جسپرسن

نطق کا تخلیقی جذبہ نشو و نما پا رہا ہوتا اور سر گرم عمل رہتا ہے - دوسرا وہ جس میں اس جذبے میں جمود اور اس کے بعد انحطاطی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے ـ لیکن اس انحطاطی کیفیت میں بھی ایک زبان میں زندگی کے نئے اصول اور عمدہ تغیرات پیدا ہو سکتے ہیں ـ جب زبان کی ہیئت تشکیل پا رہی ہوتی ہے تو اس کے بولنے والے غرض و غایت کے مقابلے پر زبان کا زیادہ خیال رکھتے ہیں ـ گویا مقصد کو نہیں بلکہ ذریعے کو مقدم سمجھا جاتا ہے ـ افکار و خیالات کے اظہار کی کوشش زبان کی تخلیقی صلاحیت کی ممد و معاون ہوتی ہے ـ دوسرے دور میں زبان تصریفی رشتوں سے پیچھا چھڑاتی ہوئی بھی نظر آتی ہے ـ لیکن جو زبانیں نسبتاً بھونڈی ہوتی ہیں، ان میں ایسا کم ہوتا ہے ـ جب انسانی ذہن زیادہ سرگرم عمل رہتا ہے تو زبان میں انقلابی تغیرات کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں اس لئے کہ ایسی حالت میں اصوات کے تغیر و تبدل کا ملحوظ رکھنا، تضیع اوقات سے کم نہیں سمجھا جاتا ـ آهنگ کی دل کشی کا ادراک نہ کر سکنے کی وجہ سے بھی زبان میں انقلابی تبدیلیاں ہو سکتی ہیں ـ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب انسان جذباتی و احتساسی منزل سے تعقل کی طرف بڑھتا ہے تو اس کا یہ ذہنی سفر لسانی تغیرات کا موجب ہوتا ہے ـ اگر آلات نطق میں بھدا پن اور سماعت میں کچھ خامی ہو تو قائل اور سامع دونوں سے غلطیاں ہو سکتی ہیں اور زبان کے آهنگ کے اصول نظر انداز ہو جاتے ہیں ـ ایسی صورت میں کار برآری اور حاجت روائی کا عملی نقطہ نظر تخفیف، تسہیل، حذف و سقوط کا باعث ہوتا ہے ـ ایسے موقعوں پر جہاں بعض اصوات کی کمی سے ابلاغ میں کوئی فرق نہیں پڑتا، تخفیف اور حذف کا امکان زیادہ ہوتا ہے - زبان کے پہلے دور میں اس کے عناصر یہ غمازی کرتے ہیں کہ ان کا ماخذ انسان کے شعورمیں مضمر ہیں - اس دورمیں ذہنی سرگرمیوں کے لسانی وسائل کو فروغ دینے میں

ایک طرح کا جمالیاتی حظ ملتا ہے لیکن دوسرے دور میں زبان، زندگی کی ضرورتوں اور تقاضوں کو پورا کرنے ہی کا فرض ادا کرتی ہے -

آگسٹ فریڈرک پاٹ (August Pott)

ہندیوروپی لسانیات میں صوتیات کی بڑھتی ہوئی اہمیت کا ایک نمائندہ آگسٹ فریڈ رک پاٹ بھی ہے - پاٹ کا لسانیاتی کارنامہ ,, ہند جرمانی اشتقاقیات '' (۱۸۳۳ — ۱۸۳۶ ء) دراصل ہند یوروپی تقابلی گرامر ہے جس میں صوتیات پر زیادہ زوردیا گیا ہے - گرم کے یہاں صوتیات کا تعلق صرف جرمانی زبانوں سے تھا، پاٹ کے یہاں اس کا دائرہ وسیع تر ہے اور ہندیوروپی خاندان السنہ پر محیط ہے - پاٹ نے ہند یوروپی کو ہند جرمانی کے نام سے موسوم کیا ہے - اس کی یہ تصنیف صوتیات، مشتقات، اور تصریف کے علاوہ اشتقاقی فرہنگ پر مشتمل ہے - فرہنگ میں تین سو پچھتر ایسے مادے پیش کئے گئے ہیں - جو سنسکرت اور دوسری معروف ہند یوروپی زبانوں میں مشترک ہیں - یہ تمام مادے، افعال ہیں - پہلی اور دوسری جلد کے سرورق پرھی ایسے اقوال کا اندراج ہے جن سے صوتیات کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے - کتاب کی تمہید ہی سے یہ اندازہ ہوجاتاہے - کہ پاٹ تغیراصوات پر گہری نظر رکھتا ہے اس کا خیال ہے کہ اصوات کی مشابہت تقریباً مکمل ہونے کے باوجود اتفاقی ہوسکتی ہے اس کے برعکس یہ بھی ممکن ہے کہ اصوات میں کوئی مماثلت نظر نہ آتی ہو پھر بھی معینہ قوانین اور حروف کی اشتقاقی متوازیت کی رو سے مماثلت عین ممکن ہو - پہلی صورت کی مثال میں انگریزی bad اور فارسی ,,بد،، کو پیش کیا جا سکتا ہے ان دونوں لفظوں میں بڑی مماثلت ہے ، معانی بھی یکساں ہیں لیکن ان میں باہمی رشتہ نہیں ڈھونڈا جا سکتا - دوسری صورت کی مثال فارسی ,,خواہر،، ، اوسٹیک ,,خو،، اور انگریزی Sister کے ذریعے دی جا سکتی ہے - پہلے دو لفظ، تیسرے سے کوئی مشابہت نہیں رکھتے پھر بھی ,,اشتقاقیات،، ان کی قرابت واضع کردیتی ہے

پاٹ قوانین اصوات کی تاریخی خصوصیت کو بہت ملحوظ رکھتا ہے اور اس بات پر بار بار زور دیتا ہے کہ اشتقاقیات کی یقینی اورسب سے اہم کلید صوتیات ہے لیکن وہ تاریخی صوتیات کے ضمن میں جو مواد پیش کرتا ہے اس میں سےبہت کم حصہ کارآمد نظرآتا ہے ۔ اس کے یہاں ہندیوروپی صوتی نظام کی جدید تشکیل کی کوئی کوشش دکھائی نہیں دیتی - وہ مصمتوں یا حروف صحیح کے جائزے کے سلسلے میں سنسکرت کو بنیادی اہمیت دیتا ہے اور ہندیوروپی زبانوں کے ان مادوں کو بالکل نظر انداز کر دیتا ہے ، جو سنسکرت میں نہیں ملتے - اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اس کے نزدیک سنسکرت ہی قدیم ترین ہندیوروپی زبان سے زیادہ قریب ہے پاٹ کی لغزشوں سے قطع نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ لسانی رشتوں کے مسائل پر تاریخی نقطہ نظر کے اطلاق کی اچھی صلاحیت رکھتا تھا [1]

ریسک سے لے کر پاٹ تک ، ہمیں تاریخ لسانیات میں صوتیاتی شعور کا ارتقا نظر آتا ہے - اگر تقابلی لسانیات کے ان ماہرین کی کوششوں کو ایک تحریک قرار دیا جا سکے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگلی نسل کے علمائ لسانیات نے اس تحریک کو آگے کی طرف بڑھایا ۔ ان عالموں میں کرٹی اس ، شلیخر اور فِک نمایاں نظر آتے ہیں ، جن کا تذکرہ ،تقابلی لسانیات کے دور اول میں ریسک، بوپ، گرم، پاٹ کے ساتھ ساتھ کیا جا سکتا ہے - دور اول کے ان عالموں میں سے کسی نے ہندیوروپی زبانوں کے صوتی قوانین میں استثنائی حالتوں کی صحیح توجیہ کر کے یہ نظریہ نہیں پیش کیا کہ یہ قوانین جامع و مانع ہیں اور ان میں استثنا کی کوئی گنجائش نہیں - تقابلی لسانیات سے ہٹ کر بعض ایسے علماء لسانیات نظر آتے ہیں، جنہیں تاریخی اعتبار سے شلیخر وغیرہ پر تقدم

۱- ''لسانیات،-انیسویں صدی میں''، پیڈرسن-ترجمہ از جان ویبسٹر اسپارگو ۲۶۴

حاصل ہے، اس لئے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کا جائزہ پہلے پیش کردیا جائے ۔ لیکن ان کے تذکرے سے پہلے بوپ وغیرہ کے دور رس اثر اور رد عمل کا ضمنی ذکر بھی ضروری ہے ۔

لسانیات میں علمی نقطہ نظر تقابلی لسانیات اور صوتیات کی بدولت پیدا ہوا اور لسانیات کے ان دونوں شعبوں کی داغ بیل ریسک کی تصانیف میں ملتی ہیں ۔ بوپ نے اول الذکر میں اور گرم نے موخر الذکر میں شہرت پائی ۔ جرمنی اور بعض دوسرے ملکوں کے لسانیاتی افکار و تحقیق پر بوپ اور گرم کا گہرا اثر پڑا اور بہت سے لسانی مسائل زیر بحث آنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ علماء لسانیات کے نقطۂ نظر میں یکسر تبدیلی آ گئی ۔ اس تبدیلی کی ایک وجہ ہند یوروپی خاندان السنہ کا مطالعہ بھی ہے، جس کی بنیادوں پر لسانیات کی عظیم الشان عمارت تعمیر ہونی شروع ہوئی ۔ جہاں تک اس خاندان کے ناموں کا تعلق ہے علماء کے یہاں بڑے اختلافات ملتے ہیں ریسک نے اسے ''یوروپی'' بھی کہا ہے اور ''سرمائی'' بھی آخر میں ''سامی'' اور ''حامی'' خاندانوں کے مقابلے پر جافی کے نام سے موسوم کیا ہے ۔ شروع شروع میں بوپ اسے کسی خاص نام سے یاد نہیں کرتا، بلکہ اس خاندان کا نام لینے کے بجائے اس کی اکثر زبانوں کے نام گنوا دیتا ہے ۔ بعد میں اس نے اسے ہند یوروپی نام سے موسوم کیا ہے ۔ یہ نام جرمنی میں نہیں البتہ انگلستان، فرانس اور اسکنڈی نیویا میں رائج ہو گیا ۔ ھمبولٹ نے بہت دنوں تک اسے سنسکرتی کہنے کے بعد ہند جرمانی نام اختیار کر لیا ۔ اور اس وقت سے جرمنی میں اسے اسی نام سے موسوم کیا جاتا ہے ۔ اگر چہ بوپ نے اس کی مخالفت کی اور یہ رائے ظاہر کی کہ ہند کلاسیکی نام زیادہ مناسب ہے اس کا نام ہند کیلٹک بھی تجویز کیا وھٹنے اور جسپرسن کی رائے میں اس کا نام آریائی زیادہ مناسب ہے ۔ لیکن انہیں دونوں نے یہ خدشہ ظاہر کیا ہے کہ لفظ آریائی ہند ایرانی تک محدود سمجھا جا سکتا ہے

کیونکہ ہندوستان و ایران ہی کے لوگ قدیم زمانے سے خود کو آریوں کی اولاد بتاتے رہے ہیں -

بوپ اور گرم سے پہلے لسانیات علم ثقافت کی طفیلی معلوم ہوتی تھی تقابلی اور تاریخی گرامر کی بدولت لسانیات میں جس طریق مطالعہ کا آغاز ہوا اس کے نتیجے میں لسانیات اور علم ثقافت کا فرق واضح ہوتا گیا اور لسانی حقائق کا بالکل نئے نقطۂ نظر سے مطالعہ کرنے اور زبان کے آغاز اور مآخذ کا کھوج لگانے کا ایک نیا رجحان پیدا ہوا - یہاں لسانیات اور علم ثقافت یا فیلولوجی سے متعلق چند باتوں کی طرف اشارہ کرنا بے محل نہ ہوگا - انگلستان مین فیلولوجی سے لسانیات بھی مراد لی جاتی ہے اور مطالعۂ ادب کا مفہوم بھی سمجھا جاتا ہے - لیکن فیلولوجی صرف علم ثقافت ہی کہلا سکتی ہے - علم ثقافت اور لسانیات دونوں کا واسطہ زبان سے پڑتا ہے - لیکن علم ثقافت میں زبان مقصد نہیں ذریعہ ہے اور لسانیات میں مقصود بالذات - علم ثقافت میں ادب اور ثقافت سے معلومات زبان کے ذریعے حاصل کی جاتی ہیں ، لسانیات کا مطمح نظر ادب اور ثقافت نہیں، وہ تو ان زبانوں کو بھی اہم قرار دیتی ہے جو ادبیات سے محروم ہیں لیکن جو زبان کی زندگی اور اس سے متعلقہ زبانوں کی ہئیتوں پر کچھ روشنی ڈال سکتی ہے - ریسک ، بوپ اور گرم جدید لسانیات کے بانی ضرور سمجھے جاتے ہیں لیکن یہ تینوں بنیادی طور پر ماہرین علم ثقافت ہی تھے - انہوں نے بالترتیب آئس لینڈی ، سنسکرت اورجرمن ادب اور ثقافت پر داد تحقیق دی — ان میں صحیح لسانیاتی رجحان بھی تھا، اسلئے وہ علم ثقافت سے تقابلی لسانیات اور صوتیات تک پہنچ گئے — اور اس طرح "لسانیات" نے علم ثقافت سے الگ ایک حیثیت پیدا کر لی اب ماہرین لسانیات میں یہ شعور پیدا ہو گیا کہ انہوں نے مطالعے کے نئے مناهج دریافت کرلئے ہیں اور ان کے مطالعہ کی غرض و غایت ماہرین علم ثقافت سے بالکل مختلف ہے — چونکہ انیسویں صدی میں تمام علوم کو دوشعبوں

ذھنی اور طبیعی میں تقسیم کرنے اور طبیعی علوم کو ترجیح دینے کا رجحان پیدا ہو چکا تھا ، اس لئے علمائے لسانیات نے لسانیات کو طبیعی علم قرار دینا شروع کر دیا ۔ **ریسک** مطالعہ زبان کو طبیعی تاریخ سے مشابہہ صناعانہ تحریر کی ضد بھی بتلاتا ہے ۔ **بوپ** ، **گرم** پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہے کہ زبانوں کو نامیاتی و عضویاتی طبیعی جسم سمجھنا چاہئے ۔ ان کی تشکیل مقررہ قوانین کے ماتحت ہوتی ہے، اور اس طرح ارتقا پذیر ہوتی ہیں، گویا ان میں زندگی کا کوئی اصول مضمر ہو ۔ **بوپ** نے اس ضمن میں استعارے کی زبان استعمال کی ہے اس لئے اس کے استعمال کئے ہوئے الفاظ کے لغوی معانی مراد لینا مناسب نہیں۔ **شلیخر** نے تو زبان کے مطالعہ کو ایک مستقل طبیعی سائنس قرار دیا ہے ۔

علم ثقافت اور لسانیات کی درمیانی خلیج کے بڑھنے کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ کلاسیکی علماء جنہیں علم ثقافت بہت عزیز تھا ، لسانیات پر کڑی نکتہ‌چینی کرنے لگے ۔ لسانیات میں سنسکرت کو بنیادی اہمیت دی جانے لگی تھی ۔ کلاسیکی علمائے نے اس پر بڑی ناک بھوں چڑھائی ۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں سنسکرت کا علم تھا نہ اس کی افادیت کا اندازہ ۔ جدید لسانیات نے یونانی اور لاطینی گرامر کی جو نئی تشکیل شروع کی تھی ، اور مسلمہ توجیہات سے ہٹ کر جو توجیہات پیش کی تھیں، وہ کلاسیکی علماء کو مطمئن نہ کر سکتی تھیں ۔ اسکے علاوہ تقابلی لسانیات میں نحو کو تقریباً نظرانداز کیا جاتا تھا، جو کلاسیکی علماء کے نزدیک گرامر کا اہم ترین حصہ ہے ۔ ان علماء کا یہ خیال بھی تھا کہ تقابلی لسانیات کے ماہرین جن زبانوں کا تقابل کر رہے تھے، ان سے متعلق ان کی معلومات جیتی جاگتی زبانوں کے مشاہدے پر نہیں بلکہ ان کی گرامر کے مطالعہ پر مبنی تھیں۔ ان اعتراضات کو یکسر نظرانداز نہیں کیا جا سکتا ۔ تقابلی لسانیات کے ماہرین نے جن بنیادوں پر دادتحقیق دی ہے ، ان میں تھوڑی بہت خامیاں بھی تھیں ۔ **پاٹ** کو یہ احساس

ضرور تھا کہ تقابلی لسانیات کے ساتھ ساتھ عام لسانیات کو بھی بطور ضمیمہ کے پیش کرنا چاہئے۔ تقابلی لسانیات کے ابتدائی عالموں سے ایک لغزش اور ہوئی ہے، وہ یہ کہ انہوں نے مردہ زبانوں ہی پر اپنی توجہ مرکوز کی ہے ـ اس میں شک نہیں کہ ان قدما کے لئے ہندیوروپی زبانوں کے باہمی رشتوں کی دریافت کے سلسلے میں ان کی قدیم تریں صورتوں کا تقابلی مطالعہ ناگزیر تھا ـ لیکن ان کی جدید صورتوں کو یکسر نظر انداز کر دینا مناسب نہ تھا - ان زبانوں کی قدیم تریں صورتوں کا علم دستاویزوں ہی کے ذریعے ہو سکتا ہے، شاید اسی لئے صوتیاتی مسائل میں آوازوں کے بجائے حروف سے بحث کی گئی ہے - ریسک کے سوا کسی عالم نے بول چال کی زبان اور اس کی اصوات پر توجہ نہیں دی تھی -اسی لئے یہ خیال عام ہو گیا تھا کہ تعلیم یافتہ طبقے کی زبان کے مقابلے پر عوامی بولیاں اپنے ماخذ سے زیادہ دور نہیں ہوتیں ـ لیکن امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ اس رائے کی صحت مشتبہ ہوتی گئی اور یہ ثابت کیا جانے لگا کہ عوامی بولیاں معیاری زبانوں کے مقابلے پر زیادہ ارتقائی منزلیں طے کرچکی ہیں، معیاری زبانیں اپنی مشہور روایتوں اور ادبی یادگاروں کے باوجود عوامی بولیوں سے پچھڑ جاتی ہیں، ان کے ارتقا کا دھارا رک جاتا ہے -

کے۔ایم۔راپ

زبانوں کی قدیم صورتوں کا تقابل، پرانی دستاویزوں ہی کی مدد سے ممکن تھا، اسی لئے تقابلی لسانیات کے ابتدائی دور میں اصوات کے بجائے حروف سے بحث کی جاتی تھی اور قدیم تحریروں اور کتبوں کی اہمیت جتلائی جاتی تھی ـ گرم نے عوامی بولیوں کے مطالعے کی ضرورت تو محسوس کی تھی لیکن اس پر زیادہ زور نہ دیا تھا - لیکن اس کے ایک ہم عصر کے۔ایم۔راپ نے بڑی شدومد سے ''اصوات'' کو حروف پر ترجیح دی اور اپنی تصنیف '' تاریخ لسان کی اساس۔ اصوات کی ماہئیت اور گروہ بندی کا عضویاتی جائزہ'' میں ایک نئے نقطۂ نظر کی وضاحت کی ـ

یہ تصنیف چار جلدوں پر مشتمل ہیں ، جو بالترتیب ۱۸۳۶ء، ۱۸۳۹ء، ۱۸۴۰ء اور ۱۸۴۱ء میں شائع ہوئیں ۔ اس نے یونانی، لاطینی اور گاتھک مخارج معلوم کرنے، قرون وسطیٰ میں ان اصوات کی حیثیتوں کا کھوج لگانے اور ''لو'' اور '' ھائی'' جرمن میں ان کی کیفیتوں کا جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی ھے ۔ وہ بچپن ھی سے لب و لہجہ، تلفظ، حرکات و سکنات کے فرق و امتیاز کو محسوس کرنے لگا تھا ۔ اس لئے تعلیم یافتہ طبقہ کی زبان اور عوامی بولیوں کا فرق اس پر واضح ھوتا چلا گیا - اس نے غیر ملکی زبانوں فرانسیسی، اطالوی اور انگریزی میں بھی خاصی دلچسپی لی ۔ ڈنمارک جاکر ریسک کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا ۔ واپسی پر گرم کا مطالعہ کیا ۔ اگرچہ وہ گرم کے نظریۂ حروف سے استفادے کا اعتراف کرتا ھے لیکن گرم سے جو صوتیاتی لغزشیں ھوئی ھیں ان کی طرف بھی اشارہ کرتا ھے ۔ اس کا خیال ھے کہ تاریخی دستاویزیں حقیقت کا صرف ایک رخ پیش کرتی ھیں ۔ اور وہ عوامی بولیاں جو معرض تحریر میں بھی نہیں آئیں دوسرا ۔ یہ دوسرا رخ بھی نہایت اہم ھے ۔ لیکن افسوس کہ یہ رخ تحقیق و تفتیش سے محروم رھا ھے راپ نے اپنی کتاب میں جو زبان استعمال کی اس میں بہت زیادہ خشونت تھی - اسی لئے جرمنی کے ماھر لسانیات نے اس پر بڑی لے دی کی ھے اور اس کی غلطیوں کو اچھالا ھے - اس میں شک نہیں کہ اس کتاب میں بےشمار لغزشیں ھیں - لیکن راپ کے صوتیاتی مشاھدے نظرانداز نہیں کئے جاسکتے - کتاب کی ایک بڑی خوبی یہ ھے کہ اس میں تحریر اور اصوات کے باھمی رشتے کی گرفت کا احساس ملتا ھے اسی لئے راپ نے صوتیات نگاری کے ذریعے کام لیا ھے ۔ راپ کا کمال یہ ھے کہ اس نے مردہ زبانوں کے صحیح مخارج پیش کرنے کے لئے بھی صوتیات نگاری کا سہارا لیا اور سچ تو یہ ھے کہ کسی زبان کے صوتی نظام کی صحیح تفہیم کے لئے یہی ایک موزوں طریقہ ھے جسے اب دور جدید میں اختیار کیا جا رھا ھے ۔ اگر گرم اور اس

کے دوسرے ہمعصروں نے راپ کے اس نقطۂ نظر کو قبول کر لیا ہوتا تو لسانیات زیادہ تیز رفتاری سے ترقی کی منزلیں طے کرتی ۔ لیکن افسوس کہ راپ کے لسانی نظریئے کو درخوراعتنانہ سمجھا گیا اور اس کی تصنیف معروف نہ ہو سکی ۔

جے ۔ ایچ ۔ بریس ڈورف

بوپ اور گرم نے زبان کے تغیرات اور ان کے محرکات پر غور نہ کیا تھا جے ۔ ایچ ۔ بریس ڈورف نے پہلی بار ان مباحث کی طرف توجہ دی ۔ بریس ڈورف بڑا اچھا ماہر صوتیات تھا ۔ لیکن اس نے زبان کے تغیرات کے سلسلے میں صوتی تغیرات ہی کا نہیں بلکہ دوسری لسانی تبدیلیوں کا بھی ذکر اپنے ایک کتابچہ میں کیا ہے ۔ یہ کتابچہ ۱۸۲۱ء میں شائع ہوا ۔ بریسڈورف نے تغیرات کی حسب ذیل وجوہات پیش کی ہیں ۔

(۱) سننے اور سمجھنے میں غلطی (۲) حافظہ کی غلطی (۳) آلات نطق کانقص (۴) کاہلی جسکی وجہ سے تلفظ کے نوے فیصدی تغیرات ہوتے ہیں (۵) مماثلت کی طرف رجحان (۶) وضاحت کی خواہش (۷) نئے خیالات کے اظہار کی ضرورت ۔

بریس ڈورف کے نزدیک کچھ ایسے بھی تغیرات ہو سکتے ہیں جو مندرجہ بالا اسباب کا نتیجہ نہ ہوں اس نے دوسری زبانوں کے اثرات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے ۔ اگرچہ بریس ڈورف کا یہ رسالہ نہایت مختصر ہے تاہم اپنی نوعیت کے اعتبار سے بڑا اہم سمجھا جاسکتا ہے ۔ اس لئے کہ بریس ڈورف لسانی تغیرات کو انسانی عمل خصوصاً اسکی نفسیاتی کیفیات کے پیش نظر دیکھتا ہے ۔ اس اعتبار سے وہ اپنے ہمعصروں میں ممتاز نظرآتا ہے ۔

جارج کرٹی اس

صوتی تغیرات کے ضمن میں کرٹی اس کا تذکرہ بھی ضروری معلوم

ھوتا ھے - کرٹی اس صوتی تغیرات کی دو نوعیتیں بتاتا ھے - (۱) باقاعدہ (۲) بے قاعدہ یا اتفاقی اسی لئے وہ قوانین اصوات کی مکمل پابندی کا قائل نہیں -

کرٹی اس پراگ یونی ورسٹی میں شلیخر کا رفیق کار تھا - اس نے یونی ورسٹی استادکی حیثیت سے تقابلی لسانیات کے مستنبط نتائج کو فروغ دینے کی خدمات سر انجام دیں اور اپنے لسانیاتی کارناموں سے جدید لسانیات میں اچھا اضافہ کیا - اسے یونانی پر پورا عبور حاصل تھا - اس کی بعض تصانیف کی بدولت، یونانی افعال اور اشتقاقیات سے متعلق مروجہ غلط فہمیوں کا ازالہ ھوا - تقابلی لسانیات کے دور اول کی ابتدا ھی سے علم ثقافت کے کلاسیکی علماء اور ھند یوروپی لسانیات کے ماھرین کے درمیان ایک خلیج پیدا ھو گئی تھی - جن لوگوں نے اس خلیج کو پاٹنے کی کوششیں کیں، ان میں کرٹی اس نمایاں نظر آتا ھے - گرم کے بنیادی مصوتوں a، i اور u کا نظریہ ان دنوں بڑا مقبول تھا - کرٹی اس نے پہلی بار اس کی تردید کی اور سنہ ۱۸۶۴ع میں یہ ثابت کیا کہ گاتھک a، i اور u قدیم ترین جرمانی نظام مصوتہ پیش نہیں کرتے - بلکہ جرمانی میں ابتدا ھی سے "e" کا وجود بھی ملتا ھے - اس طرح یہ واضع ھوگیا کہ ھند یوروپی خاندان کی تمام شاخوں میں، ماسوائے ھند ایرانی کے، "e" مشترک ھے - گاتھک مصوتوں کی تثلیث کا طلسم تو ٹوٹ گیا لیکن سنسکرتی تثلیث بدستور مسلمہ رھی - اور یہ سمجھا جاتا رھا کہ یونانی اور لاطینی e کے بجائے استعمال ھونے والے سنسکرتی a کو "e" پر تقدم حاصل ھے - ھند یوروپی زبانوں کو مشرقی اور مغربی یا ایشیائی اور ذیلی خاندانوں میں تو پہلے ھی تقسیم کیا جاتا تھا، a اور e کے نئے نظرئیے سے اسے اور تقویت مل گئی - اب یہ خیال عام ھو گیا کہ ایشیائی ذیلی خاندان (سنسکرتی اور ایرانی) میں قدیم نظام مصوتہ کے a، i اور u بدستور محفوظ ھیں، یوروپی ذیلی خاندان میں ان

سے اور مصوتے بھی مشتق ہو گئے۔

کرٹی اس کے بعض شاگردوں مثلاً بروگ مین وغیرہ نے، اس کی زندگی ھی میں لسانیات کے ان اصولوں کی شدید مخالفت کی، جو اسے بڑے عزیز تھے ـ یہ نئی نسل صوتی قوانین کو جامع و مانع قرار دیتی تھی اس کے نزدیک صوتی قوانین میں استثنا کی کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی ـ اس نقطہء نظر سے کرٹی اس کے صوتیاتی نظرئیے پر ضرب پڑتی تھی، اس لئے اس نے اپنی آخری تصنیف میں اس کی بڑی مذمت کی ھے ـ

آگسٹ شلیخر

آگسٹ شلیخر تقابلی لسانیات کے دور اول کے انتہائی عروج کا نمائندہ بھی ھے اور دور اول اور دور جدید کی درمیانی کڑی بھی۔اس کے والدین نے یہ کوشش کی تھی کہ وہ تعلیم یافتہ طبقے کی مستند اور صحیح زبان گھر پر ھی سیکھ لے لیکن اس کا رد عمل یہ ہوا کہ وہ گلی کوچوں کی بولی ٹھولی اور لوک گیتوں میں زیادہ دل چسپی لینے لگا ـ بعد میں اس نے سلاوی اور لتھونی زبانوں کا خصوصی مطالعہ کیا اور لتھونی کے لوک گیتوں اور عوامی کہانیوں کو براہ راست عوام کی زبانی سن کر مدون کیا - جب وہ پراگ یونی ورسٹی میں پروفیسر کے عہدے پر فائز ہوا تو اس نے زیک زبان بولنے میں مہارت حاصل کی اور روسی زبان بولنے کی بھی خاصی مشق بہم پہنچائی ـ

شلیخر نے اپنی متعدد تصانیف میں لسانیات کی جزئیات کے ساتھ ساتھ اچھوتے اور جامع افکار و خیالات پیش کئے ھیں جن سے اس کے لسانی نظرئیے کے بنیادی مسائل پر اچھی روشنی پڑتی ھے ـ آنے والی نسلوں نے ان افکار و خیالات سے گہرا اثر قبول کیا ـ اسی لئے شلیخر کو تاریخ لسانیات میں غیر معمولی اھمیت دی جاتی ھے ـ اسے زبانوں کے علاوہ طبعی علوم خصوصاً نباتیات سے بھی شغف تھا ـ وہ طالب علمی

ھی کے زمانے میں مشہور جرمن فلسفی ھیگل کا مرید ھو چکا تھا - اگر چہ بعد میں اس نے ڈارون کے اثرات قبول کرلئے لیکن ھیگل کا اثر زائل نہ ھوسکا ۔ سائنس سے متعلق وہ رقم طراز ھے کہ

''طبیعی علوم کے ماھر ھمیں یہ سمجھاتے ھیں کہ سائنس میں معروضی مشاھدے کے ذریعہ منوائے ھوئے حقائق اور ان سے مستنط نتائج ھی کو بنیادی اھمیت حاصل ھوتی ھے'' اس کے نزدیک یہ ایک ایسا سبق ھے جسے علمائے لسانیات کو از بر کر لینا چاھئے ۔ اگر چہ شلیخر نے اپنی اکثر تصانیف میں، اپنے پیش رووں کے مقابلے پر زیادہ سنجیدہ اور متین انداز بحث اختیار کیا ھے، تاھم ھیگل کے فلسفہ کی پوری پابندی اور شلیگل کے اور اس کے بعد کے جرمن ماھرین لسانیات کے اذعانی نظریوں کی تقلید کی وجہ سے بعض موقعوں پر اس کی یہ متانت باقی نہیں رھتی مثلاً زبان کی ماھئیت کے مبحث میں سنجیدہ اصول انتقاد کی پابندی نہیں کرتا ۔

شلیخر کی تصانیف میں ''ھند جرمانی (ھند یوروپی) زبانوں کی گرامر کا تقابل'' سب سے زیادہ شہرت ھوئی - اسکا پہلا ایڈیشن سنہ ۱۸۶۱-۶۲ع میں، دوسرا سنہ ۱۸۶۶ع میں شائع ھوا ۔ تیسرے اور چوتھے ایڈیشن کی نوبت شلیخر کی وفات کے بعد بالترتیب سنہ ۱۸۷۱ع اور سنہ ۱۸۷۶ع میں آئی ۔ یہ کتاب بوپ کی ''گرامر'' سے بالکل مختلف ھے ۔ بوپ کے یہاں صوتیات نہیں ۔ شلیخر کی کتاب کی پہلی جلد کاملاً صوتیات پر مشتمل ھے ۔ مواد کی ترتیب، بیان کی صفائی اور ایجاز نے کتاب کو اور دل چسپ بنا دیا ھے ۔

شلیخر پہلی جلد کی تمہید میں رقم طراز ھے کہ ''دنیائے السنہ کے تمام تغیرات تاریخی نوعیت کے اور عالم فطرت کی مشہور تبدیلیوں سے بالکل مختلف ھوتے ھیں ۔ عالم فطرت کی تبدیلیاں گونا گوں سہی لیکن ان کا مسلسل اعادہ ھوتا رھتا ھے، اس کے برعکس زبان میں ایسے نئے

اضافے نظر آتے ھیں، جن کا پہلے کوئی وجود بھی نہیں ھوتا ۔ حیوانات اور نباتات کی ایک نسل، دوسری کے مماثل ھوتی ھے - حیوانی مہارت کی کوئی تاریخ نہیں، انسانی فن ایک تاریخ رکھتا ھے ۔ اس کا ارتقا تاریخ کے متوازی اور مماثل ھوتا ھے - انسانی فن اور تاریخ دونوں میں نئی منزلوں تک مسلسل ارتقا نظر آتا ھے''- لیکن شلیخر نے دوسری جلد میں اپنی اس رائے کی تردید کی ھے اور زبان کی فطری خصوصیت پر زور دیا ھے - یہاں وہ یہ رائے ظاھر کرتا ھے کہ بلا شبہ زبان میں ایسی خصوصیات ملتی ھیں کہ انہیں تاریخی بھی کہا جاسکتا ھے لیکن یہ خصوصیات اپنی صحیح حیثیت میں عالم فطرت ھی میں ملتی ھیں - مثلاً پودے کے نشوو نما کے مدارج میں - اس لئے زبان کا تعلق عالم فطرت سے ھے، ذھنی اعمال سے نہیں - اس حقیقت کو لسانیات کا نقطہء آغاز ھونا چاھئے [1]

شلیخر کی رائے میں لسانیات کے مناھج مطالعہ وھی ھیں جو طبیعی علوم کے ھوتے ھیں، اور ان کے موضوعات بھی مختلف نہیں ھوتے جب اس نے ڈارون کے نظرئیے پر تبصرہ کرتے ھوئے اس رائے کا اظہار کیا تو اس پر سخت نکتہ چینی کی گئی - شلیخر نے ان نکتہ چینیوں کے جواب میں ایک رسالہ لکھا، جس میں زبان کا جائزہ ٹھیٹ مادی نقطہ نظر سے لیا گیا ھے اور اسے عالم فطرت کی ایک مادی شے قرار دیا گیا ھے بقول شلیخر کسی عضو کے عمل کا دارو مدار اس کی ساخت پر ھوتا ھے - حیوانات کی مختلف انواع بلکہ مختلف افراد جن مخصوص طریقوں سے چلتے پھرتے ھیں، وہ اعضا کی ساخت سے مشروط ھوتے ھیں- اس لیئے یہ کہا جا سکتا ھے کہ ایک عضو کا عمل یا وظیفہ، اس عضو کا ایک پہلو ھی ھے ۔ اگر کسی مظہر کے مادی اسباب کا مظاھرہ

۱۔''ھند جرمانی زبانوں کی گرامر کا تقابل'' جلد ۲، صفحہ ۲۱ از شلیخر بحوالہ جسپرسن ۔

سائنس داں کے چاقو یا خوردبین سے نہ بھی ہو سکے تو بھی یہی بات کہی جا سکتی ہے ـ چال ڈھال کی طرف جو اشارہ ابھی کیا گیا ہے اس کا اطلاق زبان پر بھی ہو سکتا ہے ـ کیوں کہ زبان بھی انسانی دماغ اور اعضائے نطق کی مادی پیچیدگیوں کے عمل کا نتیجہ ہے، جس کا ادراک کان کے ذریعہ سے ہوتا ہے - گویا زبان دماغ اور اعضائے نطق کا ایک پہلو ہے ـ علم تشریح الابدان کے ماہرین، مختلف قوموں میں ان اعضا کی ساخت کے اختلافات ثابت نہیں کر سکے ہیں ـ سائنسداں سورج کے منبع نور تک رسائی حاصل کئے بغیر اس کی شعاعوں کی جانچ پڑتال سے اس کے عناصر ترکیبی کا پتہ لگا لیتے ہیں، اسی طرح زبان کی ماہئیت کا مطالعہ، اس کے مادی مرجع سے قطع نظر سماعی مظاہر ہی میں کیا جا سکتا ہے، اس لئے کہ مادی مرجع اور سماعی مظاہر کی حیثیت علت و معلول اور ہیولیٰ و صورت ہی کی ہے اور ہیگل جیسے فلسفی کے نزدیک وہ مماثل ہی قرار پاتے ہیں [1]

جسپرسن اس استدلال پر یہ تنقید کرتا ہے کہ سورج کی تمثیل بے محل ہے ـ سورج کا وجود کسی انسانی شاہد کا مرہون منت نہیں، لیکن زبان کے لئے محض قائل یا متکلم ہی کی نہیں بلکہ سامع کی بھی ضرورت ہے، جو خود بھی متکلم بن جاتا ہے ـ یہ خیال بھی درست نہیں کہ دماغ اور اعضائے نطق ہی زبان ہیں، اور ان کی پوشیدہ پیچیدگیوں کی جانچ پڑتال کے مناسب ذرائع نہ ہونے کی وجہ سے سماعی مظاہر پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے - زبان کی اصلیت تکلم اور سماعت میں مضمر ہے، اور یہ دونوں اعمال لسانیات کے موضوعات ہیں ـ

شلیخر یہ خیال بھی ظاہر کرتا ہے کہ بنی نوع انسان کی نسلی تقسیم کھوپڑی کی بناوٹ، بالوں کی خصوصیت اور ایسی ہی دوسری

۱-''زبان کی ماہئیت - ارتقا اور آغاز'' ۱۳ از جسپر سن -

خارجی کسوٹی کی بنیاد پر نہیں بلکہ زبان کے معیار پر ہونی چاہئے — اس لئے کہ زبان کے سوا باقی سب معیار غیر مستقل ہیں - زبانوں کا فطری نظام ہی بنی نوع انسان کا فطری نظام ہے کیوں کہ زبان، کا تعلق انسان کی اعلیٰ ترین حیات سے ہے جو زبان میں اور زبان کے ساتھ ہی زیر غور آ سکتی ہے —

چونکہ شلیخر، ہیگل کا معتقد تھا اور ہیگل ہر جگہ تثلیث کا قائل ہے، اس لئے شلیخر بھی زبانوں کی تقسیم میں تثلیث کو ملحوظ رکھتا ہے-وہ پاٹ کی بتائی ہوئی چار منزلوں میں سے دو کو ملا کر ایک بتاتا ہے اور اس طرح زبانوں کی تین منزلوں کی نشان دہی کرتا ہے — پاٹ نے تالیفی اور انضمامی الگ الگ منزلیں قرار دی ہیں — شلیخر ان دونوں کو ایک منزل سمجھتا ہے — زبان معانی اور رشتے پر مشتمل ہوتی ہے —چونکہ زبان محض ہئیت کا اظہار نہیں کرتی اسلئے معانی اور رشتے کے اعتبار سے اس کی حسب ذیل تین صورتیں ہو سکتی ہیں

۱— پہلی صورت میں اصوات سے صرف معانی کا اظہار ہوتا ہے - محل الفاظ سے رشتوں کی طرف کنایہ ہوتا ہے - اس صورت میں زبانیں انفرادی ہوتی ہیں

۲— اس صورت میں اصوات کے ذریعے معانی اور رشتے دونوں کا اظہار ہوتا ہے — لیکن تعمیری اجزا مادے میں اس طرح جڑے ہوتے ہیں کہ انہیں پہچانا جا سکتا ہے اور مادہ تغیر نا پذیر ہوتا ہے ایسی صورت میں زبانیں تالیفی کہلاتی ہیں —

۳— اس صورت میں معانی اور رشتے کے عناصر ایک دوسرے میں مدغم ہو کر وحدت اختیار کر لیتے ہیں — مادے میں تبدیلیاں اندرونی بھی ہو سکتی ہیں — سابقے اور لاحقے سے بھی ایسی حالت میں زبانیں اشتقاقی یا تصریفی کہلاتی ہیں —

شلیخر ان حالتوں کی تمثیل کے لئے یہ نیم ریاضیاتی فارمولا استعمال کرتا ہے ۔ اگر مادے کو ''م'' سے ظاہر کیا جائے سابقے اور لاحقے کو ''س'' اور ''ل'' سے اور اندرونی تبدیلی یا اشتقاق کے اظہار کیلئے قوت ''ہ'' استعمال کی جائے تو انفرادی زبانیں صرف ''م'' کی حامل ہونگی اور ان کا جملہ اس طرح ظاہر کیا جائے گا - م م م م ۔ دوسری حالت میں زبان کے ایک لفظ کا فارمولا یہ ہوگا ۔ ''م ل'' یا ''س م'' یا ''س م ل'' تیسری حالت میں لفظ اس فارمولے سے ظاہر ہوگا ''س م ہ ل'' یا ''م ہ ل''

شلیخر کی یہ رائے ہے کہ یہ تینوں صورتیں ہمارے عہد کی زبانوں میں بیک وقت ملتی ہیں لیکن یہ تینوں لسانی ارتقا کی تین منزلوں کی نشان دہی کرتی ہیں اشتقاقی یا تصریفی منزل کے بعد کوئی اور منزل نہیں ہوتی - اشتقاق کے ذریعے رشتے کا رمزی اظہار زبان کا منتہائے کمال ہے - اور اس منزل پر زبان اپنی غرض و غایت پوری کر دیتی ہے - یہ غرض و غایت سوائے اس کے کچھ اور نہیں کہ خیال کی صحیح صوتی تصویر پیش کر دی جائے ۔ لیکن زبان تصریفی بننے سے پہلے بالالتزام انفرادی اور تالیفی دور سے گزرتی ہے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا تاریخی حقائق اس نظریئے کا اثبات کرتے ہیں - کیا ہم کسی موجودہ اشتقاقی زبان کی تالیفی اور انفرادی صورت کا پتہ لگا سکتے ہیں شلیخر ان سوالات کا جواب نفی میں دیتا ہے ۔ قدیم ترین لاطینی ایسی ہی تصریفی تھی جیسی کہ جدید رومانوی زبانیں ہیں ۔ ظاہر ہے کہ اس طرح شلیخر تناقض باتیں کہ جاتا ہے ۔ لیکن وہ اس تناقض کا جواز بھی پیش کرتا ہے اور ہیگل کے یہ الفاظ دوھراتا ہے کہ ''جب تک انسانی روح اپنی آزادی کا شعور حاصل نہیں کرتی تاریخ کا آغاز نہیں ہو سکتا - شلیخر کے نزدیک زبان کے مکمل ارتقا کے بعد ہی یہ شعور ممکن ہے ۔ چنانچہ انسانی اعمال کے دو بالترتیب مدارج زبان اور تاریخ

ھیں۔ چونکہ تاریخ اور ادبیات کم و بیش ساتھ ھی ساتھ وجود میں آئے اس لئے شلیخر نے یہ نتیجہ نکالا کہ جونہی ادب ظہور پذیر ھوتا ھے زبان اپنا ارتقا ختم کر چکی ھوتی ھے - گویا ادب کی تخلیق زبان کا نقطۂ عروج ھے جسکے بعد وہ معین ھو کر رھجاتی ھے اور بجائے مقصد ھونے کے محض ذھنی اعمال کا ذریعہ بن جاتی ھے - ھم کسی ایسی زبان کو نہیں دیکھتے جو ارتقا پذیر ھو یا جو زیادہ مکمل ھو چکی ھو ۔ دور تاریخ میں تمام زبانیں انحطاط پذیر ھوتی ھیں - لسانی تاریخ کا مطلب ھی زبانوں کا زوال ھے ۔

شلیخر کی تقسیم السنہ میں پرانے علماء لسانیات کی صدائے بازگشت ملتی ھے ۔ اس کی اکثر اصطلاحات بھی کم و بیش وھی ھیں جو پہلے استعمال کی جا چکی تھیں - اس نے اپنے پیش رووں کی کی ھوئی گروہ بندی سے استفادہ کر کے، تقسیم السنہ کا ایک مربوط نظام پیش کردیا ھے، جس میں ھیگل سے مستفاد فلسفیانہ استدلال کی جدت ملتی ھے ۔ زبانوں کی یہ صوری تقسیم بڑی مقبول ھوئی ۔ میکس ملر اور وھٹنے نے اسے بہت کچھ اپنایا ھے ۔ ھاں یہ ضرور ھے کہ میکس ملر نے عمرانی اھمیت کو تقسیم کی اس تثلیث سے منسوب کر دیا اور یہ خیال ظاھر کیا کہ زبان کی انفرادی صورت انسان کے خاندانی دور کی خصوصیت ھے، تالیفی صورت خانہ بدوشی کے دور کی اور تصریفی یا اشتقاق صورت، سیاسی دور کی ۔

جسپرسن، اس تقسیم السنہ کی مقبولیت کے اسباب یوں بیان کرتا ھے ''یہ تقسیم ایک جامع فارمولے سے کم نہیں، اور جامع فارمولا اپنی معقولیت اور تنظیم کی وجہ سے لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لیتا ھے ۔ شلیخر نے دو ایسے خاندان السنہ کو اعلیٰ ترین مقام دیا ھے، جن کے بولنے والے آریائی اور سامی النسل ھیں، جنھوں نے ثقافتی اور مذھبی اعتبار سے تہذیب انسانی کو بہت زیادہ متاثر کیا ھے۔

ظاہر ہے کہ ان خاندان السنہ سے تعلق رکھنے والی قومیں شلیخر کی تقسیم السنہ کو پسند ہی کرتیں ۔ پاٹ نے امریکہ کی انضمامی زبانوں سے متعلق یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ ان میں تالیف کے مقابلے پر تصریف یا اشتقاق کی خصوصیات اس حد تک پائی جاتی ہیں کہ انہیں اشتقاقی زبانوں پر ترجیح دی جا سکتی ہے ۔ شلیخر کی تقسیم السنہ سے اس خیال کی تردید بھی ہو جاتی ہے، یہ تردید اہل یوروپ کے لئے خوش‌ائیند ہے، اس لئیے وہ شیلخر کی گروہ بندی کو اور بھی پسند کرنے لگے ۔

شلیخر کی تقسیم السنہ سے یہ بھی استنباط کیا جانے لگا کہ مغربی یوروپ کی جدید زبانیں، قدیم تصریفی زبانوں کی مسخ شدہ اور انحطاط پذیر صورتیں ہیں ۔ سچ تو یہ ہے کہ ماضی بعید کے دور زرین کا راگ الاپنے والوں کو یہی نتیجہ اخذ کرنا چاہئے تھا - لیکن غلطی سے یہ بھی سمجھا جانے لگا کہ تمدنی ترقی اور زبان کا عروج لازم و ملزوم ہیں حالانکہ کسی زبان کی گرامر کی ساخت کو بولنے والوں کی تہذیب اور ان کے تمدن سے کوئی تعلق نہیں ہوتا - لتھونی زبان میں قدیم سنسکرت گرامر کا نظام کم و بیش جوں کا توں نظر آتا ہے، اس میں تصریف یا اشتقاق کی جو اصلی صورتیں ملتی ہیں، وہ کسی بھی جدید یوروپی زبان میں نہیں، گویا عام ماہرین کے نقطہ نظر سے لتھونی، گرامر کے نظام یا لسانی اعتبار سے یوروپ کی تمام زبانوں سے ترقی یافتہ قرار دی جا سکتی ہے - لیکن محض اس کی وجہ سے کیا ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ لتھونی عوام کی ثقافت، اس شیکسپیئر سے بہتر تھی، جس کی زبان میں قدیم تصریف یا اشتقاق کے اکثر پہلو ختم ہو چکے ہیں ؟

شلیخر کا سب سے بڑا کارنامہ قدیم ہند یوروپی کی تشکیل جدید ہے ۔ اس نے اپنے عہد کی زندہ ہند یوروپی زبانوں کے تقابل کی بنیاد پر ان کے مشترکہ ماخذ کے صوتی نظام الفاظ اور ہیئت کی جدید تشکیل

کی ہے۔ تھیوڈر بین سنہ ۱۸۳۷ع میں پاٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے اس قسم کی تشکیل جدید کی ضرورت محسوس کرچکا تھا، لیکن اسے عملی جامہ پہنانے کی سعادت شلیخر کے حصے میں آئی۔ شلیخر نے اپنی ''تقابلی گرامر'' کی پہلی اشاعت میں اس تشکیل جدید کو پیش تو کیا ہے لیکن اس کی توجیہ نہیں کی ۔ اسے توجیہ کا خیال بعد میں ہوا ۔ چنانچہ دوسری اشاعت میں اس کمی کو پورا کردیا ۔ اس نے دوسری اشاعت میں یہ اشارہ کیا ہے کہ تشکیل جدید کی بدولت لسانی تحقیقات کے جدید ترین نتائج زیادہ واضع طور پر پیش نظر آجاتے ہیں اور ان کی حیثیت محض نظری نہیں رہتی ۔ علاوہ بریں یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ سنسکرت، ہند یوروپی زبانوں کا ماخذ نہیں ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ قدیم ترین ہند یوروپی زبان کی تشکیل کے ذریعہ یہ آسانی سے ثابت کیا جا سکتا ہے کہ ہند یوروپی زبانوں میں سے کوئی زبان، ان زبانوں کا ماخذ نہیں ہو سکتی ۔ اس تشکیل جدید کی ضرورت کا احساس اصوات کے ارتقاء اور اس کی جزئیات کی طرف پوری توجہ مبذول کرا دیتا ہے ۔ اسی لئے لسانیات کا یہ طریق مطالعہ آج بھی اختیار کیا اور ناگزیر سمجھا جاتا ہے'' ۔

قدیم ترین ہند یوروپی کی تشکیل جدید کے سلسلے میں بہت سی لغزشوں کے امکانات بھی ہیں ۔ ممکن ہے کہ جب اس کی وحدت پارہ پارہ ہوئی تو نئی بولیوں نے ایک دوسرے کے متوازی ارتقا پایا ہو، یہ بھی عین ممکن ہے کہ ان میں سے بعض بولیاں ایسی معدوم ہو گئی ہوں، کہ آج ان کا نام و نشان بھی نہ ہو ۔ ایسی اصوات کا مجتمع ہو جانے کا بھی امکان ہے، جن کا تعلق ایک ہی عصر سے نہیں بلکہ مختلف ادوار سے ہو، ۔ ایسی صورتوں میں آج سے ہزاروں سال پہلے معدوم ہوجانے والی زبان کی صحیح اصوات کی بازیافت، الفاظ کی حیثیت وغیرہ کی صحت سو فی صدی یقینی تو نہیں ہو سکتی ۔ تاہم جدید

تشکیل کردہ اصوات کو جزوں یا مقاطع اور الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ تاریخی اعتبار سے جو بالکل ابتدائی زبان ہو سکتی ہے اس سے ان کا تعلق ہے - لیکن یہ کون کہ سکتا ہے کہ ان اصوات، مقاطع اور الفاظ کا وجود تاریخی اعتبار سے کسی دور میں کسی بھی مقام پر رہا ہے یا نہیں ـــ اسی لئے اکثر علماء لسانیات، اس تشکیل جدید کو ایک فارمولا تسلیم کر کے، اس کی تاریخی حیثیت پر زور نہیں دیتے ـــ

لیکن تشکیل جدید سے یہ توقع ضرور رکھی جاتی ہے کہ انفرادی زبانوں کی ہئیتوں کی مطابقت میں ان فارمولوں کا حل پوری صحت کے ساتھ پیش کیا جائے ـــ اور یہ حل، بالکل وہی ہوں جو تاریخی اعتبار سے ہونے چاہیں ـــ شلیخر اس کسوٹی پر پورا نہیں اترتا ـــ اس نے مختلف قیاسات اور نظریوں کو خلط ملط کر دیا ہے ـــ مثلاً جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ''ماں'' کے لئے یونانی میں ''ماتیر'' لاطینی میں ''متیر'' سنسکرت میں ''ماتا'' مفعول ''ماترم'' لتھونی میں ''موتے'' مفعول ''موتیری'' ہے تو ہم یہ استنباط کرتے ہیں کہ قدیم ترین ہند یوروپی میں یہ لفظ ''ماتے'' ہوگا اور تصریف سے ''ماتر'' ہوا ـــ اس کی مدد سے اس لفظ کی تمام ہئیتوں کی جو مختلف ہند یوروپی زبانوں میں ملتے ہیں، توجیہ کی جا سکتی ہے اور یونانی و لاطینی میں ''ر'' کے اضافے کو فاعلی حالت کا مظہر ٹھہرایا جا سکتا ہے ـــ فارمولا ''ماتے'' کی ہر آواز کی تاریخی سند پیش کی جا سکتی ہے اس لئے کہ ہند یوروپی کی تمام شاخوں اور ان شاخوں کی زبانوں میں تاریخی اعتبار سے یہ آوازیں ملتی ہیں ـــ لیکن شلیخر کی تشکیل جدید کی ''رو'' سے یہ لفظ ''ماترس'' ہے، جس میں بعض زبانوں کے اسی لفظ کی آوازوں سے زیادہ آوازیں ہیں اور بعض سے کم ـــ اس نئے لفظ میں جو ''س'' ہے، اس کی کوئی تاریخی سند نہیں کہ متفرع زبانوں میں اس کی مثال نہیں ملتی - علاوہ بریں اس کے دوسرے رکن یا جزو میں مصوتہ قصیر (ـَـ) ہے

جبکہ تمام زبانوں میں طویل (ے، ی، ا) ملتا ہے ــ شلیخر نے یہ قیاس کر لیا کہ اصل لفظ کا ''س'' بعد کی تمام زبانوں میں اور ''ر'' بعض زبانوں میں حذف ہو گیا اور اشباع کی وجہ سے مصوتہ قصیر سے طویل ہو گیا ــ اس کی ان توجیہات کی وجہ یہ ہے کہ اس کی رائے میں قدیم ترین ہند یوروپی کسی طرح بھی انحطاط پذیر نہ تھی اس کا ہر لفظ اپنی اصلی حالت میں تھا، اس میں حذف و سقوط، اشباع یا سندھی نہ ہوئی تھی لیکن وہ یہ بھول گیا کہ قدیم ہند یوروپی کے الفاظ بھی سالہا سال کے تغیرات اور رد و بدل کا نتیجہ ہو سکتے ہیں ــ اس کے تشکیل کردہ الفاظ کا تعاق قدیم ترین ہند یوروپی کے ارتقا کے کسی بھی عہد سے ہو سکتا ہے، جس سے پہلے اور جس کے بعد صوتی تغیرات کا امکان تھا، خواہ وہ خفیف سا ہی ہو [1]

شلیخر نے قدیم ترین ہند یوروپی کے لئے حسب ذیل صوتی نظام اختیار کیا ہے :ــ

ابتدائی مصوتے :ــ	ـَـ	ـِـ	ـُـ
پہلا اضافہ	ا	ی	او
دوسرا اضافہ	آ	یے	آو

مصمتے :ــ

ر	ن	م
ج	و	س
ک	گ	گھ
ت	د	دھ
پ	ب	بھ

شلیخر کے پیش کردہ قدیم ترین ہند یوروپی صوتی نظام میں

۱ــ ''لسانیات ــ انیسویں صدی میں'' پیڈرسن، ترجمہ از سپارگو صفحہ ۲۷۰

تثلیث کی کار فرمائی صاف نظر آتی ھے ـ یہ تثلیث شاید ھیگل سے عقیدت کا نتیجہ ھے ـ شلیخر اور اس کے ھم عصروں کے نزدیک مصوتے a، i اور u کی تثلیث کا سب سے بڑا ثبوت سنسکرت ھے، حالاں کہ دوسری ھند یوروپی زبانوں سے اس کی تصدیق نہیں ھوتی ـ اس دور کے علمأ لسانیات ھند ایرانی کی بنیاد پر ''ر'' اور ''ل'' کو ایک دوسرے کا بدل سمجھتے تھے اور ان میں امتیاز نہ کرتے تھے، حالاں کہ ھند یوروپی کی دوسری شاخوں میں یہ ایک دوسرے سے ممتاز کئے جا سکتے ھیں ـ شلیخر کا یہ تہرا نقشہ انضباط ''ر، ن، م'' حقیقتاً تہرا نہیں ھے ـ قدیم ھند یوروپی میں ''v'' نہیں ''w'' تھا ج، و اور ''س'' کے مخارج بالکل مختلف ھیں ـ شیلخر کے اس انضباط کی بنیاد، یونانی ھے کیوں کہ یونانی ھی میں وقفیہ کا تہرا نظام ملتا ھے ـ

ک	گ	کھ
ت	د	تھ
پ	ب	پھ

لیکن سنسکرت میں وقفیہ کا نظام چوھرا ھے :-

ک	گ	گھ	کھ
ت	د	دھ	تھ
پ	ب	بھ	پھ

شلیخر نے ابتدائی مصوتوں کے دو اضافوں سے ھند یوروپی زبانوں کے مصوتوں کے تغیرات کی توجیہ کی ھے لیکن قدیم ترین ھند یوروپی سے سندھی کی اور صورتیں بھی متوارث ھوئی ھیں، جن کے لئے شلیخر کے یہاں کوئی گنجائش نظر نہیں آتی ـ ایسا معلوم ھوتا ھے کہ اس نے سندھی کے سلسلے میں سنسکرت گرامر ھی سے استفادہ کیا ھے اور ھند یوروپی زبانوں کے مصوتوں پر زیادہ غور نہیں کیا ـ

شلیخر نے ھند یوروپی زبانوں کے باھمی رشتے واضح کرنے کے

لئے ان کا نسبی شجر بھی بنایا ہے - جس پر نظر پڑتے ھی اس عام خیال کی تردید ھو جاتی ہے کہ سنسکرت، ھند یوروپی زبانوں کا ماخذ ہے یا لاطینی، یونانی کی بیٹی ہے - لیکن یہ شجر ایک خاص تاریخ تک مکمل لسانی وحدت اور اس کے بعد مکمل لسانی جدائی کا اظہار کرتا ہے جس کی وجہ سے ان زبانوں کے صحیح باھمی رشتوں کا پتہ نہیں چلتا 1 - یہاں یہ اشارہ بے محل نہ ھوگا کہ شلیخر نے اس نسبی یا نسلی شجر میں سنسکرت اور ایرانی شاخوں کے ذیلی خاندان کو پہلی بار آریائی کے نام سے موسوم کیا ہے -

آگسٹ فک

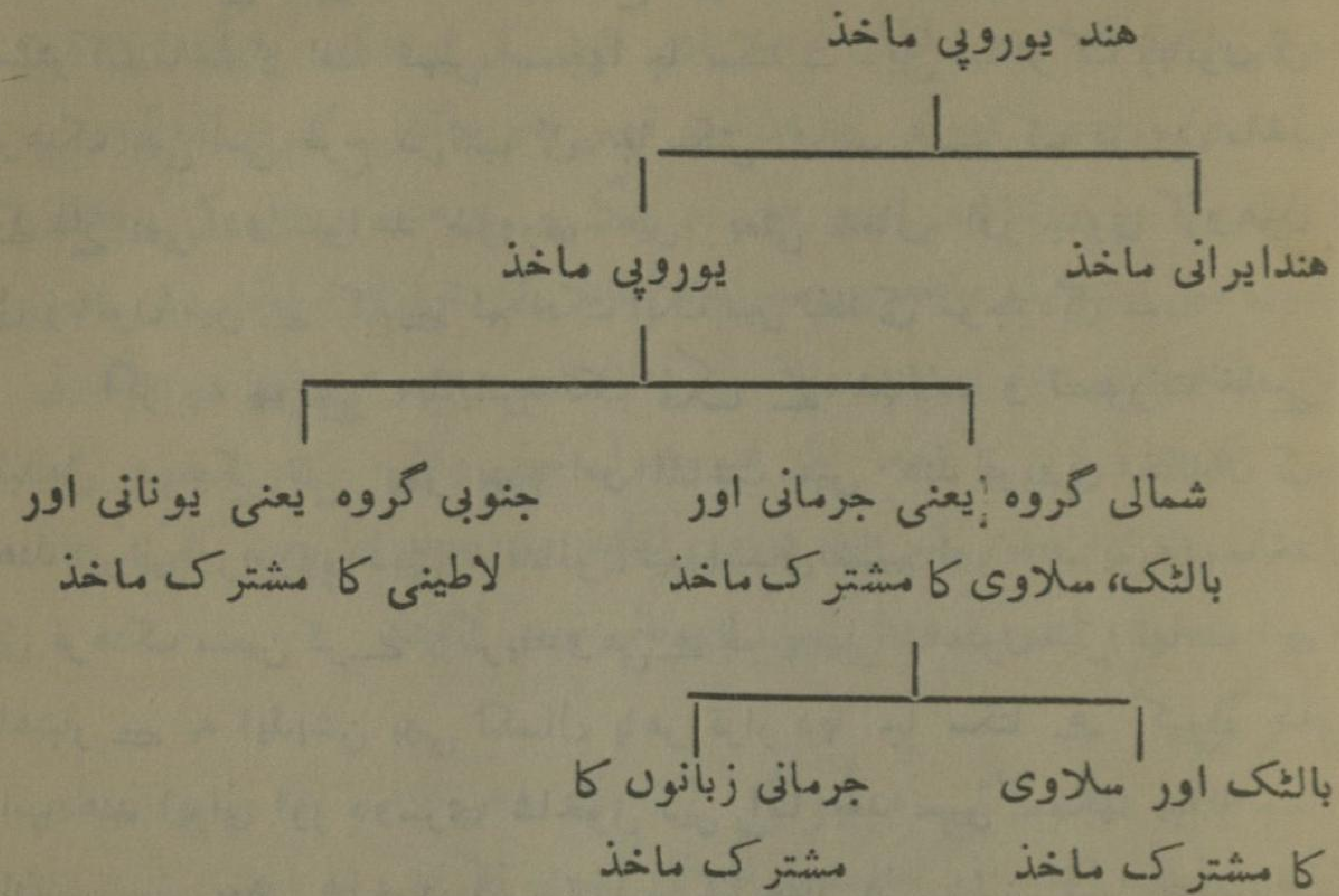
تقابلی لسانیات کے دور اول کے آخری تین نمائندوں میں سے شلیخر دور جدید کے نئے خیالات فروغ پانے سے پہلے ھی وفات پا چکا تھا - کرٹی اس ان تصورات کی شدو مد سے مخالفت کرتا رھا، تیسرے اور آخری نمائندے آگسٹ فک نے ان جدید خیالات و تصورات کو تھوڑا بہت اختیار کر لیا اور اس طرح نئے ماھرین تقابلی لسانیات سے مفاھمت کرلی - لیکن چونکہ اس کا اصل لسانیاتی کار نامہ دور جدید کے آغاز سے قبل کا ہے اور اسکے بعد کی تحریروں میں جدید اثرات کے ساتھ ساتھ دور اول کی فضا کا احساس بھی ملتا ہے، اس لئے اسے دور اول ھی میں شمار کیا جاتا ہے -

آگسٹ فک کا لسانیاتی کار نامہ، اس کی تصنیف ”ھند جرمانی ماخذ کی تشکیل“ ہے، جس کا پہلا ایڈیشن سنہ ۱۸۶۸ع میں منظر عام پر آیا - دوسرا ایڈیشن، سنہ ۱۸۷۰-۱۸۷۱ع میں اور تیسرا ایڈشن جو چار جلدوں پر مشتمل ہے، سنہ ۱۸۷۴-۷۶ع میں شائع ھوا - لیکن چونکہ سنہ ۱۸۷۶ع ھند یوروپی لسانیات کی کی قلب ماھئیت کے لئے فیصلہ کن

۱- ”لسانیات - انیسویں صدی میں“ صفحہ ۲۷۲

ثابت ہوا، اس لئے فک کی تصنیف کا تیسرا ایڈیشن داستان پارینہ ہو کر رہ گیا - سنہ ۱۸۹۶ع کے چوتھے ایڈیشن میں فک کے علاوہ بعض دوسرے علماء لسانیات کے نتائج فکر بھی ہیں -

اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن سات ابواب پر مشتمل ہے - پہلے باب میں قدیم ترین ہند یوروپی ماخذ کی فرہنگ کے بعد ہند یوروپی زبانوں کو ہند ایرانی اور یوروپی شاخوں میں تقسیم کیا گیا ہے - گویا فک کے نزدیک اصل زبان، سے دو زبانیں متفرع ہوئیں، ہند ایرانی اور یوروپی - دوسرے اور تیسرے باب میں ان دونوں زبانوں کی فرہنگ پیش کی گئی ہے - فک کے زمانے تک ہند یوروپی خاندان سے تعلق رکھنے والی تمام یوروپی شاخوں کے مطالعہ کا رواج نہ تھا، چناں چہ اس نے آرمینی اور البانی زبانوی کو نظر انداز کر دیا کیلٹک کی طرف برائے نام توجہ دی اور بقیہ یوروپی زبانوں کو شمالی اور جنوبی گروہوں میں تقسیم کیا - وہ شمالی گروہ میں جرمانی، بالٹک اور سلاوی زبانوں کو شامل کرتا ہے اور جنوبی گروہ میں، یونانی اور اطالوی کو ان تمام زبانوں کی فرہنگ چوتھے، اور پانچویں باب میں پیش کی گئی ہے - آخری دو ابواب میں شمالی گروہ کی مزید تقسیم ملتی ہے - ایک باب کا تعلق بالٹک اورسلاوی زبانوں کےمشترک ماخذ اور دوسرے کا جرمانی زبانوں کے ماخذ سے ہے ہندیوروپی زبانوں کی اس تقسیم کو یوں ظاہر کیا جا سکتا ہے !



آگسٹ فک نسبی شجر کے نظرئیے کی رو سے قبل از تاریخ ادوار کی مشترک قدیم ترین ہند یوروپی، مشترک ہند ایرانی، مشترک یوروپی کی ہئیتوں کی جدید تشکیل کرتا ہوا مشترک جرمانی کی ہئیتوں کی جدید تشکیل تک پہنچا ہے ــ اگر چہ فک کا پیش کردہ نسبی شجر شلیخر کے شجر سے مختلف ہے تاہم بنیادی طور پر ان دونوں میں فرق نہیں ــ اس کا یہ خیال ہے کہ جب ایک زبان، دو شاخوں میں منقسم ہو جاتی ہے، تو پھر ان شاخوں کو ایک دوسرے سے کسی قسم کا تعلق نہیں رہتا ــ اگر ایک لفظ، دو شاخوں میں ملتا ہے تو ان کے مشترک ماخذ میں بھی ملنا چاہیئے لیکن اس کے برعکس اگر کوئی لفظ دونوں شاخوں میں نہیں ملتا تو پھر اسے ماخذ میں ڈھونڈنا عبث ہے۔ ہند ایرانی شاخ کی کسی بھی بولی میں پایا جانے والا لفظ، یوروپی شاخ کی کسی بولی میں مل جائے تو وہ مشترک ہند یوروپی ماخذ کا لفظ ہو سکتا ہے ــ اگر کوئی لفظ یوروپی شاخ کی تمام

زبانوں میں ملے لیکن ہند ایرانی شاخ میں نظر نہ آئے تو اسے ہند یوروپی مشترک ماخذ کا لفظ نہیں سمجھا جا سکتا ۔ ذیلی مشترک زبانوں کی فرہنگ بھی اسی طرح مرتب کی جا سکتی ہے ۔ مشترک یوروپی ماخذ کے لئے بھی دو شواہد ضروری ہیں، یعنی شمالی اور جنوبی گروہوں کی زبانوں میں سے کم سے کم ایک ایک میں لفظ کی موجودگی ۔

اگر چہ چوتھے ایڈیشن تک **فک** کے خیالات و تصورات خاصے تبدیل ہو چکے تھے پھر بھی اس اشاعت میں ہند یوروپی خاندان کی ہند ایرانی اور یوروپی ذیلی خاندانوں میں ابتدائی تقسیم اور ہند یوروپی ماخذ کی فرہنگ متعین کرنے کا طریقہ وہی ہے جو پچھلی اشاعتوں میں تھا ۔ اس اعتبار سے یہ ایڈیشن بھی ٹکسال باہر قرار دیا جا سکتا ہے کیوں کہ اب ہند ایرانی اور دوسری شاخوں میں اتنا بعد نہیں سمجھا جاتا جتنا ان میں سے بعض شاخوں میں تسلیم کیا جاتا ہے ۔ نیز کسی مخصوص لفظ کا دور متعین کرنے کا کوئی آسان اور میکانکی طریقہ بھی تصور میں نہیں آ سکتا ۔ عام طور پر تمام شاخوں میں ایک لفظ کی موجودگی سے یہ استنباط کر لیا جاتا ہے کہ وہ لفظ قدیم ترین ہند یوروپی زبان سے متوارث ہے، ہرچند وہ ہند ایرانی شاخ، میں نظر نہ آئے۔ اس کے برعکس **فک** ایسے لفظ کو خارج از بحث سمجھ لیتا ہے ۔ ہند یوروپی کی جدید تشکیل کے سلسلے میں **فک** نے ہند ایرانی شاخ کو جو اہمیت دے رکھی ہے، وہ اب قابل قبول نہیں ۔ جدید ماہرین لسانیات اس کے اس خیال سے متفق نہیں ہو سکتے کہ ہند یوروپی خاندان کی صرف دو شاخوں میں نظر آنے والے الفاظ، ہند یوروپی ماخذ ہی کے ہوتے ہیں بشرطیکہ ان شاخوں میں سے ایک ہند ایرانی ہو ۔ ہاں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ دو انتہائی بعد رکھنے والی شاخیں، جن کے باہم خلط ملط ہونے کا کوئی امکان ہی نہ ہو، مشترک الفاظ کی حامل ہوں، تو ان الفظ کو قدیم ترین ہندیوروپی ماخذ سے متوارث کہ سکتے ہیں ۔

فک نے چوتھے ایڈیشن میں کیلٹک، آرمینی اور البانی زبانوں کو بھی شامل کیا ہے - لیکن آرمینی اور البانی کی فرہنگیں فک کے دو شواھد والے اصول کی رو سے مرتب نہیں ہو سکتیں کیوں کہ آرمینی یا البانی کی مزید شاخیں نہیں ھیں - فک نے ھند یوروپی کی مختلف زبانوں میں مشترکہ ماخذ سے متوارث لغات کے متوازی مباحث پیش نہیں کئے بلکہ قدیم ھند یوروپی زبان کے لغات سے مجموعی طور پر بحث کی ھے - اگرچہ فک کا نقطۂ نظر اب مقبول نہیں رھا، تاھم یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ مشترک ھند یوروپی لغات سے مجموعاً بحث کرنے والا عالم لسانیات، اس کے سوا کوئی اور نظر نہیں آتا ــ

میڈوگ

جان نکولائی میڈوگ کلاسیکی ماہر ثقافت تھا - یونانی اور لاطینی، زبان، ادب اور ثقافت پر اس کی گہری نظر تھی ــ اس نے لسانیات میں بھی خاصی دلچسپی لی اور اپنے ذوق سلیم اور سنجیدہ تنقیدی نقطۂ نظر سے بہت سے لسانی مباحث پر اظہار رائے کرکے اپنے ھمعصروں کو بھی متاثر کیا - اس وقت تک بعض ماھرین، لسانی مظاھر کی تہ میں کسی سربستہ راز اور طلسمی قوت کی نشاندھی کرتے رہے تھے، میڈوگ نے اس کی تردید کی ــ وہ مروجہ لسانی نظریوں کے ابہام اور پر اسرار ماھیئت کے سخت خلاف تھا ــ اسی لئے اس نے اس صوتی رمزیت کا بطلان کیا ھے، جس پر ھمبولٹ نے اپنے لسانیاتی کارناموں کی عمارت تعمیر کی تھی - وہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ ھر زمانے میں لسانی صلاحیت یکساں رھی ہے - متکلمین بالکل ابتدائی دور کے ھوں یا زمانۂ حال کے، ان کے مقصد گفتگو میں کوئی تفاوت نہیں، مقصد ھر دور میں یہی رھا ہے کہ ھنگامی طور پر ابلاغ کا حق ادا ھو جائے اور افہام و تفہیم ممکن ھو - یہ خیال کبھی نہیں رھتا کہ باقاعدہ اور منظم لسانی تخلیق ھو جو ھر زمانے میں اور ھر موقع پر عمدہ سمجھی جا سکے - زبانوں میں

ترتیب و نظم کی کمی، نیز واحد اور جمع کی نوعیتوں اور اختتامیوں کے اختلافات کی وجہ بھی یہی ہے ۔ لیکن بعض موقعوں پر وہ اپنے لسانیاتی تصورات و خیالات کی نفی بھی کرتا ہے۔ مثلاً جب وہ قصیر مصوتے ''a'' کو تانیث کا مظہر بتاتا ہے تو ایک طرح کی صوتی رمزیت ہی کا سہارا لیتا ہے یا مثلاً وہ قدیم ترین انسان کی زبان میں گرامر کی ہئیتوں کی ترتیب متعین کرنا بھی چاہتا ہے۔ اس کے نزدیک صوتی اور اشتقاقی تحقیقات چنداں اہم نہیں 1

میڈوگ کی تصانیف غیر معروف ہی رہیں کیونکہ یہ سب ''ڈینش'' زبان میں لکھی گئی تھیں اور بدقسمتی سے انداز بیان میں ژولیدگی بھی تھی - جب اس نے علم ثقافت پر اپنی تصنیف کا جرمن ایڈیشن شائع کیا تو اس کے دیباچے میں اس بات پر افسوس ظاہر کیا ہے کہ وہ کئی سال پہلے اپنے ''ڈینش'' ایڈیشن میں بہت سے ایسے نظریات پیش کر چکا تھا، جو بعد میں وھٹنے نے پیش کئے ہیں لیکن چونکہ وھٹنے نے عالمی زبان انگریزی کو ذریعہ اظہار بنایا، اس لئے وہ نظرئیے اسی سے منسوب ہو گئے 2

میکس ملر

اس میں کوئی شک نہیں کہ لسانیات کے مختلف شعبوں میں قابل قدر تحقیقات کی گئیں، بہت سی زبانوں سے متعلق دل چسپ حقائق مہیا کئے گئے اور ان کی وضاحت اور توجیہ کے ضمن میں نت نئے نظریات پیش ہوئے لیکن سوائے چند مخصوص عالموں کے، کسی کی رسائی ان اہم لسانیاتی کارناموں تک نہ ہو سکی - ماہرین لسانیات نے یہ کوشش کبھی نہ کی تھی کہ جدید لسانیات کی تحقیقات عام فہم انداز میں عام پڑھے لکھے طبقہ کے سامنے پیش ہوں اور گہرے لسانیاتی مطالعہ کے بغیر

---

۱ اور ۲ ''زبان - اس کی ماہئیت، ارتقا اور آغاز'' از جسپرسن صفحہ ۸۳

بھی ان سے دل چسپی لی جا سکے ''میکس ملر'' پہلا عالم لسانیات ہے جس نے اس ضرورت کو محسوس کر کے لسانیات پر متعدد لکچر مرتب کئے اس انداز سے کہ تعلیم یافتہ افراد، اس نئے علم کو سمجھ سکیں اور اس میں تھوڑی بہت دل چسپی لے سکیں ــ ان لکچروں کی بدولت ''لسانیات'' کو خاصی مقبولیت حاصل ہوئی اور لسانیاتی مطالعہ کا رجحان عام ہوا - اس نے لسانیات کا کوئی نیا اصول پیش نہیں کیا، پھر بھی اس کے لکچروں اور مضامین کے مجموعے بڑے مقبول ہوئے ــ اس مقبولیت کی وجہ اس کے بیان کی دل آویزی اور پیش کردہ مثالوں کی دل کشی ہے ــ وہ شلیخر کی طرح لسانیات کو طبعی سائنس قرار دیتا ہے اور انسانی تاریخ سے اس کا قریبی تعلق بتانے کے باوجود اسے علم ثقافت سے غیر متعلق سمجھتا ہے - لیکن جب وہ لفظی تحقیق کی طرف توجہ دیتا ہے تو لفظ کی تاریخ میں روایتی قصوں کا رنگ بھر دیتا ہے ــ ''اشتقاقیات'' میں اس کا طریق بحث سائنسی نہیں ہوتا ــ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ اپنے انداز بیان اور جانے بوجھے لفظوں کی مسحور کن تاریخ سے عام قاری کو متاثر ضرور کر دیتا ہے ــ اس نے بڑے شد و مد سے لسانیات کو طبعی سائنس تو قرار دیا لیکن اپنے موقف کو مدلل طریقے پر پیش نہیں کر سکا، جب اس کے اس خیال پر لے دے ہوئی تو اس نے یہ کہہ کر پیچھا چھڑانا چاہا کہ ''لسانیات کو طبعی سائنس سمجھنا یا نہ سمجھنا در اصل، طبعی سائنس کی تعریف پر منحصر ہے ــ اگر طبعی سائنس کی تعریف اس طرح کی جائے کہ اس کا محدود تصور نہ ہو بلکہ کچھ وسعت پیدا ہو جائے، تو پھر لسانیات اس کے دائرے میں آجائے گی'' میکس ملر کے لسانی تصورات و خیالات کی تلخیص یوں ہو سکتی ہے :ــ

لسانیات کا آغاز تجرباتی گرامر سے ہوا ہے - فطری اور عملی ضرورتوں کے ماتحت زبان کا تجرباتی تجزیہ کیا گیا اور نتیجہ میں

تجرباتی گرامر وجود میں آئی ۔ فلسفه اور منطق کے عالموں نے اسم، فعل، مبتدا، خبر وغیرہ کی تفریق کی اور انہی کی اصطلاحیں، گرامر کی اصطلاحیں بن گئیں بعد میں تاریخی، تقابلی اور علمی گرامر اور ان کی اصطلاحیں وجود میں آتی گئیں ۔ گرامر زبان میں ''کیا'' سے بحث کرتی ہے اور لسانیات ''کیوں'' سے لسانیات، مادوں کو بنیادی حقائق سمجھ کر، مطالعه کا آغاز کرتی ہے، ان کے سوا جو لسانی امور و مباحث ہوتے ہیں، انہیں نفسیات اور مابعدالطبیعات کے لئے چھوڑ دیتی ہے ۔ انسانی زبان کے آغاز کے نظرئیے کا مطالعہ آغاز فکر کے نظرئیے کے ساتھ ساتھ ہی ہو سکتا ہے ۔ زبان کا ارتقا به جائے خود تاریخ نہیں ہے ۔ بولیوں کو بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے ۔ بولیوں کے مشترک ماخذ کا تصور درست نہیں - ان بولیوں میں سے ایک آدھ، آھسته آھسته ادبی زبان کی حیثیت اختیار کرلیتی ہے ۔ بولیوں سے بے تعلق ہو کر زبان کا ارتقا رک جاتا ہے ۔ کوئی ادبی زبان کسی زبان یا بولی کی ماں نہیں ہوتی ۔ زبان کے ارتقا پر قابو رکھنے والے قوانین، اصول اور رجحانات، دراصل بولنے والوں کو کنٹرول کرتے ہیں ۔

میکس ملر کے یہاں زبانوں کی صوری اور نسلی تقسیم میں کوئی اپچ نہیں ملتی - اس نے اپنے پیش رؤں کی تحقیقات سے استفادہ کیا ہے اور اکثر بیشتر انہی کے خیالات کا اعادہ کر دیا ہے ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ صوری تقسیم کے سلسلے میں ارتقاء کے تین دوروں کے لئے نئی اصطلاحیں، بنیادی اختتامی اور تصریفی، استعمال کرتا ہے ۔ اس کی تقسیم السنه واضح اور دل نشین ہے - اس نے صوتی تغیرات کی ایک وجه سہل انگاری اور کاہلی بتائی ہے ۔ اس کا خیال ہے که انسان اپنے اعضائے نطق کو کم سے کم زحمت دینا چاہتا ہے ۔ زحمت کی اس تقلیل کے نتیجے میں آوازوں کی بھی تقلیل ہوتی ہے اور صوتی تغیرات رونما ہوتے ہیں - میکس ملر نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ صوتی تغیرات کی یہ

توجیه سب سے پہلے اسی نے کی ہے۔

میکس ملر لسانیات کے میدان میں ایک محقق سے زیادہ مفسر نظر آتا ہے۔ اس کی لفظی تحقیقات میں اختلافات کی گنجائش نکل آتی ہے لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے مبادیات لسانیات کی اچھی توضیح و تبلیغ کی ہے۔ جرمانی مصوتوں کے صوتی تبادل کے قانون کا نام، ''گرم کا قانون'' اسی کا دیا ہوا ہے، اور اسی کی بدولت یہ قانون اس نام سے مشہور ہے۔

وھٹنے

میکس ملر کا حریف ہم عصر ولیم ڈوائٹ وھٹنے امریکہ کا پہلا قابل ذکر ماہر لسانیات ہے ــ سچ پوچھئے تو امریکہ میں لسانیات کی روایت وھٹنے ہی سے شروع ہوتی ہے۔ اس کی مشہور تصانیف ''لسان و مطالعۂ لسان'' (۱۸٦۷ع) اور ''زبان کی زندگی اور نمو'' (سنہ ۱۸۷۴ ع) میکس ملر کی کتابوں سے کچھ کم مقبول نہیں۔ اس کی ان تصانیف نے امریکہ بلکہ یوروپ پر گہرا اثر چھوڑا ہے۔ متعدد زبانوں میں ان کے ترجمے ہوچکے ہیں وھٹنے کے انداز بیان میں وہ دل آویزی نہیں جو میکس ملر کے یہاں ملتی ہے، لیکن اس کی فکر میں صلابت، اور بیان میں متانت زیادہ ہے۔ وہ میکس ملر کی زیادہ سے زیادہ مثالوں اور اس کے نیم افسانوی انداز سے سستی شہرت حاصل کرنے کا قائل نہیں ــ اس نے وھٹنے کے تصورات و خیالات پر خاص طور سے تنقید کی ہے ــ اس کے نزدیک لسانیات طبعی سائنس نہیں بلکہ تاریخی ادارہ ہے، جو باہمی افہام و تفہیم کی ضرورت کے ماتحت بتدریج ارتقا پذیر رہا ہے، جس میں کسی قسم کی باطنیت یا روحانیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ الفاظ محض روایتی علامات ہیں۔ ان کے معانی پر اتفاق باہمی اجتماع کے ذریعہ نہیں بلکہ باہمی تفہیم اور اجتماعی عادت کی بدولت ہو گیا ہے ــ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ یہ سب کیوں کر ہوا ــ

وھٹنے بھی میکس ملر کی طرح ''مادوں کے نظرئیے'' کا حامی ھے - اس کا یہ خیال ھے کہ یہ نظریہ ھند یوروپی خاندان السنہ کی مختلف بولیوں کے حقائق کے استقراء کا نتیجہ ھے - اس نظرئیے کی بنیاد استقراء کی منطقی ضرورت پر استوار ھے اور یہ ضرورت گرامر کی ھئیتوں کے تاریخی ارتقاء سے مستلزم ھے - ان ھئیتوں کا بھدا آغاز مادوں ھی کے ذریعے ھوتا ھے وھٹنے، میکس ملر کے برعکس، یہ رائے ظاھر کرتا ھے کہ زبان کو بولیوں پر تقدم حاصل ھے - بولیاں اپنے اختلاف کے باوجود ایک مشترک سر چشمے سے تعلق رکھتی ھیں -

وھٹنے اور میکس ملر کے یہاں بہت سے اختلافات نظر آتے ھیں، اور ان کی باھمی چشمک کے ثبوت بھی ملتے ھیں - لیکن بعض اعتبار سے ان میں یکسانیت بھی ھے - دونوں گذشتہ لسانی تحقیقات میں سے اکثر کے مبلغ و مفسر ھیں، دونوں کے یہاں نابغہ کی خصوصیات ناپید ھیں، دونوں زبان کے اسرار و رموز کی وضاحت کرتے ھیں، خصوصاً ھند یوروپی زبانوں کے الفاظ اور ھئیتوں کی - دونوں میں اتنی بصیرت نہ تھی کہ ''لسانیات'' کی نئی سائنس کی دلفریبیوں کی تہ میں اس کی لغزشوں کو دیکھ سکتے - دونوں، مادوں کو زبان کی بنیادی حقیقت اور لسانیات کا نقطۂ آغاز سمجھتے ھیں - قدیم ھند یوروپی کی ساخت، مادوں اور ان کی حیثیت، لسانیاتی ھئیتوں کی تشکیل، ارتقا اور انحطاط وغیرہ سے متعلق ان کے خیالات کم و بیش وھی ھیں، جو ان کے ھمعصروں کے تھے -

تقابلی لسانیات کا دور جدید

فرانز بوپ سے لے کر آگسٹ فک تک تقابلی لسانیات نے ترقی کی خاصی منزلیں طے کر لی تھیں - تقابلی گرامر کے ساتھ ساتھ صوتیات کو بڑی اھمیت حاصل ھوچکی تھی - صوتی تبادل کا قانون دریافت ھو چکا تھا اور اصوات کے ارتقا کی تنظیم پر ماھرین لسانیت کی

گرفت خاصی مضبوط ہو چکی تھی - لیکن بعض موقعوں پر صوتیات کے سلسلے میں کچھ لغزشیں بھی ہوتی رہیں - مثلاً جہاں کہیں ان عالموں نے ہند یوروپی ''ک'' کو نقطہء آغاز فرض کیا، وہاں انہیں سنسکرت میں ''ک'' یا ''چ'' یا ''ش''، لاطینی میں ''ک'' یا ''ق'' اور یونانی میں ''ک'' ''پ'' اور ''ت'' نظر آئے - صوتی ارتقا کے یہ مباحث واضح اور صاف نہیں ہیں - کوئی عالم یہ دریافت نہ کرسکا تھا کہ جرمانی زبانوں میں ''ف'' اور ''ب'' ــ، ''پ'' اور ''د'' ــ ''ہ'' اور ''گ'' کا ایک دوسرے سے تبادل ہوتا ہے ــ اس دور میں مصوتوں کے ذیل میں بھی خاصا الجھاؤ ملتا ہے ــ **شلیخر** کے نزدیک ہند یوروپی مصوتے صرف تین تھے a، i اور u ــ جہاں تک ''i'' اور ''u'' کا تعلق ہے **شلیخر** کا موقف درست ہے کیوں کہ یہ مصوتے، متفرع زبانوں میں مستقل طور پر پائے جاتے ہیں - لیکن اس نے ہند یوروپی قصیر ''a'' کا جو ارتقا دکھایا ہے، وہ خاصا پیچیدہ ہے ــ یہ مصوتہ اکثر زبانوں میں a، o، u، e اور i کی حیثیت سے اتنی بے ترتیبی سے ملتا ہے کہ ان کی باقاعدہ اور منظم مماثلت متعین کرنا دشوار ہے - اصوات کے ارتقا میں جو مستثنیات تھے، ان کی توجیہ کر کے قوانین اصوات کی باقاعدگی اور تنظیم کا ثبوت کوئی نہ پیش کر سکا تھا ــ

سنہ ۱۸۷۰ع سے تقابلی لسانیات کا دور جدید شروع ہوتا ہے ــ بہت سے انکشافات کے ذریعہ ہند یوروپی اصوات کے ارتقا کی مستثنیات کی توجیہ کی گئی اور یہ نظریہ پیش کیا گیا کہ صوتی قوانین میں کوئی استثنا نہیں ہوتا - زبان کی زندگی اور ارتقا کا مطالعہ زیادہ دقت نظر سے کیا جانے لگا ــ صوتیات اور جدید زبانوں پر توجہ مرکوز کی جانے لگی- ماہرین لسانیات نے مردہ زبانوں کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ زندہ زبانوں کی ارتقائی کیفیتوں کا خصوصی مشاہدہ شروع کیا - اس نئے نقطہء نظر کی بدولت تقابلی لسانیات میں ''نحو'' کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہوگئی

سنسکرت کی اهمیت پہلے سے کچھ کم ہوگئی اور یہ ثابت ہو گیا کہ بعض اعتبار سے یونانی، سنسکرت سے زیادہ قدیم ہے - تقابلی لسانیات کے دور اول میں هند یوروپی مصوتوں کی تحلیل کا تصور، سنسکرت قواعد دانوں کی ''سندھی'' سے زیادہ نہ تھا، اور جہاں کہیں ''سندھی'' سے انحراف ہوتا، وهاں افراط و تفریط هی نظر آتی - دور جدید میں تحلیل پر غور و خوض کر کے گرم کے ''رمزیت اصوات'' کے تصورات سے بالکل مختلف راهیں نکالی گئیں - نئی تحقیقات کی بدولت هم یہ کہ سکتے هیں کہ اب همیں قدیم ترین مصوتوں کی تحلیل کے آغاز و مناهج کا تھوڑا بہت اندازہ ہو گیا ہے - تحلیل کی تمام نوعیتیں صوتی تغیرات کے مرهون منت هیں لیکن وہ تغیرات جن کے نتائج ابتدائی هند یوروپی میں موجود هیں، یقیناً اس زبان سے قدیم تر هیں - گویا زبانوں کے تقابلی مطالعہ نے جوقدیم ترین لسانی دور پیش کیا ہے، اس سے بھی پہلے کے لسانی دور کا قیاس ممکن ہو گیا ہے - بعض صوتی، تغیرات قدیم ترین هند یوروپی کے ماقبل تاریخ، دور سے تعلق رکھتے هیں - اگر هم ان تغیرات کو نظر انداز کر دیں تو تاریخ اصوات کا رخ هی بدل جائے - جس قدیم ترین زبان میں یہ تغیرات نہیں ہوئے تھے، اس کی سنسکرت اور یونانی سے مماثلت ایسی هی ہے، جیسی ''لاروے'' کی تتلی سے -

حنکی قانون

اس دور کی سب سے اهم دریافت ''حنکی قانون'' ہے - جب تک یہ خیال عام رہا کہ سنسکرت میں قدیم ترین هند یوروپی صوتی نظام بنیادی طور پر محفوظ رہ گیا ہے اور یونانی و لاطینی مابعد دور کا صوتی نظام پیش کرتی هیں، اس وقت تک یہ نہیں سمجھا جاسکا کہ جن موقعوں پر دوسری زبانوں میں غشائی ک اور گ هیں، ان موقعوں پر سنسکرت میں حنکی ''چ'' اور ''ج'' کیوں ملتے هیں - هند یوروپی کے تین مصوتوں کا خیال اس لئے عام ہو گیا تھا کہ سنسکرت کا جو قدیم

ترین اور اصل ماخذ سے قریب ترین سمجھی جاتی تھی، a دوسری زبانوں کے a، e، o کے مماثل ہمیشہ اور نظم سے نظر آتا تھا۔ لیکن اب یہ حقیقت واضح ہوتی گئی کہ سنسکرت یا ہند ایرانی میں a سے پہلے کے ''غشائی مصمتے، اس وقت'' ''حنکی'' ہو جاتے ہیں، جب a، جب دوسری زبانوں کے ''e'' کے مماثل ہوتا ہے۔ اس حقیقت کے واضح ہونے پر ''حنکی قانون'' وضع کیا گیا۔ جو سنہ ۱۸۷۸ع میں شائع ہوا۔

''حنکی قانون یہ ہے کہ سنسکرت یا ہند ایرانی ''حلقی یا غشائی'' مصمتے اس وقت ''حنکی'' ہو جاتے ہیں جب وہ مصوتے a کے ما قبل ہوں اور یہ ''a'' یوروپی ''e'' کا مماثل ہو۔ لیکن اگر ہند ایرانی ''a'' یوروپی ''a'' یا ''o:'' کا مماثل ہو تو اس کے ما قبل حلقی یا غشائی مصمتے تبدیل نہیں ہوتے۔

''حنکی قانون کی دریافت کا سہرا کسی ایک عالم لسانیات کے سر نہیں باندھا جا سکتا بقول جسپرسن سب سے پہلے ولہم تھامسن نے اپنے سنہ ۱۸۷۵ع کے لکچروں میں اس قانون کی طرف اشارہ کیا تھا، لیکن وہ جس مضمون میں اسے تفصیل کے ساتھ ایک قانون کی حیثیت سے پیش کرنا چاہتا تھا' دو سال بعد مکمل ہو سکا اور ابھی منظر عام پر نہ آسکا تھا کہ اسے یہ پتہ چلا کہ جونس شمڈت اسی موضوع پر کچھ لکھ رہا ہے۔ Esais Tegner نے بھی اپنے طور پر اس قانون کو دریافت کیا، اور ابھی اس نے صرف پانچ صفحے چھپوائے تھے کہ اسے کولز اور دا سا سر کی اسی دریافت کا علم ہوا۔ اس لئے اس نے مزید کچھ طبع کرانے کی ضرورت نہ محسوس کی۔ کارل ورنر نے بھی اپنے وسیع مطالعے اور غور و فکر سے اس قانون کو دریافت کیا۔ اسے دوسرے عالموں کی دریافت کا علم نہ تھا۔

اس قانون سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ سنسکرت میں ابتدائی طور پر ''e'' اور ''o'' تھے۔ پیشیں مصوتے ''e'' کے پہلے کے

مصمتے حنکی ہو گئے ، اور ''e'' 'a' بن گیا ۔ اس قانون کی دریافت کے بعد ہند یوروپی مصوتوں کے تغیرات، تقلیب اور تحلیل کے نظرئیے پر نظر ثانی کی گئی اور یہ ثابت کیا گیا کہ مصوتوں کے بیشتر تغیرات ایک عظیم اور منفرد و مستقل نظام پیش کرتے ہیں ۔

تقابلی لسانیات کے دور جدید کے جن علماء نے مصمتوں اور مصوتوں کی الجھنوں کو دور کیا، ان میں اطالوی عالم ایس کولی، ڈینش علماء ولہم تھامسن اور کارل ورنر، فرانسیسی عالم فرڈی ننڈ داساسر اور جرمن عالم کارل بروگ مین نمایاں نظر آتے ہیں -

دور جدید کی نئی دریافتوں کا آغاز ایسکولی سے ہوتا ہے - بوپ اور شلیخر یہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ جہاں تک ''ک'' کے بحث کا تعلق ہے، سنسکرت اصل ماخذ سے بہت دور ہو چکی ہے، اسی لئے وہ سنسکرت میں ''ک'' کے چوہرے اور یونانی کے تہرے نظام کی توجیہ نہ کر سکے - ایسکولی نے یہ ثابت کیا کہ ''ک'' کے اعتبار سے ایرانی، سنسکرت سے زیادہ قدیم اور واضح ہے - اور ان کے ماخذ ہند یوروپی میں ''ک'' کا ایک سلسلہ (ک، گ، گھ) نہیں بلکہ تین بالکل مختلف سلسلے ہیں ''ک'' اور ''س'' وہ فرق ظاہر کرتے ہیں جو ماخذ سے متوارث ہے - لاطینی ک اور ق، جو یونانی ''ک'' اور ''پ'' کے مماثل ہیں، دوسرے ابتدائی فرق کے مظہر ہیں - لیکن ایسکولی کا یہ خیال درست نہیں کہ سنسکرت ''چ'' ماخذ کے ''ک'' کا ایک پہلو پیش کرتا ہے - سنسکرت ''چ'' بر صغیر کے صوتی قانون کی وجہ سے ہے ۔ وہ مابعد مصوتے کے زیر اثر ''ک'' سے ارتقا پاتا ہے ۔ بجنسہ اسی طرح، جس طرح یونانی ''ت''، ''ک'' کی آوازوں میں سے ایک آواز کے، مابعد مصوتے کے زیر اثر وجود میں آتا ہے ۔

ایسکولی کی لغزش کا رد عمل یہ ہوا کہ ہند یوروپی ''ک'' کی آوازوں پر زیادہ سے زیادہ تحقیق کی گئی اور ''حنکی قانون'' کی دریافت سے

پہلے ہی قیاس کے بل بوتے، ایسکولی کے مستنبط نتائج کا کچھ حصہ رد کر دیا گیا ۔ اب ماہرین لسانیات ہند یوروپی میں ''ک'' کی آوازوں کے دو سلسلوں کی نشان دہی کرنے لگے ۔ ان کے تین سلسلے تسلیم کرنے کی ضرورت بعد میں ثابت ہوئی جب سنہ ۱۸۹۰ع کے لگ بھگ جیزن برگر، ہرمین اوستھوف اور سوفس بگ نے یہ ثبوت مہیا کیا ۔

کارل ورنر نے سنہ ۱۸۷۵ع میں ''خنکی قانون'' کے منظرعام پر آنے سے پہلے، جرمانی مصمتوں کے پہلے تبادل کے استثنا پر اپنا مشہور مقالہ شائع کیا ۔ اب تک جرمانی گروہ میں تبادل کی بد نظمی کی کوئی توجیہ نہ ہو سکی تھی - ورنر نے پہلی بار اس کی توجیہ کر کے یہ ثابت کیا کہ جرمانی گروہ کے صوتی تبادل میں مستثنیات صوتی قوانین کے منافی نہیں ہیں ۔ اور ان صوتی قوانین میں استثنا کی کوئی گنجائش نہیں ۔

ورنر کے نزدیک جرمانی گروہ میں ان تغیرات کا موجب ہندیوروپی لہجہ ہے، جو سنسکرت میں تو محفوظ رہ گیا لیکن جرمانی میں ماقبل تاریخ عہد ہی میں مٹ گیا تھا - سنسکرت لہجہ کا تبادل جرمانی مصمتوں کے تبادل سے بالکل ملتا جلتا ہے - اس کا ثبوت بعض انفرادی الفاظ اور قوی افعال کے منصرفات سے پیش کیا جا سکتا ہے - قدیم جرمانی میں لہجے کی وجہ سے مصمتوں کی جو تبدیلیاں ہوئی تھیں، وہ بعض صورتوں میں اختتامیوں اور مادوں پر منحصر ہیں اور اس اعتبار سے جدید جرمانی گروہ کے تبادل سے کچھ مختلف ہیں ۔ ورنر کی بدولت یہ وضاحت بھی ہوگئی کہ جرمن میں ت اور د کا تبادل تین چار ہزار سال پہلے لہجے کے اختلاف کی وجہ سے ہو گیا تھا ۔ انگریزی was اور were کے s اور r کا فرق سنسکرت واحد، جمع سے تعلق رکھتا ہے ۔ سنسکرت میں واحد کے مادہ پر لہجہ کا زور ہوتا ہے اور جمع کے اختتامیے پر ۔

ورنر کی تحقیقات سے یہ واضح ہو گیا کہ بنیادی آوازوں یا ''فونیم'' کے ہر پہلو کا گہرا مطالعہ کرنا اور اصوات کے ارتقا کو صحت کے ساتھ ملحوظ رکھنا اشد ضروری ہے ــ نیز یہ سمجھا جانے لگا کہ اصوات کے اصول و قوانین ایسے جامع و مانع ہیں کہ ان کا تقابل طبعی سائنس کے قوانین سے ہو سکتا ہے۔

کارل بروگ مین نے سنہ ۱۸۷۶ع میں ہند یوروپی غنوں پر ایک مقالہ لکھا جس میں اس نے اس بات پر زور دیا کہ ہند یوروپی ماخذ یا منبع میں مصوتوں سے عاری مقاطع یا ارکان ہونے چاہئیں، ایسے ارکان جن میں ''ن'' یا ''م'' رکنی عمل انجام دیتے ہیں ــ اس کی اس رائے کے ثبوت میں یہ مثالیں پیش کی جاتی ہیں :ــ

سنسکرت ۔ شتام (سو) یونانی ''ھےکٹون'' (سو) اس نے ایسے ارکان، بھی تسلیم کئے ہیں جن میں ر (ل) کا رکنی عمل ہو ۔ مثلاً سنسکرت رنکشاس (ریچھ)

اردو اور جدید ہند آریائی میں مصوتہ مغنونہ سے اس کی مثالیں دی جا سکتی ہیں ــ ''ر'' مغنونہ سنسکرت اور بعض سلاوی زبانوں میں ملتا ہے ۔ بین فے نے سنہ ۱۸۳۷ع میں اور ایبیل نے سنہ ۱۸۵۲ع میں اس کی نشان دہی ہند یوروپی منبع میں کی تھی ۔ چونکہ ''ر'' مغنونہ کسی مکمل ''رکن'' کی تضعیف کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے اس لئے شلیخر اسے ہند یوروپی منبع سے متعلق نہیں سمجھتا تھا ۔ چنانچہ اس نے اس نشان دہی کو صحیح تسلیم نہیں کیا تھا ــ

بروگ مین کے پیش کردہ حروف غنہ ان لوگوں کے لئے جو جرمانی اور رومانوی زبانوں ہی کا تلفظ ادا کرنے کے عادی ہیں ۔ حیران کن ہیں انگریزی میں ان کی مثالیں ناپید نہیں Cotton ‘Heaven وغیرہ میں مصوتہ + n کا یا Chisel میں مصوتہ + ما کا تلفظ ادا نہیں کیا جاتا بلکہ صرف ''n'' یا ''ما'' کا کیا جاتا ہے ۔ لیکن اس کے باوجود

انگریزی بولنے والوں کے لئے ان حروف غنہ کا "a" "e" "i" "o" "u" کے ساتھ ساتھ تذکرہ حیران کن ضرور ہے - بروگ مین نے یہ ثابت کیا ہے کہ ہند یوروپی صوتی تغیرات میں حروف غنہ اتنی ہی اہمیت رکھتے ہیں، جتنی i اور u اور en اور on، er اور or وغیرہ کی ویسی ہی اہمیت ہے جیسی ei اور oi، eu اور ou وغیرہ کی -

جب تک شلیخر کا یہ نقطہء نظر مقبول رہا کہ ما قبل تاریخ عہد میں زبان میں کسی قسم کا انحطاط نہیں ہوا بلکہ ارتقا ہی ہوتا رہا، اس وقت تک ماہرین لسانیات یہ سمجھتے رہے کہ ہند یوروپی خاندان السنہ کی قدیم ترین مابہ‌الامتیاز خصوصیت یہی ہے اور تسلیم کیا جاتا رہا کہ اس خاندان میں ابتدا ہی سے یک جزے یا احادی المقاطع مادوں کا وجود تھا اور ہند یوروپی ماخذ میں شاخ در شاخ زبانوں اور بولیوں میں منقسم ہونے تک تصریف و اشتقاق کے مکمل ترین روپ تھے، جن میں نحت و تخریب، حذف و سقوط ہوا تھا، نہ گرامر کی ہئیتوں کا انحطاط - مصوتوں کی خفیف تبدیلیاں ضرور رونما ہو چکی تھیں - یہ قدیم ہند یوروپی دور لسانی عروج کا دور تھا — لیکن تقابلی لسانیات کے دور جدید میں اس دور کو بھی انحطاطی سمجھا جانے لگا اور یہ خیال ظاہر کیا جانے لگا کہ اس سے پہلے کے ادوار میں مادوں کے اور ہی روپ ہونگے - بعض وہ اجزاء و عناصر جو دور تاریخ کے تصریفی یا اشتقاقی اختتامیے سمجھے جاتے ہیں، پہلے ہی سے مادوں کے اجزائے لاینفک ہونگے — ہند یوروپی deiwos، قدیم لاطینی deivos لاطینی deus اور ہند یوروپی dyeu-s، سنسکرت "دیاوش" یونانی zeus وغیرہ سے یہ استنباط کیا جانے لگا کہ deiwo-s میں جو مصوتے d اور w کے اور dyeu-s میں y کے بعد ہیں، وہ مصوتی تغیرات کا نتیجہ نہیں بلکہ قدیم ترین الفاظ کے اجزاء ہیں — اس طرح ماقبل ہند یوروپی مادہ de-ye-we (da-ya-wa) کا پتہ چلا یعنی سہ جزے مادوں اور ان

کے سیدھے سادے جزوں کا علم ہوا - ماقبل تاریخ دور کے مصوتوں کا قیاس تو ممکن ہو گیا لیکن مصمتوں کی قدیم حیثیت پر کوئی روشنی نہ پڑ سکی ــ

تقابلی لسانیات کے دور جدید کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اصوات کے ارتقا میں اصول و قوانین سے وابستگی پر زور دیا جانے لگا، جہاں کہیں بدنظمی نظرآتی، اس کی علمی توجیہ کر کے اصول و قوانین کی جامعیت ثابت کی جاتی - بعض موقعوں پر صوتی تغیرات کی بدنظمی کی توجیہ کے لئے تاریخ اصوات کے تحقیقی جائزے کے بجائے محض نظری تحقیق سے کام لیا جانے لگا اس ضمن میں **ولہم شیرر** کا نام خاص طور پر لیا جا سکتا ہے - **شیرر** نے مختلف قوموں کے مزاج اور مذاہب کی بنیاد پر ان کی زبانوں میں اصوات کے ارتقا کی توجیہ کی ہے اور **شلیخر** کے فلسفیانہ افسوں کو زائل کر کے لسانی تجربوں کی اہمیت کا احساس دلایا ہے - وہ تاریخ اصوات کے ہر مسئلہ پر علم اصوات سے رجوع کرتا ہے - اس کے نزدیک زبان کے تاریخی اور ما قبل تاریخ ادوار میں صرف زبان کے سر چشموں کی نوعیتوں ہی کا فرق ہو سکتا ہے- اسی لئے اس نے زبان کی قدیم ترین صورتوں کی توجیہ کے لئے بعض ایسے اصولوں کا بھی اطلاق کیا ہے، جن سے ما قبل تاریخ دور کا لسانی انحطاط مترشح ہے ــ اس نے زمانہ حال کے صیغہ واحد متکلم کی مختلف صورتوں کا جائزہ لے کر یہ واضح کیا کہ یونانی میں اس کی اختتامیہ علامت mi بھی ہے اور ''o'' بھی مثلاً Phero (میں لے جاتا ہوں) ei-mi (میں جاتا ہوں) dida-mi (میں دیتا ہوں) - دوسری یوروپی زبانوں اور اوستا میں بھی یہی دونوں علامتیں مل جاتی ہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ ''o'' علامت کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں - سنسکرت میں اس صیغے میں واحد متکلم کی علامت ''mi'' ہی نظر آتی ہے - مثلاً ''بھارے می'' (میں لے جاتا ہوں) ای می (میں جاتا ہوں) - دادے می (میں دیتا

ہوں) ماہرین لسانیات نے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ سنسکرت ''mi'' انتہائی قدیم علامت کا ترجمان ہے - لیکن شیرر کے نزدیک کم سے کم ''بھارے می'' میں اس علامت کی قدامت مشکوک ہے - اس کی یہ رائے ہے کہ ''ای می''، ''دادے می'' وغیرہ پر سے قیاس کر کے ''بھارےاو'' کی جگہ ''بھارے می'' کہا جانے لگا اور اس طرح غلط قیاس تمثیلی نے ''o'' کو ''mi'' میں بدل دیا - اسی بنیاد پر سنہ ۱۸۷۵ع میں شیرر نے یہ نظریہ پیش کیا کہ ''تاریخ میں جو صوتی تغیرات نظر آتے ہیں، وہ مستقل اصولوں اور قوانین کے ماتحت ظہور پذیر ہوئے ہیں، ان اصولوں میں کوئی بد نظمی نہیں، اگر کہیں نظر بھی آتی ہے تو کسی نہ کسی اصول کے ماتحت'' - ورنر نے بھی سنہ ۱۸۷۵ع میں یہی بات یوں کہی تھی کہ صوتی تغیرات میں بد نظمی کا بھی کوئی اصول ضرور ہونا چاہئے۔ لسانیات کا سب سے بڑا مسئلہ اسے دریافت کرنا ہے'' -

جن ماہرین نے اس نقطہء نظر کی تبلیغ میں شدت اختیار کی، ان میں بروگ مین ڈیلبروک، اوستھوف اور پال پیش پیش نظر آتے ہیں - اس کا رد عمل یہ ہوا کہ تاریخ لسانیات میں خاصی چشمکیں ظہور میں آئیں - کرٹی اس اس وقت زندہ تھا اور اس نے بروگ مین کے اشتراک سے ''لسانیات'' سے متعلق ایک رسالہ شائع کرنا شروع کر رکھا تھا - لیکن چونکہ وہ جدید رجحانات سے بدکتا تھا، اس لئے اس نے اس نئے نقطہء نظر کی بڑی مخالفت کی - جب اس کی عدم موجودگی میں لیپزگ سے رسالہ شائع ہوا تو اس میں بروگ مین کا ایک مضمون چھپ گیا جو لاطینی گرامر سے متعلق تھا اور اس نئے نقطہء نظر سے لکھا گیا تھا - کرٹی اس اور بروگ‌مین کی چشمک کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسالہ بند ہو گیا - بروگ مین اور اوستھوف نے ملکر دوسرا رسالہ شائع کرنا شروع کیا - بروگ مین کے ہم سبق طلبہ میں سے شمدٹ اور کولٹیز نے اپنے استاد کرٹی اس کی حمایت میں،

نئے نقطۂ نظر کی تردید کرنے کی کوششیں کیں - کچھ مدت تک اصول لسانیات پر اچھی خاصی بحث و تمحیص ہوتی رہی - جس کے نتیجے میں نت نئے نظرئیے پیش کئے گئے ـ چنانچہ اوستھوف نے یہ نظریہ پیش کیا کہ صوتی تغیرات عضویات کے مرہون منت بھی ہیں اور نفسیات کی تمثیلی تبدیلیوں کے بھی - تاریخی گرامر کے اکثر عالموں نے اس نظریہ کو پتھر کی لکیر سمجھ لیا ـ صوتی تغیرات کی بد نظمی کی تاویل و توجیہ کے لئے قیاس تمثیلی کو زیادہ سے زیادہ اہمیت دی جانے لگی ـ اب سے پہلے بھی اس طرح کی کچھ توجیہات کی گئی تھیں، لیکن یہ توجیہات سرسری تھیں اور ''غلط قیاس تمثیلی'' کی اصطلاح مستعمل تھی - نئی نسل نے اس اصطلاح کی مذمت کی اور یہ خیال ظاہر کیا کہ تمثیلی تشکیلات، زبان کے ایک اہم اصول کی ترجمان ہیں ـ

''قیاس تمثیلی'' پر مدلل بحث کرنے والوں میں ہرمین پال کا نام سر فہرست نظر آتا ہے ـ مندرجہ ذیل اقتباس سے اس کے استدلال کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے :

''یہ سیدھی سادی حقیقت نظر انداز نہیں کی جانی چاہئے کہ ہند یوروپی ماخذ میں، زبانوں اور بولیوں میں منقسم ہونے سے قبل مادے لاحقے، تصریفی علامات وغیرہ کا وجود نہ تھا، بلکہ صرف مکمل الفاظ تھے جنہیں ترکیبی ماہئیت کا خیال کئے بغیر استعمال کیا جاتا تھا - زبان کا سرمایہ ایسے ہی الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے، اور بولنے والے اس سرمایہ سے حسب ضرورت الفاظ لے کر استعمال کرتے ہیں - ان کے اختیار میں ایسے مادے اور لاحقے وغیرہ نہیں ہوتے جن کی مدد سے وہ مختلف موقع محل کے مطابق تصرفات یا تصریف کر کے الفاظ گھڑ لیں - کلمات اور فقروں کو لازماً ازبر نہیں کیا جاتا ـ مادے اور لاحقوں کو باقاعدہ ترکیب نہیں دیا جاتا بلکہ سنے سنائے الفاظ پر سے قیاس کر کے انہی نوعیتوں

اور ڈھانچوں کے الفاظ اور مشتقات استعمال کئے جاتے ھیں - سنے سنائے الفاظ ضرور یاد رکھے جاتے ھیں اور ان میں سے جو گرامر کی ھئیتوں کے اعتبار سے مماثل ھوتے ھیں انہیں ایک ھی زمرہ میں شمار کیا جاتا ھے۔ انہی پر قیاس کر کے، دوسرے الفاظ کی تصریف ھو جاتی ھے ۔ یہی قیاس تمثیلی ھے ۔ بولنے والے اپنے حافظہ اور یاد داشت سے بہت سے الفاظ کی باز آفرینی کرتے ھیں اور تلازمے کے ذریعہ نئے الفاظ گھڑ لیتے ھیں ۔ یہ سمجھ لینا درست نہیں کہ گرامر کی کتابوں یا لغات میں زبان کی تمام ممکنہ الفاظ اور اس کی ھئیتیں موجود ھوتی ھیں ۔ زبان کا وجود تو افراد میں ھوتا ھے - زبان کی سائنسی تحقیق کرتے وقت بھی اسے افراد سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا ۔ زبان سے نکلے ھوئے ھر لفظ کے متعلق یہ نہیں پوچھا جا سکتا کہ کیا وہ زبان میں مروج ھے؟ کیا وہ، گرامر کے ماھرین کے بتائے ھوئے قاعدوں کے مطابق ھے؟ کیا بولنے والے کے حافظے میں وہ پہلے سے محفوظ تھا؟ اگر اس نے پہلی بار استعمال کیا ھے تو کس قیاس تمثیلی پر؟'' 1

اس اقتباس کے تکملے کے طور پر پال کے نقطۂ نظر کی مثال یوں پیش کی جا سکتی ھے ۔ فرض کیجئے کسی شخص نے صیغہ واحد ''گھوڑا'' تو سن رکھا ھے لیکن اسے صیغہ جمع اور اس کی حالت فاعلی سننے کا اتفاق نہیں ھوا البتہ سن سنا کر یہ جانتا ھے کہ ''لڑکا'' کی جمع ''لڑکے'' اور جمع کی حالت فاعلی ''لڑکوں'' ھے وہ ''کوا'' اور اس کے منصرفات ''کوے'' ''کووں'' بھی سن چکا ھے، اسے ''بندہ'' کی جمع اور اس کی فاعلی حالت ''بندے'' اور بندوں'' کا بھی علم ھے تو غیر شعوری طور پر گھوڑا، گھوڑے اور گھوڑوں کا تلازمہ اس کے ذھن میں

۱- بحوالہ جسپرسن ''زبان-اس کی ماھئیت ارتقا اور آغاز'' صفحہ ۹۵

آجائے گا اور وہ حسب موقع ''گھوڑے'' یا گھوڑوں، استعمال کریگا -

پال کی مشہور تصنیف ''اصول لسان'' نے جس کا پہلا ایڈیشن سنہ ۱۸۸۰ع میں شائع ہوا، لسانیاتی افکار کو بہت زیادہ متاثر کیا - اس کتاب کی بعد کی اشاعتوں میں معتد بہ اضافہ ہوتا رہا - پال نے لسانی تغیرات پر جامع بحث کرکے، بے شمار مثالیں پیش کی ہیں اور ''نحو'' پر خصوصی توجہ دی ہے - پال کے زیر اثر بہت سے عالموں نے ''نحو'' کی اہمیت پر زور دیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ تقابلی اور تاریخی مطالعہ کے ذریعہ ''صورتیات'' پر ہی نہیں، ''نحو'' پر بھی اچھی روشنی پڑتی ہے - بلوم فیلڈ، اس عہد کے ماہرین پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہے کہ ''لسانیات کے دو مختلف دھارے تاریخی و تقابلی اور بیانیہ و فلسفیانہ کے امتزاج سے کچھ ایسے اصولوں کی وضاحت ہو گئی، جو انیسویں صدی کے ہند یوروپی ماہرین لسانیات کے علم میں نہ تھے، اس امتزاج کی بہترین نمائندگی ہرمین پال کے یہاں ملتی ہے'' 1

اس عہد کا ایک اور ممتاز عالم فرڈی ننڈ داساسر ہے، جس نے اسکول کی طالب علمی ہی کے زمانے میں غنوں کی اہمیت محسوس کرلی تھی - ہند یوروپی ن، م، ل، ر کے رکنی نظرئیے کی تکمیل کا سہرا اسی کے سر ہے - اس نے ہند یوروپی ''a'' کے تغیرات کی بڑی چابکدستی سے توجیہات کی ہے اور ہند یوروپی نظام مصوتہ کے تصور میں زیادہ جامعیت پیدا کی ہے - نیز سلاوی اور لتھونی زبانوں کے لہجوں پر داد تحقیق دے کر ان کی انوکھی لیکن مشترک ارتقائی خصوصیات کو واضح کیا ہے - تاریخ لسانیات میں داسا سر کو اس کی بیانیہ لسانیات یا فقہ لسان کی وجہ سے بھی اہمیت دی جاتی ہے - اس نے بیانیہ لسانیات کے اصول و مناہج کی تشکیل بہ طریق احسن کی ہے -

---

۱- بلوم فیلڈ بحوالہ ''مطالعۂ لسان'' صفحہ ۱۹ (کیرول)

انیسویں صدی کے آخر تک ھند یوروپی زبانوں کے تمام پہلوؤں پر نئے انکشافات اور نئے مناہج سے تحقیق و تفتیش کی داد دی جا چکی تھی اس ضمن میں عضویاتی علم اصوات صوریات، نحو اور معنویات پر خصوصی توجہ مرکوز کی جاتی رھی ۔ اس دوران میں الفاظ پر، ان کی انفرادی حیثیت ملحوظ رکھ کر ھی غور و فکر نہیں کیاگیا بلکہ انہیں اجزائے کلام اور مربوط گفتگو کے عناصر کی حیثیت سے بھی پرکھا گیا ۔ اصوات جمل لہجہ، زیر و بم، آھنگ وغیرہ پر زیادہ زور دیا گیا اور آھستہ آھستہ صوتیہ (Phoneme) کا تصور پیدا ھوا ۔ اس تصور کی بدولت زبان کا کماحقہ، تجزیہ ممکن ھو گیا - روسی ماھرین لسانیات باڈوین داکورٹینے اور کرزیوسکی نے اس تصور کو سب سے پہلے پیش کیا ۔ پراگ کے ماھرین لسانیات جیکب سن (سنہ ۱۹۲۸ع) اور ٹروبسکی (سنہ ۱۹۳۹ع) نے اسے زیادہ وضاحت اور چابکدستی سے فروغ دیا ۔ اس تصور نے ایک ذیلی علم، صوتیات، (Phonemics) کی حیثیت حاصل کرلی ۔ عضویاتی اصوات اور نفسیات لسان کے پیش روؤں میں ھنری سویٹ کا نام سر فہرست نظر آتا ھے ۔

امریکہ میں لسانیات کی روایات تو وھٹنے (سنہ ۱۸۲۷-۱۸۹۴ع) نے قائم کی تھیں، لیکن انہیں فروغ دینے کا شرف فرانز بواس کو حاصل ھے، بواس نے ''لسانیات'' کی تعلیم یوروپ میں حاصل کی تھی- اس نے ریڈانڈین زبانوں سے متعلق معتدبہ مواد اکھٹا کر کے ایک ضخیم کتاب شائع کی جس کے دیباچے میں بیانیہ لسانیات یا فقہ لسان کے نازک مسائل و مباحث میں موشگافیوں سے کام لیا ھے ۔ بواس کے بعد ایڈورڈ ساپر اور بلوم فیلڈ نمایاں نظر آتے ھیں- امریکی تاریخ لسانیات دراصل ساپر اور بلوم فیلڈ کے اثرات کی تاریخ ھے - ان دونوں کو ایک دوسرے کا تکملہ قرار دیا جا سکتا ھے ۔ ان لوگوں نے زبان کے میکانکی پہلو، صوتیوں اور صوریاتی اکائیوں پر خصوصی توجہ

دی ہے اور ان کی بنیاد پر لسانی ساخت کا جامع اصول مرتب کرنے کی کوشش کی۔ ان کے نزدیک لسانی تجزیہ ایک طرح کا منطقی علم الاحصاء ہے، جس کا مقصد زبان کی بنیادی اکائیوں کی دریافت اور ان کی ترتیب و تنظیم ہے۔ ساپر اور بلوم فیلڈ کے مناہج مطالعہ کو ہیرس نے فروغ دیا۔ ان تینوں کے زیر اثر امریکی ماہرین لسانیات کا عام رجحان یہ ہو گیا کہ زبان کی بنیادی اور ذیلی آوازوں کو نظم و ترتیب کے ساتھ ابھارا جائے، پھر صوریات اور معنویات سے بحث کی جائے۔

یوروپ میں بیانیہ لسانیات اور تاریخی و تقابلی لسانیات (خصوصاً ہند یوروپی تقابلی لسانیات) کو فروغ تو ہوتا رہا لیکن زبان کے نظری مسائل پر زور دینے کا رجحان غالب آتا گیا۔ ماہرین علم اصوات میں انگلستان کے عالم هنری سویٹ کے علاوہ ڈنمارک کے آٹو جسپرسن لن ڈیل (سویڈن)، اولاف بروخ (ناروے) روزے لوٹ (فرانس) کا نام لیا جا سکتا ہے۔ آٹو جسپرسن کی معرکتہ الارا کتابیں ''زبان اس کی ماہیئت، ارتقا اور آغاز'' اور ''گرامر کا فلسفہ'' تاریخ لسانیات میں خاصی اہمیت رکھتی ہیں۔

جسپرسن لسانیاتی حیاتیات یا بولنے والے افراد کے سوانحی خاکے پیش کرکے ''لسانیات'' کی وضاحت کرتا ہے۔ اس کا یہ خیال ہے کہ بچوں کی بول چال کے گہرے مطالعے سے زبان کی زندگی اور اس کے ارتقا سے متعلق بہت سی مفید باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ اس نے صوتی تغیرات کے تین مدارج بتائے ہیں یہ تغیرات بچوں اجنبیوں اورعورتوں کی زبان کے اثرات سے وجود میں آتے ہیں۔ وہ زبان سے متعلق مسلمہ نظریات کی تردید کرتے ہوئے رقمطراز ہے کہ ''قدیم زبانوں کے برائے نام جامع اور متنوع قاعدے اور اعرابی لاحقے یا اختتامیے، زبان کا حسن نہیں، عیب ہیں، جنہوں نے زبان کے چہرے کو بھدا اور داغدار کو دیا ہے''۔ زبان کے ارتقا سے متعلق مسلمہ نظریہ یہ تھا کہ زبان انحطاط

پذیر ہے - جسپرسن اس نظرئیے پر کڑی نکتہ چینی کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ ''زبان کے بارے میں جو بحثیں کی گئی ہیں، وہ بیشتر لاطائل اور بے سود ہیں ـــ ان سے کوئی علمی نکتہ دریافت نہیں ہوا - اصل سوال جس کی کوئی اہمیت ہے یہ ہے کہ زبان میں تغیر کا رخ ترقی کی طرف ہے یا تنزل کی طرف؟ زبان روپ بدل کر آگے بڑھتی ہے یا پیچھے ہٹتی ہے ـــ اس میں ابتری و برہمی رونما ہوتی ہے یا برتری و ہمواری - مختلف زبانوں کے تاریخی ارتقا کے جائزے سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ صرفی و نحوی اصول کے لحاظ سے زبان کا عام و فطری میلان ہے کہ ابتری سے برتری کی طرف قدم بڑھائے اور نا ہمواری سے ہمواری کی طرف'' 1

اس وقت تک مادوں کا نظریہ خاصا مقبول تھا ـــ سب سے پہلے بوپ نے سنسکرت گرامر سے یہ تصور اخذ کیا اور یہ رائے ظاہر کی کہ مادے یک جزے ہوتے ہیں ـــ متاخرین نے اس تصور پر بعض صوتی خصوصیات مستزاد کردیں ـــ مثلاً کرٹی اس نے یہ خیال ظاہر کیا کہ مادہ ایک قصیر مصوتے ہی پر مشتمل ہوتا ہے ـــ بعض عالموں نے یہ اصرار کیا کہ نطق انسانی کے اولین نمائندے مصوتے ہی ہیں - مصوتے مستقل الفاظ کہلا سکتے ہیں - زبان کا ابتدائی دور یک جزے مادوں کا دور ہے - اس موقف کی دلیل چینی زبان کے حوالے سے پیش کی جانے لگی - جسپرسن نے چینی زبان کی ساخت کا تجزیہ کر کے اس کی تاریخ کا تنقیدی جائزہ لے کر اور بعض محققوں کے حوالوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ چینی زبان کی شہادت پر یہ نتیجہ اخذ کرنا درست نہیں کہ ہند یوروپی زبانوں یا السنہ عالم، کا آغاز یک جزے مادوں سے ہوا، یا وہ ابتدا میں قواعد سے یکسر محروم رہی ہیں -

---

۱-''زبان کی ماہیت...... '' از جسپرسن

اس نے چینی تصریف کی اکا دکا مثالیں بھی پیش کی ھیں ۔

جسپرسن نے زبان کے "تالیفی نظریہ" کا تنقیدی جائزہ لے کر، تالیف کے لئے ایک نئی اصطلاح استعمال کی ھے "ایتلاف" اور اعرابی لاحقوں کی بدنظمی کی مثالیں پیش کر کے، اس نظرئیے کا بطلان کیا ھے۔ اس نے اس ضمن میں ایک نیا نظریہ، "نظریہ اخفا" پیش کیا ھے۔ اس کی یہ رائے ھے کہ ایک غیر منقسم لفظ کا ایک حصہ اعرابی لاحقے کی حیثیت اختیار کر لیتا ھے اور لوگ یہ سمجھنے لگتے ھیں کہ یہ حصہ، لفظ میں ازدیاد کا نتیجہ ھے ۔

آغاز زبان کی سراغ رسی کے سلسلے میں جسپرسن نے یہ رائے پیش کی ھے کہ ایک بے زبان انسان کا تصور کر کے یہ قیاس کیا جائے کہ زبان کا آغاز کس طرح ھو سکتا ھے ۔ اس قیاسی منہاج پر استقرائی دلائل سے کام لیا جائے ۔ بچوں اور قدیم ترین نسلوں کی زبان اور تاریخ زبان سے بحث کی جائے ۔ اس کا خیال ھے کہ زبان کا آغاز جستہ جستہ واقعات اور افراد کے ضمن میں استعمال ھونے والے نیم غنائی ناقابل تجزیہ آوازوں سے ھوا ۔ ان سے نمو پانے والی زبانیں پیچیدہ، دقیق اور مبہم ھیں جو خیالات کے اظہار کا اچھا ذریعہ نہیں ھو سکتیں ۔ آھستہ آھستہ یہ زبانیں ارتقا پا کر منجھتی اور صاف ھوتی گئیں ۔ دنیا کی کوئی زبان درجہ کمال تک نہیں پہنچ سکی ھے ۔

یوروپ اور امریکہ میں "لسانیات" کے میدان میں اب بھی خاصا کام ھو رھا ھے اور متعدد ماھرین لسانیات علم اصوات اور صوتیات کی جولاں گاھوں میں موشگافیاں کر رھے ھیں ۔ لیکن ان میں سے کوئی ایسا نظر نہیں آتا جسے عہد آفرین قرار دیا جا سکے ۔

شاخیں اور شعبے

زبانوں کے مختلف خاندانوں کے اعتبار سے لسانیات کو مختلف شاخوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے مثلاً ہند یوروپی لسانیات، سامی لسانیات ہند چینی لسانیات، دراوڑی لسانیات وغیرہ ـ ذیلی خاندانوں کے لحاظ سے ذیلی شاخیں مثلاً جرمانی لسانیات ہند ایرانی لسانیات یا ایرانی لسانیات، ہند آریائی لسانیات وغیرہ متعین کی جاسکتی ہیں - لیکن لسانیات کی اس طرح کی تقسیم سے اس کے عناصر و اجزا پر تفصیلی روشنی نہیں پڑتی اور یہ شاخیں محدود خاندانوں، ذیلی خاندانوں، گروہوں اور زمروں کے مطالعہ کی ہی عکاسی کر سکتی ہیں ـ اس طرح لسانیات کے گوناگوں پہلوؤں اور اس کی وسیع جولاں گاہوں کا احاطہ ممکن نہیں ـ

انسائکلوپیڈیا (امریکا) میں لسانیات کو تین شاخوں پر مشتمل بتایا گیا ہے (۱) عام لسانیات (۲) تقابلی لسانیات اور (۳) گرامر لیکن اس تقسیم میں قباحت یہ ہے کہ پہلی اور دوسری شاخیں گرامر سے بالکل بے تعلق نہیں رہ سکتیں ـ ان کا تجزیاتی مطالعہ گرامر کے بغیر ممکن نہیں - اس لئے گرامر کو ایک علیحدہ شاخ قرار دینا مناسب نہیں معلوم ہوتا ـ

عام طور پر زبان کا مطالعہ عمومی و نظری یا فلسفیانہ انداز سے کیا جاسکتا ہے یا تقابلی و تاریخی نقطہ نظر سے ـ پہلا طریق مطالعہ

''بیانیہ لسانیات'' اور دوسرا تقابلی یا تاریخی لسانیات کہلا سکتا ہے -
''بیانیہ لسانیات'' کی غرض و غایت یہ ہوتی ہے کہ جن زبانوں تک دسترس ہو سکے، ان کے تدریجی ارتقا کے مطالعے تجزئیے اور مختلف ادوار کی صورتوں کے تقابل سے ان کی کیفیات کے بنیادی اصول، خصوصیات اور ساخت کو صحت کے ساتھ سمجھا جائے - ''بیانیہ لسانیات'' ان مظاہر کی ترجمانی کرتی ہے، جن کا مشاہدہ، نفسیات، عضویات اور طبیعات کے متعارفہ اصول و قوانین کی روشنی میں کیا جاتا ہے ــ بعض ماہرین کا خیال ہے کہ اس کی بدولت مطالعہ زبان کے دوسرے شعبوں کے لئے راہ ہموار ہو جاتی ہے -گویا اسے ''لسانیات'' میں بنیادی حیثیت حاصل ہے -
''تقابلی لسانیات'' کا دائرہ بحث محدود ہے ــ اس کا تعلق کسی نظام لسان کے تغیرات اور تاریخ، لسانی رشتوں اور ہم اصل اور مشترکہ بنیادی خصوصیات کی حامل زبانوں کے تقابل سے ہے ــ اس کی جولاں گاہ زیادہ سے زیادہ ایک خاندان السنہ تک رہتی ہے ــ

گرامر، زبان کے ضبط و نظم، اجزائے کلام اور ان کے قاعدوں، مختلف صورتوں اعرابی لاحقوں اور دوسرے رشتوں اور مختلف ادوار میں ان کی ترویج و تغیرات سے بحث کرتی ہے - اس طرح گرامر کی تاریخ زبان کے دور بہ دور کے ارتقا کی وضاحت کر دیتی ہے - اسی لئے ''بیانیہ لسانیات'' اور تاریخی یا تقابلی لسانیات میں گرامر کا اچھا خاصا عمل دخل ہوتا ہے ــ بعض علماء لسانیات ایک اور شاخ کے قائل ہیں، جس میں بیانیہ اور تاریخی لسانیات کے مباحث آجاتے ہیں - اس شاخ کو لسانیاتی جغرافیہ کا نام دیا گیا ہے ــ ان کے نزدیک یہ شاخ، کسی نظام لسان کی مختلف بولیوں کے ان سانچوں اور خصوصیات سے بحث کرتی ہے جو جغرافیائی اثر و نفوذ کا نتیجہ ہیں ــ

لسانیات کی ان شاخوں میں تجزیاتی مباحث کا تعلق حسب ذیل شعبوں سے ہوتا ہے :ــ

(۱) علم الاصوات
(۲) صوتیات
(۳) صوریات
(۴) نحو
(۵) فرہنگ

بیانیہ لسانیات

عموماً زبان سے ایسی مربوط آوازیں مراد لی جاتی ہیں، جو خیالات کی مظہر ہوں ــ زبان کی یہ تعریف بادی‌النظر میں ہر چند اطمینان بخش سہی، جامع نہیں ہے زبان دراصل اعصابی، عضلاتی اور طبیعی اعمال و کیفیات کے مجموعے یا پیچیدہ تسلسل سے عبارت ہے ــ نظام عصبی، اعصاب کے خلیوں کے بہت سے مجموعوں سے ترکیب پاتا ہے اور ہر مجموعے کے مخصوص افعال و وظائف ہوتے ہیں مثلاً دماغ کا ایک حصہ آنکھوں کے ذریعہ سے تاثرات قبول کرتا ہے اور دوسرا کانوں کے وسیلے سے ۔ علی‌ھذالقیاس ۔ دماغ کے ہر حصے سے باریک دھاگے کے سے اعصاب چاروں طرف پھیلے ہوتے ہیں، جو براہ راست یا بالواسطہ جسم کے تمام عضلات تک رسائی رکھتے ہیں ــ نظام عصبی میں دماغ یا مرکز عصبیہ کے علاوہ ذہن سے تعلق رکھنے والے اور بھی اعضا ہوتے ہیں، جنہیں نخاع کہتے ہیں، ارر جو مبداء قوت حس و حرکت ہوتے ہیں ۔ ان میں حس و حرکت کی قوتیں پیدا ہوتی ہیں، جو باریک اعصابی دھاگوں کے ذریعے سے جسم کے تمام عضلات تک پھیل جاتی ہیں ــ جب ہم کسی خیال یا بات کو معرض گویائی میں لانا چاہتے ہیں تو شعوری یا غیر شعوری طور پر نخاع میں ایک قسم کا عصبی فعل مرتب کرتے ہیں ــ نخاع ہی ان عضلات پر قابو رکھتا ہے، جن کا، مطلوبہ آوازیں پیدا کرنے کے لئے حرکت میں آنا لازمی ہے ــ علمائے عضویات کا خیال ہے کہ یہ عمل دراصل عصبی خلیوں میں ہونے والا کیمیائی عمل ہے اور عضلات تک

پہنچ کر یہ عصبی عمل، گویائی کا پہلا مرحلہ بن جاتا ہے ـ عضلاتی خلیوں میں کیمیائی عمل ہوتا ہے اور اس کے نتیجے میں عضلات حرکت میں آجاتے ہیں ـ ان میں فشار ہوتا ہے یا دباذت پیدا ہوجاتی ہے ـ متحرک عضلات اپنے متعلقات اور ہڈیوں کو بھی کھینچتے ہیں ـ عملاً کولھے سے اوپر کے تمام عضلات کسی نہ کسی طرح گویائی سے متعلق ہو جاتے ہیں اور کوئی نہ کوئی فعل یا وظیفہ سر انجام دیتے ہیں ـ پیٹ اور سینے کے عضلات، امواج نفس پر قابو رکھتے ہیں ـ حلق اور نرخرئے کے عضلات آواز کے توازن، تناسب اور آھنگ پر، اور سر اور گردن کے عضلات جبڑوں، زبان، ہونٹوں وغیرہ کی حرکت پر، تاکہ آوازوں میں حسب ضرورت اعتدال و تناسب قائم ہے ـ ان حرکات سے گویائی کے دوسرے مرحلے کا آغاز ہوتا ہے ـ یعنی ہوائی ارتعاش یا آواز کی لہریں پیدا ہوتی ہیں ـ یہ مرحلہ طبیعاتی ہوتا ہے اس لئے اس کے وظائف ہر لحاظ سے اصول طبیعات سے مطابقت رکھتے ہیں ـ یہ صوتی لہریں سامع کے کان میں گونج کر مناسب اعضائے حواس پر عمل مترتب کرتی ہیں اور یہ عمل سامع کے اعصاب کے لئے مہیج ثابت ہوتا ہے ـ یہ عصبی فعل یا وظیفہ، اعصاب کے ذریعہ سے سامع کے دماغ تک رسائی حاصل کرتا ہے ـ یہاں سے تیسرے مرحلے کی ابتدا ہوتی ہے یعنی سماعی حواس کا وظیفہ شروع ہو جاتا ہے ـ سماعی حواس سامع کے ذہن میں وہ خیالات پیدا کردیتے ہیں، جو قائل کے خیالات کے مماثل تو ہوتے ہیں لیکن اکثر بیشتر ہوبہو ویسے ہی نہیں ہوتے ـ عضلاتی حرکات سے زبان حلق، مسوڑوں اور ہونٹوں کے جوڑوں اور سطح کے عضلاتی ریشوں پر دباؤ پڑتا ہے، جس سے حرکی حواس پیدا ہوتے ہیں جن کی بدولت عمل میں آنے والی حرکت کے وقوع، ان کی نوعیت اور وسعت کا اندازہ ہوتا ہے حرکی حواس اور سماعی حواس کے باہمی تعاون سے ہمیں گفتگو کے اعمال و کیفیات پر قابو رکھنے میں مدد ملتی ہے ـ انہی کی مدد سے ہمیں

تلفظ کی غلطیوں کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ ان کے بغیر زبان کی روایت قائم نہیں ہو سکتی۔

دماغ کے وہ حصے جو سوچنے کے دوران میں مصروف عمل رہتے ہیں، مبداء قوت حس و حرکت سے بھی تعلق رکھتے ہیں - اسی لئے ذہنی زندگی کا یہ قانون ہے کہ خیال فوراً عمل میں منتقل ہونے پر مائل ہو جاتا ہے - گویا خیال اور عمل میں تلازم ہوتا ہے۔ الفاظ کی آوازوں اور ان کے معانی میں، ان آوازوں اور حرکی حواس میں، بصری حواس اور تصور میں، بصری حواس اور معانی میں کم و بیش اسی نوعیت کا رشتہ اور تلازم ہے - ان تلازمات کا اثر یہ ہوتا ہے کہ سب کچھ ایک ایسے متناسب، اورهم آہنگ نظام میں منضبط ہوجاتا ہے، جس میں ہر عمل یا کیفیت پوری صحت اور حصول مقصد کے تقاضوں کے مطابق ترتیب و تسلسل کے ساتھ واقع ہوتی ہے -

یہ تمام اعمال و کیفیات، طبیعی اور ذہنی ارتقا کے مطابق فطری طور پر بتدریج نمو پاتے رہے ہیں-انسانی تجربوں کے نتیجے میں باهمی افہام و تفہیم سے سادہ اور مفرد آوازوں کے مبہم سے مفاہیم متعین ہوئے پھر آہستہ آہستہ ابہام کی جگہ وضاحت نے لے لی اور سادہ و مفرد آوازوں کی باهمی آمیزش اور اختلاط سے مرکب آوازیں وجود میں آئیں - ان مرکب آوازوں کے ربط و تسلسل نے گفتگو میں بے تکلفی اور روانی پیدا کردی - سالہا سال کے بعد سماجی اور ذہنی ارتقا کے زیر اثر ان آوازوں کے اظہار کی علامتیں تشکیل پاتی گئیں۔ حروف تہجی بسیط آوازوں یا نطق کی تحریری علامات یا تصویریں هی تو هیں - یہ بصری حواس پیدا کرتے هیں - سادہ و مفرد آوازوں سے ترکیب پانے والی مرکب آوازیں الفاظ یا کلمات سے موسوم کی جاتی هیں - سماجی ضروریات نے لفظ اور معنی میں تلازم پیدا کردیا۔ لفظ وجود میں آتے هی کسی معنی یا مفہوم سے وابستہ ہو جاتا ہے، اس طرح لفظ خیال کا مظہر یا اس کی

علامت سمجھا جاتا ہے ۔ گویا لفظ، خیال کی ملفوظی تصویر ہے ۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ خیال اور بالخصوص فکر کا الفاظ سے گہرا تعلق ہے ۔ میکس ملر کا قول ہے کہ فکر کا مطلب ہے بغیر آواز کے بولنا اور بولنے کا مطلب ہے باآواز بلند سوچنا ۔ سوچنے کے عمل میں الفاظ سے بڑی مدد ملتی ہے، اس لئے کہ حسب ضرورت استدلال، الفاظ کے ذریعہ ہوتا ہے ۔ معانی کے تلازم کی وجہ سے الفاظ بازیافت اور باز آفرینی میں بھی مدد دیتے ہیں - زبان در حقیقت تین قسم کی علامتوں سے ترکیب پاتی ہے :۔

(۱) اول علامات - عضلاتی حرکات

(۲) دوم علامات - بسیط آوازیں

(۳) سوم علامات - تصویری یا تحریری

عام لوگ دوسری یا تیسری قسم کی علامتوں پر ہی غور کرتے ہیں لیکن جو لوگ زبان کی ماہئیت اور اس کی حقیقت کو سمجھتے ہیں اور اس کے ارتقا کے اصول سے پوری طرح با خبر ہوتے ہیں، وہ عضلاتی حرکات کی طرف خاص توجہ دیتے ہیں اور زبان کے مطالعے کو حرکت کی اطلاقی نفسیات سے تعبیر کرتے ہیں ۔

مندرجہ بالا اعمال و کیفیات کا آغاز، قائل کے ذہن میں خیال کی انگڑائی سے ہوتا ہے اور اختتام سامع کے ذہن میں خیال کی بیداری پر ہو جاتا ہے - لیکن گفتگو کو اتنا محدود نہیں سمجھ لینا چاہئے ۔ گفتگو ایک سماجی فعل ہے - انسان اپنے ہم جنسوں کے تعاون کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا ۔ گفتگو کی غرض و غائت اسی تعاون کا حصول ہے ۔ اسی طرح ہم اپنے خیالات و جذبات کا اظہار کر کے ذہنی و جذباتی اسودگی پاتے ہیں ، دوسروں کا عندیہ لیتے ہیں ، اپنی ارزوئیں پوری کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ گفتگو میں ابلاغ نہ ہوگا تو ہم حصول مقصود میں ناکام رہیں گے ۔ ابلاغ کا عمل اسی وقت پورا ہوتا ہے ۔

جب قائل کو جواب بھی ملے خواہ الفاظ کے ذریعے یا محض نظر یا حرکات و سکنات کے وسیلے سے۔ کچھ نہیں تو بزبان خاموشی ہی سہی۔ آخر خاموشی بھی تو بلیغ ہو سکتی ہے اس طرح قائل، سامع کے رویے اور اپنی کامیابی یا ناکامی کا اندازہ لگا سکتا ہے۔

بیانیہ لسانیات کے مسائل دو قسم کے ہو سکتے ہیں۔ اول وہ جن کا تعلق اظہار کی کیفیات سے ہے اور دوم وہ جو تفہیم سے متعلق ہیں پہلی قسم میں مندرجہ ذیل شامل کئے جا سکتے ہیں:-

(۱) خیال اور زبان کا رشتہ
(۲) طبیعی اور ما بعدالطبیعی امور کا تعلق
(۳) زبان کی اصل، اس کا آغاز اور اس کے ارتقا کا تاریخی جائزہ
(۴) صحت اور اکملیت کی حیثیت، جس کے ذریعہ زبان، خیال یا فکر کا اظہار کرتی ہے۔
(۵) وہ حدود جہاں تک زبان، خیال یا فکر کی مختلف صورتوں کو منضبط کر سکتی ہے۔
(٦) بول چال پر طبعی، جغرافیائی، نسلی، باھمی اختلاطی و ارتباطی سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی اثرات۔
(۷) اعصاب و عضلات کے مسائل۔
(۸) دماغ کے اعمال و وظائف کی مرکزیت
(۹) عضلاتی انضباط کے مسائل

مسائل تفہیم، حواس کے مسئلوں پر مشتمل ہوتے ہیں، اس ذیل میں حواس کے مہیج سے یا مہیج کے حواس سے ہم آہنگ ہونے کی صحت کا سوال پیدا ہوتا ہے؟ نیز یہ کہ ذہنی حالت، حواس کی خصوصیت اور نوعیت کہاں تک متعین کر سکتی ہے؟ سننے، پڑھنے اور سمجھنے میں غلطی سرزد ہو جانے کا امکان بھی تو ہے حواس فکر انگیز یا خیال انگیز کیوں کر ہوتے ہیں؟ ان سب مسائل کو علم الاصوات

اور معنویات کے ذیل میں الگ الگ سمیٹا جا سکتا ہے - پہلی شق یعنی اصوات کا مطالعہ عضویاتی ہوتا ہے اور دوسری کا نفسیاتی ــ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ زبان میں دو مختلف نظم و ترتیب کے مظاہر ملتے ہیں، ایک گروہ اس کے طبعی پہلو کا ترجمان ہے دوسرا نفسیاتی کا - ان دونوں پہلوؤں کا ایک دوسرے میں ایسا نفوذ ہوتا ہے، کہ انہیں الگ الگ کرنا ممکن نہیں ــ ان پر علیحدہ علیحدہ خصوصی توجہ دیتے وقت بھی ایک کو دوسرے کی روشنی میں دیکھا جاتا ہے

مکمل ابلاغ کی نمائندگی کرنے والا مظہر جملہ ہوتا ہے اس لئے ولہم ایل گراف نے اسے زبان کی ابتدائی اکائی قرار دیا ہے ــ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بولنے سے پہلے ابلاغ کی تمام تفاصیل ہمارے ذہن میں بالکل واضح ہوتی ہیں - زبان کی ہئیتیں بھی خیال کی تشکیل میں کچھ نہ کچھ اثر انداز ضرور ہوتی ہیں اور بولتے وقت جملے کی ساخت بتدریج مرتب ہو تی جاتی ہے

صوتی تجزیئے کا ارتقا

تاریخ تحریر کے جائزے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کے ابلاغی تجزئیے کا دائرہ شروع شروع میں نفسیاتی مافیہ تک محدود رہا ہے ــ ابتدائی نظام ہائے تحریر ان علامات پر مشتمل ہوتے تھے، جو خیالات و جذبات کی نمائندگی کرتی تھیں، ان کا تلفظ زیر بحث نہ ہوتا تھا جب اسے غیر مکتفی سمجھاگیا تو زبان کے صوتی پہلو کی طرف توجہ دی گئی اور یہ محسوس کیا گیا کہ مختلف ابلاغی مظاہر میں کچھ مشترکہ اجزاء بھی ہیں، جنھیں معانی سے بے تعلق علامات کے ذریعہ ظاہر کیا جا سکتا ہے مثلاً ان دو ابلاغی مظاہر کا تقابل کیجئیے:ــ

(۱) میں اسے کبھی نہیں بھول سکتا۔

(۲) ابھی کسے بھوک لگی ہے۔

ان میں صوتی ترکیبیں ''سے''، ''بھی''، ''بھو'' مشترک ہیں

سیاق و سباق سے بے نیاز رہ کر انھیں ایک سی علامات کے ذریعے ظاہر کیا جا سکتا ھے صوتی تحریر کا ابتدائی نظام انفرادی آوازوں پر نہیں بلکہ ارکان یا جزوں پر استوار کیا گیا۔ آھستہ آھستہ زبان کی امتیازی آوازوں کے لئے علامات وجود میں آئیں اس طرح حروف تہجی کا آغاز ھوا سالہا سال کے بعد ان آوازوں کی واضح تفہیم اور زبان سے ان کے تعلق کا علم ممکن ھوا زیادہ لچک‌دار نظام تحریر کی ضرورت نے حروف تہجی کے تجزئیے کا احساس پیدا کیا۔ اس میں شک نہیں کہ حروف تہجی یا نظام تحریر نے انسانی تمدن اور ثقافت کے ارتقا میں خاصی مدد کی ھے لیکن یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ھے کہ جہاں تک صوتی اور لسانی تفہیم کا تعلق ھے، حروف تہجی مضر بھی ثابت ھوئے ھیں۔ لوگ اصوات کی اصطلاح میں سوچنے کے بجائے حروف کی اصطلاح میں سوچنے کے عادی ھو گئے۔ زبان کی اصوات کا تلازم تحریری علامات سے کیا جانے لگا انھیں منطوقات نہ سمجھا گیا، حالاں کہ ان کی اصل حیثیت یہی تھی، ان کا تجزیہ ھی زبان کی تفہیم کا ذریعہ بن سکتا تھا اصوات کے مطالعہ کی طرف توجہ ھوئی تو زبان کے اسرار و رموز منکشف ھونے لگے۔

علم‌الاصوات

کسی زبان کی آوازوں کے نظام کا مطالعہ علم‌الاصوات کہلاتا ھے۔ علم‌الاصوات کا تعلق طبیعاتی اور عضلاتی قوانین سے ھوتا ھے۔ عمیق مشاھدے، حقائق نفس‌الامر کی باقاعدہ ترتیب اور استقرائی نتائج سے بحث ھوتی ھے۔ اس مطالعہ کے مختلف مناھج ھوتے ھیں جن کا دار و مدار اصوات کے نطقی، سماعتی، نفسیاتی اور علاماتی پہلوؤں پر ھوتا ھے اصوات کی ماھئیت کی تفہیم کے لئے ان پہلوؤں کا جائزہ لینا ضروری ھے۔ عام علم الاصوات کے اصولوں کا اطلاق تمام زبانوں پر کیا جا سکتا ھے۔ اصوات زبان کی ماھئیت خصوصیات اور شرائط تخلیق کی تحقیق کے لئے

مختلف تجربے کئے جاتے ھیں ـ ان اصوات کو شعوری طور پر بار بار وجود میں لا کر ایک دوسری سے منفرد اور مختلف افراد کی حرکات نطق کا دقت نظر سے مشاہدہ بھی کیا جاتا ھے ـ اپنے فطری حواس کی کوتاھیوں کی تلافی کے لئے آلات وضع کئے جاتے ھیں ـ ان آلات کے ذریعہ تنفس، ارتعاش زیر و بم، آھنگ، زور وغیرہ کی ترسیمیاتی ترجمانی ھوتی جن کا معائنہ بعد میں بھی ھو سکتا ھے ـ اس طرح کے طریق مطالعہ کو آلاتی یا تجرباتی علم الاصوات بھی کہتے ھیں ـ ان آلات کا استعمال صوتی مظاھر کی مخصوص صورتوں تک محدود ھوتا ھے ـ ایک یا ایک سے زیادہ زبانوں کے کسی مخصوص دور کی کا مطالعہ بیانیہ یا سکونیاتی علم الاصوات کہلاتا ھے ۔ دور بہ دور کے صوتی تغیرات کے مطالعے کو تاریخی، حرکی یا اشتقاقی علم الاصوات کے نام سے موسوم کیا جاتا ھے ـ بیانیہ اور تاریخی علم الاصوات میں حد فاصل کھینچنا مشکل ھے، اس لئے کہ تاریخی علم الاصوات تاریخی ھونے کے ساتھ ساتھ بیانیہ بھی ھوتا ھے اور ایک ھی نسل کے مختلف افراد بلکہ ایک ھی فرد کے مختلف موقعوں پر تلفظ یکساں نہیں ھوتے ـ ان میں کچھ نہ کچھ فرق ھوتا رھتا ھے ۔ اصوات سے متعلق ھر بات، ان کی تاریخ کی ترجمانی بھی ھوتی ھے ـ

علم الاصوات کی ابتدا اعضائے آواز کے مطالعے سے ھوتی ھے ـ نطق آواز انسانی کی منضبط صورت ھے ۔ اس لئے اعضائے آواز ھی اعضائے نطق ھوتے ھیں، جو اعصاب نطقی، خلائے دھن، پھیپھڑوں، نتھنوں، حنجرہ حلقوم، بلعوم، تالو، دانتوں، مسوڑوں، ھونٹوں اور جیب پر مشتمل ھیں۔ پیٹ کے وہ عضلات بھی شامل کئے جا سکتے ھیں، جو سانس پر قابو رکھنے میں مدد دیتے ھیں ۔ بات چیت کی خواھش یا ارادہ کے ساتھ ساتھ اعصاب نطقی میں تناؤ پیدا ھوجاتا ھے، گلے کے بعض پٹھے ممد و معاون ھوتے ھیں ۔ پھیپھڑوں سے خارج ھونے والی ھوا ایک مخصوص نالی سے ھوتی ھوئی نرخرے اور حلق سے نکلتی ھے اور اعصاب نطقی تناؤ کی

وجہ سے مرتعش ہو جاتے ہیں ۔ اس ارتعاش سے آواز پیدا ہوتی ہے ۔ ''منہ کی سانس'' اور آواز کی کیفیت کم و بیش ایک ہی سی ہے - اگر اعصاب نطقی میں تناؤ نہ ہو تو منہ سے سانس خارج ہوتی ہے، ورنہ ان میں تھرتھراہٹ پیدا ہونے سے آواز وجود میں آتی ہے ۔ اس آواز کی نوعیتوں کا دارومدار اعضائے نطق کے حرکات و سکنات پر ہوتا ہے ۔ اگر اعصاب نطقی کی تھرتھراہٹ برائے نام ہو اور فم حلق کا ایک حصہ ہوا کے گزرنے کے لئے کھلا ہو تو ''سرگوشی'' پیدا ہوتی ہے ۔ اگر تھرتھراہٹ میں نظم ہو تو ''سر'' بے ترتیبی اور بدنظمی ہوتو ''شور'' یا ''سخت آواز'' کی تخلیق ہوتی ہے۔ ''سر'' میں غنائیت ہوتی ہے اور اس کی ساخت اتنی پیچیدہ نہیں ہوتی کہ دوسرے ''سروں'' سے متمائز نہ ہو سکے ۔ ''شور'' یا ''سخت آواز'' کا دوران بہت مختصر ہوتا ہے۔ ساخت کی پیچیدگی کی وجہ سے اس کا تجزیہ مشکل ہے - سر، زیروبم اور تندی کے اعتبار سے تو ایک دوسرے سے مختلف ہو سکتے ہیں لیکن طرز اور خاصیت کے لحاظ سے ان میں اختلاف نہیں ہوتا ۔ جن تھرتھراہٹوں سے غنائی آواز پیدا ہوتی ہے، وہ کچھ تند اور سریع مرکب سروں پر مشتمل ہوتی ہے، جن کی ترکیب سے ایک صوتی اکائی کا تاثر پیدا ہوتا ہے ۔

دہن اور خلائے دہن کو بھی آواز کی تشکیل میں بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے - منہ کی مختلف حالتیں اور ان کی تبدیلیوں سے آواز کے رنگ ڈھنگ پیدا ہوتے ہیں ۔ اس ذیل میں زبان، دانت، مسوڑے، تالو بھی ممد و معاون ہوتے ہیں ۔ نرخرے اور منہ کے درمیانی خلا میں ان آوازوں کی تشکیل ہوتی ہے، جنہیں مصمتوں یا حروف صحیح سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ زبان کے تالو، یا دانت سے لگنے اور ہونٹوں کے ملنے اور مل کر جدا ہونے سے آواز پھیلتی گھٹتی، بڑھتی یا تند ہوتی ہے ۔ اس طرح مصمتوں میں نظم پیدا ہوتا ہے - منہ کی مرتعش ہوا، کو

ایک دم خارج کیا جا سکتا ہے اور اس کے اخراج میں تھوڑی بہت رکاوٹ بھی پیدا کی جا سکتی ہے ۔

مصیت، غیر مصیت

بعض آوازیں صرف معمولی سرعت اور مرتعش ہوا کے خفیف دھماکوں کا نتیجہ ہوتی ہیں، جن میں آواز کا عنصر غالب نہیں ہوتا۔ یہ برائے نام آوازیں یا خفیف آوازیں ہوتی ہیں۔ انہیں غیر مصیت یا غیر مسموع کہا جاتا ہے ۔ کچھ آوازوں میں سرعت یا دھماکا امتیازی طور پر غالب محسوس ہوتا ہے اور صوتی عنصر بھی واضح ہوتا ہے ۔ انہیں مصیت یا مسموع کہتے ہیں ۔ گویا مرتعش ہوا مصیت بھی ہو سکتی ہے اور غیر مصیت بھی - مصیت یا غیر مصیت مرتعش ہوا سے آوازیں پیدا ہونے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ۔ ایک صورت سرعت کا نتیجہ ہو سکتی ہے اور دوسری ہوائی دھما کے کا ۔

صفیریہ

پہلی صورت میں مرتعش ہوا کا اخراج کچھ دیر تک جاری رہتا ہے - ذہن کی بستگی نا مکمل ہوتی ہے اور مرتعش ہوا کی سرعت سے آواز پیدا ہوتی ہے، جسے صفیریہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے - مثلاً ث، ذ، ز، س، ش، ص، ض وغیرہ آوازیں ۔

وقفیہ

جن مصمتوں کے ساتھ دھماکہ سا ہوتا ہے انہیں دھماکے دار یا وقفیہ کہتے ہیں، یہ دھماکا ہی ان کی واحد خصوصیت نہیں ہوتا - مثلاً اگر ہم ''ب'' کا تلفظ ادا کریں تو ادائیگی کی تین منزلیں محسوس کی جا سکتی ہیں - پہلی منزل میں پھیپھڑوں کی دھونکنی ہوا کو بالائی اعضائے نطق کی طرف دھکیلتی ہے، حتیٰ کہ لبوں کے مکمل اتصال اور بستگی سے اس کے بہاؤ میں رکاوٹ ہوتی ہے ۔ اس کے بعد مرتعش ہوا کی گزرگاہ میں رکاوٹ کی منزل آتی ہے ۔ دباؤ کی وجہ سے مرتعش ہوا مرتکز

ہوتی ہے، اس کا اپنا دباؤ بڑھتا ہے تو وہ اخراج کی کوشش کرتی ہے۔ نطق کے اس مختصر سے وقفے کی وجہ سے اس طرح پیدا ہونے والی دھماکے دار آواز وقفیہ بھی کہلاتی ہے ۔ تیسری منزل میں مرتعش ہوا ایک دم خارج ہوجاتی ہے اور زبان تقریباً ساکت رہتی ہے لیکن بعض موقعوں پر تیسری منزل کی نوبت نہیں آتی مثلاً لفظ ''اب'' میں ''ب'' کی آواز پہلی اور دوسری منزل ہی سے گزرتی ہے ۔

لائیہ رائیہ

جب زبان کا اگلا سرا منہ کے اوپری حصے سے اس طرح مس ہوتا ہے، کہ مرتعش ہوا کے لئے کوئی رکاوٹ نہ پیدا ہو، تو وقفہ مکمل نہیں ہوتا بلکہ مرتعش ہوا زبان کے ایک طرف یا دونوں طرف سے باہر نکلتی ہے۔اس طرح جو آواز تشکیل پاتی ہے، وہ جانبی مصمتہ یا ''لائیہ'' کہلاتی ہے ۔ مثلاً ''ل'' کی آواز ۔ زبان کی نوک بالا دندانی مسوڑوں سے متواتر مس کرتی ہے تو ''رائیہ'' آواز پیدا ہوتی ہے ۔

غـنـہ

لہات (کوا) اور نرم تالو، حلق کی دیواروں کو چھو لیں تو ناک کا خلا بند ہو جاتا ہے اور انہیں چھوتے ہوئے کچھ نیچے ہو جائیں تو مرتعش ہوا ناک سے نکلنے کی کوشش کرتی ہے ۔ اگر ناک اور حنجرے کے درمیان کھلی گزر گاہ ہو تو فم حلق کی تھرتھراہٹ ناک کی ہوا کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور ناک سے نکلی ہوئی سی آواز سنائی دیتی ہے اس قسم کی آوازیں ''غنہ'' کہلاتی ہیں ۔ غنہ مصوتہ بھی ہو سکتا ہے اور مصمتہ بھی۔مصوتی غنہ پیدا کرنے والی مرتعش ہوا منہ اور ناک سے خارج ہوتی ہے، مثلاً ڈانٹ بانگ، مانگ وغیرہ میں مصوتہ ''ا'' غنہ ہے ۔ مصمتی غنہ تخلیق کرنے والی ہوا صرف ناک سے نکلتی ہے، مثلاً ''گنگا''، ''جنگل''، ''رنگ''، ''سنگ'' وغیرہ ۔

مصمتے اور مصوتے

صوتی اعضا ان گنت متنوع آوازیں پیدا کر سکتے ھیں ـ طویل مصوتہ ''ا'' کی آواز نکالتے وقت منہ زیادہ سے زیادہ کھلتا ھے اور ''ب'' ''پ'' وقفیہ کا تلفظ ادا کرتے ہوئے بند رھتا ھے۔منہ کی ان دوحالتوں کے درمیان کی حالتوں میں منہ سے جو آوازیں نکل سکتی ھیں، ان نوعیتوں اور کیفیتوں کا احاطہ کرنا دشوار ھے۔ان میں سے جو آوازیں سرعت یا نفسی دھماکے کا نتیجہ ھوتی ھیں، ان کے لئے منہ کو زیادہ نہیں کھولنا پڑتا۔ان آوازوں کو ''مصمتے'' کہتے ھیں ـ جن آوازوں کے لئے منہ کو نسبتاً زیادہ وا کرنا پڑتا ھے، اور جن کی ادائیگی کے وقت مرتعش ھوا کے لئے رکاوٹ نہیں ھوتی بلکہ راستہ نسبتاً صاف ھوتا ھے، وہ مصوتے کہلاتی ھیں ـ مصوتوں میں سے کچھ نوک زبان کے سخت تالو کی طرف اٹھنے سے وجود میں آتے ھیں مثلاً ''ی'' اور کچھ اس وقت تشکیل پاتے ھیں جب زبان کا پچھلا حصہ نرم تالو کی طرف اٹھتا ھے مثلاً ''و'' جب زبان کا درمیانی حصہ، تالو کے درمیانی حصے کی طرف اٹھتا ھے تو مصوتہ ''ا'' پیدا ھوتا ھے ـ اسی لئے صوتی وضاحت کے اعتبار سے مصوتوں کی تین قسمیں بتائی جاتی ھیں (١) پیشیں (٢) پسیں اور (٣) مخلوط ـ بعض آوازیں ایسی بھی ھوتی ھیں جنہیں طرز تشکیل اور سماعت کے اعتبار سے مصمتے نہیں کہ سکتے اور وہ مصوتوں سے بھی کچھ مختلف محسوس ھوتی ھیں، ـ انہیں ادا کرتے وقت مرتعش ھوا کے لئے برائے نام رکاوٹ پیدا ھوتی ھے ـ ان آوازوں کو نیم مصوتے کہتے ھیں مثلاً ''وھاں'' اور ''یہاں'' میں ''و'' اور ''ی'' ۔

صوتی وضاحت کے لحاظ سے مصمتوں کے حسب ذیل گروہ قرار دئیے جا سکتے ھیں :ـ

(١) دولبی ۔ وہ مصمتے جو دونوں ھونٹوں کی مدد سے وجود میں آتے ھیں مثلاً ب، پ، م، وغیرہ۔

(۲) لب دندانی - وہ مصمتے جو نچلے ہونٹ کو اوپر کے دانتوں سے مس کر کے پیدا کئے جاتے ہیں مثلاً ''ف''

(۳) پیش دندانی یا سنانی- زبان کی نوک یا تھاپی سے دانتوں کو چھو کر ادا کئے جانے والے مصمتے مثلاً ''ت''-''د''-

(۴) پس دندانی - زبان کی نوک یا تھاپی اور دانتوں کی جڑوں کے ہلکے اتصال سے جنم لینے والے مصمتے مثلاً ''ز''-''س'' -

(۵) کوزی یا ملفوظی - وہ پس دندانی مصمتے جن کی ادائیگی میں زبان بقول ڈاکٹر شوکت سبزواری، کسی قدر لپٹ جاتی ہے - مثلاً ٹ، ڈ - ڈاکٹر زور مرحوم نے انہیں کوزی اور ڈاکٹر سبزواری نے ملفوظی کہا ہے - ڈاکٹر گوپی چند نارنگ معکوسی کہتے ہیں -

(۶) حنکی - وہ مصمتے جن کی ادائیگی میں زبان کا اگلا حصہ تالو کے سخت حصے کو چھوتا ہے - مثلاً ج، چ

(۷) غشائی - وہ مصمتے جنہیں ادا کرتے وقت زبان کا پچھلا حصہ نرم تالو یا غشا کو چھوتا ہے - مثلاً ک، گ

(۸) لہاتی - وہ مصمتے جنہیں بولتے ہوئے زبان کا پچھلا حصہ نرم تالو کے سرے یا کرۂ حلق سے لگتا ہے مثلاً ق

(۹) حنجری - اعصاب نطق میں بستگی یا تنگی کے زیر اثر ادا ہونے والے مصمتے - مصوتوں کی ادائیگی کے نقاط نطق کا دائرہ نسبتاً محدود ہوتا ہے اس لئے ان کی اتنی نوعتیں نہیں ہوتیں ــ تاہم انہیں حسب ذیل تین نوعیتوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :ــ

(۱) پیشیں مصوتے ــ زبان کا اگلا حصہ، سخت تالو کی طرف اٹھایا جائے تو یہ مصوتے وجود میں آتے ہیں مثلاً ی، ے (''کلی'' اور ''دے'' میں)

(۲) پشیں مصوتے ۔ زبان کا پچھلا حصہ نرم تالو کی طرف اٹھے تو یہ مصوتے پیدا ہوتے ہیں ۔ مثلاً واؤ معروف اور واؤ مجہول (''تو'' اور ''جو'' میں

(۳) مخلوط مصوتے ۔ زبان کا درمیانی حصہ تالو کے درمیانی حصے کی جانب اٹھے تو مخلوط مصوتے ادا ہوتے ہیں ۔ مثلاً زبر (سرد میں)

یہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ منہ کے زیادہ سے زیادہ کھلنے اور ہونٹوں کے بند ہونے کے درمیان منہ اور ہونٹوں کی بہت سی حالتیں اور تبدیلیوں کی بے شمار صورتیں ہو سکتی ہیں، نیز نقاط نطق کے سرکتے رہنے کے بہت امکانات ہوتے ہیں جن کے نتیجے میں متعدد اور متنوع آوازیں پیدا ہو سکتی ہیں ۔ یہ ان گنت آوازیں کسی ایک زبان میں نہیں ہوتیں ۔ تاہم معروف زبانوں میں جو آوازیں عموماً سنائی دیتی ہیں، ان کے مخارج اور طریق تلفظ کے اعتبار سے ان میں سے اکثر کو محولہ بالا نوعیتوں کے ذیل میں سمیٹا جا سکتا ہے ۔ لیکن آوازوں کی ان نوعیتوں کو جامع و مانع سمجھ لینا درست نہیں ۔

لمس جہدی [1]

نطق اور سماعتی خصوصیات کا درمیانی منطقہ مصوتوں اور مصمتوں کے سلسلوں کے درمیان نہیں ہوتا بلکہ ہر دو مخصوص آوازوں کے درمیان ہوتا ہے ۔ ''ا'' اور ''او'' کے درمیان ان گنت آوازیں ہوتی ہیں جن میں سے کچھ ''ا'' کے قریب اور کچھ ''او'' سے نزدیک ہو سکتی ہیں ۔ اس لئے ''ا'' اور ''او'' کے درمیان حتمی طور پر حد فاصل کھینچنا مشکل نظر آتا ہے ۔ ''صفیر'' اور ''وقفیہ'' کے درمیان بھی آوازوں کا ایسا ہی سلسلہ تدریج ہوتا ہے ۔ دھماکے دار آواز نکالنے وقت ہونٹ

۱۔ ''ایفری کیٹ'' کے لئے ڈاکٹر گیان چند کی وضع کردہ اصطلاح

بالکل بند کرکے وقفیہ کے بعد منہ کھولدیا جاتا ھے اور مرتعش ھوا کو ایک دم چھوڑ دیا جاتا ھے یا مرتعش ھوا کی راہ مسدود کرنے والے اعضا ایک دوسرے سے بتدریج علیحدہ ھوتے ھیں، جس کی وجہ سے مرتعش ھوا کو تنگ گزرگاہ ملتی ھے اور دھماکا، سرسراھٹ میں بدل جاتا ھے - اس طرح جو آواز پیدا ھوتی ھے اس میں ''وقفیہ'' اور ''صفیریہ'' کی مخلوط خصوصیات ھوتی ھیں، جس میں دم کشی اور وقفہ کے ساتھ ساتھ سرسراھٹ بھی محسوس ھوتی ھے - ایسی آواز مندرجہ بالا نوعیتوں کے ماتحت نہیں رکھی جا سکتی، بلکہ اسے ایک الگ اصطلاح سے ظاھر کیا جاتا ھے - یہ اصطلاح ھے لمس جھدی یا ایفری کیٹ - انگریزی لفظ ''چرچ'' میں ''چ'' کو مثالاً پیش کیا جا سکتا ھے - اردو کے تالیفی ھائیے (وقفیہ + ھائیہ) بھ پھ وغیرہ بھی ایفری کیٹ ھیں -

ھائیہ، منفوس یا ھکار آوازیں

وقفیہ یا دھماکے دار اور لمس جھدی آوازوں کے درمیان ایسی آوازیں بھی ھوتی ھیں جن میں وقفیہ یا دھما کے کے ساتھ مرتعش ھوا بغیر کسی رکاوٹ کے آزادانہ گزرتی ھیں، انھیں ھائیہ آوازیں کہا جاتا ھے مثلاً ہ، ح، خ، وغیرہ

سانس اور صوت

اگر گفتگو کے ترسیمی خط کا مشاھدہ کیا جائے تو معلوم ھوگا کہ سانس کی صوت میں یا صوت کی سانس میں تبدیلی میں ایسا سلسلۂ تدریج ھوتا ھے کہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ اور متعین کرنا مشکل ھے -

مغنون و سیال (لائیہ رائیہ) مصوتے اور مصمتے

غنے مصوتے بھی ھوتے ھیں اور مصمتے بھی - بعض ماھرین ''لائیہ'' اور ''رائیہ'' میں بھی غنائیت کی نشان دھی کرتے ھیں - غنائی مصوتے اور مصمتے جلی، اور خفی دونوں صورتوں میں اکثر زبانوں

اور بولیوں میں ملتے ھیں ـ بعض زبانوں میں یہ صوتی نوعیتیں ما قبل یا ما بعد جلی یا خفی (مصیت یا غیر مصیت) آوازوں کے زیر اثر اپنی آوازوں کے ایک جزو کو کھو بیٹھتی ھیں ـ ایسا بھی ھوتا ھے کہ ''م'' اور ''ن'' کی غنائیت ما قبل یا ما بعد آواز میں تھوڑی بہت نفوظ کرجاتی ھے یا مصوتے میں غنائی مصمتے کی جھلک آجاتی ھے مثلاً

خفیف غنائی مصوتہ سنبھل (سمبھل) ـ منگنی ـ

طویل غنائی مصوتہ تانبا (تامبا) ـ گونجا ـ

تلفظ کی سہل انگاری کی وجہ سے ''ن'' ساقط ھو جاتا ھے اور اس کی جگہ مغنون مصوتہ لے لیتا ھے مثلاً انگریزی میں ''I dont want to'' سہل انگاری سے n' مغنون ''o'' اور ''a'' میں بھی بدل جاتا ھے ـ بعض افراد کے تلفظ میں غنائیت مستقلاً سنائی دیتی ھے ـ غنغنی آوازوں کی مثال میں گھاس، پھوس، بھاپ وغیرہ کے لئے گھانس، پھونس، بھانپ جیسے الفاظ پیش کئے جا سکتے ھیں ـ

صوتیات

دوسرے باب میں یہ بیان کیا جا چکا ھے کہ انیسویں صدی کے اواخر میں صوتیے یا فونیم کی دریافت علم الاصوات میں انقلاب کا موجب ھوئی اور آھستہ آھستہ صوتی تجزئیے نے لسانیات کے ایک اور شعبے کو جنم دیا، جسے صوتیات (فونیمکس) کہتے ھیں ـ صوتیات، علم الاصوات ھی کی ایک شاخ قرار پا سکتی ھے اس لئے کہ دونوں کا تعلق بنیادی طور پر آوازوں کی افہام و تفہیم سے ھے ـ صوتیات کا دائرہء عمل نسبتاً محدود ھے اور علم الاصوات کی جولاں گہ میں صوتیات کے مسائل و مباحث بھی آجاتے ھیں ـ

ایک ھی نظام لسان میں آوازوں کی اتنی کثرت ھوتی ھے کہ اسکا علمی طور پر صوتیاتی تجزیہ مشکل ھو جاتا ھے، اس لئے متشابہ آوازوں کی پڑتال کر کے انھیں بنیادی اور ذیلی آوازوں میں تقسیم کر لیا جاتا ھے ـ

بنیادی اوازوں کو صوتیہ (فونیم) اور ذیلی آوازوں کو Allophones کہتے ھیں ۔ کسی زبان کی بنیادی آواز کو ایسی صوتی اکائی قرار دیا جاتا ھے، جن سے معنی کا فرق قائم ھوتا ھے ۔ جب دو آوازوں کا فرق معنوی امتیاز میں مدد دے تو انہیں دو الگ الگ صوتیے قرار دئیے جائیں اگر یہ معلوم کرنا ھو کہ زبان کی کوئی دو آوازیں دو مختلف صوتیوں سے تعلق رکھتی ھیں یا نہیں تو زبان کے کوئی دو لفظ تلاش کرلیجئے جو محض ان آوازوں کی وجہ سے مختلف اور ایک دوسرے سے متمیز ھوں۔ اگر ایسے دو لفظ مل جائیں تو یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ جائیگا کہ یہ دو آوازیں مختلف صوتیے ھیں 1 مثال کے طور پر ''جلنا'' اور ''چلنا'' میں ''ج'' اور ''چ'' دو حنکی آوازیں ایک ھی سیاق میں واقع ھوئی ھیں لیکن ان آوازوں کی وجہ سے دونوں الفاظ کے معانی مختلف ھو جاتے ھیں، اس لئے انہیں صوتیے قرار دیں گے ۔ ''زبان کے جن دو مماثل سے الفاظ میں صرف ایک ایک آواز کے اختلاف کی وجہ سے معنی تبدیل ھوجائیں، انہیں لسانیات کی اصطلاح میں ''اقلی جوڑا'' کہتے ھیں ۔ زبان کے صوتیاتی تجزئیے کی بنیاد انہی اقلی جوڑوں پر رکھی جاتی ھے ۔ جن آوازوں کے اقلی جوڑے فراھم ھو جائیں انھیں زبان میں صوتیے کی حیثیت حاصل ھو جاتی ھے 2 ''

''ذیلی اصوات زیادہ تر مخصوص صوتی ماحول میں استعمال ھوتی ھیں یعنی یا تو کسی مخصوص صوت سے پہلے آئیں گی یا بعد میں، یا پھر لفظ کے شروع میں آئیں گی یا درمیان میں یا آخر میں ۔ مثال کے

۱۔ ''صوتیہ اسکی ماھیت اور استعمال'' صفحہ ۳۹ بحوالہ ''اردو کے صوتیے'' (ڈاکٹر سبزواری) اردو نامہ شمارہ ۱۵ صفحہ ۷۳

۲۔ ''اردو کی بنیادی اور ذیلی آوازیں'' ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، اردونامہ ش ۱۴ صفحہ ۹

طور پز اردو میں امالہ دار زبر صرف ''ہ'' یا ''ح'' سے پہلے یا بعد میں آتا ہے - باقی آوازوں کے ساتھ زبر کی آواز میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اس کے برعکس، صوتیہ ایک ہی صوتی ماحول میں واقع ہو سکتا ہے اور بنیادی بات یہ ہے کہ وہ معنی کے فرق میں مدد دیتا ہے'' - 1

کسی زبان کے صوتیے، اس کی تمام آوازوں کے مقابلے پر کم ہوتے ہیں - زبان کی ان گنت آوازوں کی گروہ بندی سے کچھ صوتی اکائیاں مقرر کر لینے سے، زبان کے صوتی انتشار میں تھوڑا بہت نظم پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے - یہ منظم صوتی اکائیاں محدود ہوتی ہیں اس لئے ان کی وساطت سے زبان کے صوتیاتی تجزئیے میں مدد ملتی ہے - لیکن بعض علماء صوتیات کے نزدیک فونیم یا صوتیوں کی دریافت کا مقصد یہ ہے کہ معرض تحریر میں نہ آنے والی زبانوں کی بنیادی آوازوں کے لئے علامتیں وضع کی جا سکیں -

صوتی نظام

اگرچہ اصوات زبان لامحدود ہو سکتی ہیں اور مخارج اور اعضائے نطق کی مختلف صورتوں اور حالتوں سے، نیز لہجے کے زیر و بم، زور، آہنگ وغیرہ سے ان آوازوں کی نوعیتیں اور کیفیتیں متنوع اور غیر محدود بھی ہو سکتی ہیں، تاہم ہر زبان کا اپنا صوتی نظام ہوتا ہے، جس میں مابہ الامتیاز صوتیوں کی تعداد محدود ہوتی ہے یہ صوتیے عضویاتی، غیر سماعتی اور نفسیاتی اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں - اس میں شک نہیں کہ کسی زبان کی ایک آواز کو نظری تجزئیے کی غرض سے دوسری آوازوں سے الگ تھلگ کر کے منفرد کر لینا ممکن ہے - لیکن نظام لسان سے ہٹ کر ان آوازوں کا کوئی وجود نہیں ہوتا -

---

۱- ''اردو کی بنیادی اور ذیلی آوازیں'' ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، اردو نامہ ش ۱۴ صفحہ ۹

الف، ب، ج وغیرہ کی آوازیں انفرادی وجود نہیں رکھتیں بلکہ دوسری آوازوں کے سیاق اور اجزائے کلمات و عناصر گفتگو کی حیثیت رکھتی ھیں اور نظام لسان بہ جائے خود تلازم اور درجہ بندی کا نفسیاتی ماحصل ھے۔ زبان کا نفسیاتی پہلو لفظ اور معنی ھی میں نہیں بلکہ مختصر ترین لسانی عنصر میں بھی منکشف ھوتا ھے۔ گفتگو کو محض میکانکی نطق یا اس کا سماعتی ماحصل یا دونوں کا مجموعہ ھی سمجھ لینا درست نہیں۔ عضویاتی اور سماعتی اعتبار سے دو آوازیں بالکل متشابہ ھوتے ھوئے بھی معنوی طور پر مختلف ھو سکتی ھیں ۔ اس اختلاف کا انحصار شعور و ارادہ، غرض و غایت پر ھوتا۔موم بتی بجھاتے وقت منہ کی مرتعش ھوا کی آواز اور کسی دوسری آواز میں، مخارج اور اعضائے نطق کی ایک سی حرکات و سکنات کی وجہ سے عضویاتی اور سماعتی مماثلت تو ھو سکتی ھے لیکن پھونک سے پیدا ھونے والی یہ آواز با معنی نہیں سمجھی جاسکتی ۔

یہ عین ممکن ھے کہ کسی زبان کے بولنے والوں میں سے دو افراد کے بھی تلفظ بعینہ یکساں نہ ھوں، پھر بھی انکے لب و لہجہ اور تلفظ کے معمولی اختلافات کی وجہ سے معانی مختلف نہیں سمجھ لئے جاتے۔اس کی خاص وجہ یہ ھے کہ انفرادی آوازوں کے تلفظ کے معمولی اختلافات کی طرف کسی کی توجہ نہیں ھوتی ۔ عام طور پر صوتی نظام کی دوسری آوازوں سے ان کے تناسب پر دھیان ھوتا ھے۔ با معنی تراکیب میں ان آوازوں کے بلیغ وقوع سے یہ تناسب متعین ھوتا ھے، اور اسی سے زبان کے مزاج کی تشکیل ھوتی ھے ۔

''اصوات زبان مطلق نہیں بلکہ اضافی حیثیت رکھتی ھیں ۔ انہیں ایک کل کے اجزاء سمجھئے جن کا وجود بولنے والوں کے ذھن میں ھوتا ھے لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ زبانوں کے صوتی نظام مستقل رھتے ھیں ۔ ھر زبان میں صوتی تغیرات کا تسلسل ملتا ھے ۔

جب تک یہ تغیرات محض ایک فرد تک محدود رہتے ہیں، فرد کی زبان غلط قرار دی جاتی ہے اور ان کا اثر زبان کے صوتی نظام پر نہیں پڑتا - لیکن تمام یا اکثر افراد ایک خاص آواز ایک ہی نہج میں تبدیل کرتے ہیں تو یہ کہا جاتا ہے کہ صوتی نظام میں ترمیم ہو رہی ہے - کبھی ایک آواز کا سقوط ہو جاتا ہے مثلاً ہند یوروپی کی ایک شاخ (سنسکرت) میں ''e'' اور ''i'' بتدریج a کی آواز اختیار کرتے کرتے a بن گئے اور اپنا وجود کھو بیٹھے کبھی کوئی آواز حذف ہو جاتی ہے اور نئی آواز ابھر آتی ہے - ہر چند زبانوں کے نظام مختلف سہی، ہر نظام لسان کی آوازوں کی باہمی مغائرت میں اختلاف سہی، اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تمام نظام ہائے السنہ میں نفسیاتی ربط کی حقیقت مشترک ہے'' - 1

آوازوں کو لفظ کی اکائی اور معنوی قدروقیمت میں جو اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ ان کی ترتیب کو بدل کر لگایا جا سکتا ہے - مثلاً ''کان'' ''ناک'' میں آوازوں کی ترتیب کیا بدلی معنی بالکل بدل گئے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ زبان کی آوازوں کا مطالعہ کئی پہلوؤں سے ہو سکتا ہے -

سماعتی نقطۂ نظر

اس نقطۂ نظر کی رو سے زبان بنیادی طور پر نطق سے تشکیل ہونے والی آوازوں پر نہیں بلکہ سنی جانے والی آوازوں پر مشتمل ہوتی ہے - بادی‌النظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسانی زبان کی جو آوازیں ہم سنتے ہیں، ان کے وجود میں آنے کا سبب نطق ہے - لیکن حقیقت اس کے بر عکس ہے - اس لئے کہ جب ہم بولنا سیکھتے ہیں تو دوسروں سے جو کچھ سنتے یا سن کر اپنے حافظے میں محفوظ رکھتے

۱- ''زبان اور زبانیں'' (ولیم ایل گراف) صفحہ ۴۰

هیں، اسی کی باز آفرینی کرتے ھیں ــ جو آوازیں ھمارے کانوں کے ذریعے ذھن میں پہلے سے محفوظ ھوجاتی ھیں، انھیں دوھرانے کے لئے آلات نطق محض ذریعه بن جاتے ھیں - ھم جس ماحول میں پیدا ھوتے ھیں اسی کی زبان کا اکتساب کرتے ھیں اور اس اکتساب کی ابتدائی صورت سماعت ھے ــ گویا جس زبان کا اکتساب کیا جاتا ھے وہ عبارت ھے اصوات سے، اشاروں یا حرکات نطقی سے نہیں ــ بچے کے کان جس قدر حساس اور صوتی کیفیتوں کو ممیز کرنے والے ھوتے جاتے ھیں، اسی قدر وہ اپنے تلفظ کی تصحیح کرتا رھتا اور ارد گرد سنائی دینے والی زبان کو زیادہ صحت کے ساتھ استعمال کرتا ھے ــ اس حقیقت سے صاف ظاھر ھے کہ متنوع آوازوں کی نوعیتوں اور کیفیتوں میں تفریق و تمیز کرنے والے کان، اعضائے نطق سے زیادہ اھم ھیں - اس نقطه نظر کے موئیدین مخارج، اعضائے نطق کی صورتوں اور حالتوں کے تغیرات وغیرہ کو زیادہ اھمیت نہیں دیتے اور ماھرین نطقیات کے برعکس یه کہتے ھیں که ae، e، i، o، u مصوتوں کو ادا کرتے وقت منه نسبتاً کم نہیں کھلتا اور زبان کا پچھلا حصه تالو کی طرف نہیں اٹھتا اور بہتر o، u، y وغیرہ کی ادائیگی میں ھونٹ دائرہ نہیں بناتے بلکه پھیلتے ھیں ــ اعضائے نطق کے عکس ریز سے یه ثابت ھوتا ھے که کوئی دو افراد کے بھی اعضائے نطق مشابه نہیں ھوتے ــ پھر یکساں حرکات نطقی سے یکساں اصوات کیوں کر پیدا ھو سکتی ھیں ؟ اعضائے نطق کے حرکات و سکنات کی بنیاد پر اصوات کی درجه بندی درست نہیں ھو سکتی ــ آوازوں کی سائنسی توضیح سماعتی خصوصیات کے تجزیئے ھی سے ممکن ھے ــ

نطقی نقطهٔ نظر

اس نقطهٔ نظر کی رو سے تلفظ آوازوں سے زیادہ اھم ھے، زبان جب ایک نسل سے دوسری تک منتقل ھوتی ھے تو سماعی ادراک، بولنے والوں کے نطق کی رھنمائی ضرور کرتا ھے لیکن اس طرح کی رھنمائی

اس وقت بالکل غیر اہم ہوگی، جب قدیم انسان نے بولنا شروع کیا ہوگا۔ ونٹ کی رائے میں تو آغاز زبان حرکات اور اشاروں کی نقالی سے ہوا ہے اور آوازیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں - اس نقطۂ نظر کے حامیوں کے نزدیک آوازوں کی سماعتی حیثیت پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ کان ہر چند انتہائی حساس ہوں، ان کے کچھ حدود ہوتے ہیں۔ سماعت ان حدود سے متجاوز نہیں ہوتی - بہت سی آوازیں غیر مصیت، غیرمسموع یا مختفی بھی تو ہوتی ہیں - عضویاتی طور پر آوازوں کی جو توضیح کی جاتی ہے، وہ ایک عام فرد کے نطق کی نمائندگی کرتی ہے - یہ توضیح استثنائی نہیں بلکہ اشاری و مثالی ہوتی ہے جس کا اطلاق زبان کے عام بولنے والوں کے نطق پر کیا جا سکتا ہے - ہر صوتیہ متنوع صورتوں میں تجربی وجود رکھتا ہے، جس کی صحیح خصوصیات بولنے والوں کے اعضائے نطق کی حالتوں اور صوتیاتی ماحول پر منحصر ہوتی ہیں۔

آوازوں کی کیفیاتی خصوصیات

صوت، تنفس، سرسراہٹ یا سرعت، دھماکہ وغیرہ، آوازوں کی نوعی خصوصیات ہیں، جن کی بنیادوں پر ان کی درجہ بندی کی جاتی ہے۔ ان خصوصیات کے علاوہ بعض ایسی کیفیاتی خاصیتیں بھی ہوتی ہیں، جو تمام یا زیادہ سے زیادہ صوتیوں میں مشترک ہیں - ان کی بنیاد پر آوازوں کو تقسیم تو نہیں کیا جا سکتا لیکن ان کی کیفیات کو سمجھا جا سکتا ہے - ان خصوصیات میں زیرو بم یا صوتی سطح، سماعتی رنگ آرائی، صوتی کیفیت زور اور امتداد ہیں، جو لہجے کے اجزائے ترکیبی کہلا سکتے ہیں، (ما سوائے سماعتی رنگ آرائی کے) ۔

زیر و بم یا صوتی سطح

طبعی طور پر زیر و بم کا انحصار ان تھرتھراہٹوں کی تعداد ارتعاش پر ہوتا ہے جن کی بدولت آواز وجود میں آتی ہے ۔ وقت کی ایک اکائی میں جس قدر زیادہ تعداد ارتعاش ہوگی اسی قدر صوتی سطح بلند ہوگی -

تعداد ارتعاش کا دارو مدار اعصاب نطق کے تناؤ پر ہوتا ہے ـ تمام افراد کے اعصاب نطق طبعی اور حیاتیاتی طور پر ہو بہو یکساں نہیں ہوتے ـ جسمانی نشوونما کے ساتھ ان کی بھی نشو ونما ہوتی ہے ـ اعصاب نطق طویل ہوں تو وقت کی ایک خاص اکائی میں تعداد ارتعاش کم ہوگی اور اگر قصیر ہوں تو وقت کی اسی اکائی میں تعداد ارتعاش زیادہ ہوگی ـ جب صوتی گمک بنیادی اور ذیلی آوازوں سے ترکیب پاتی ہے تو ان کی مخصوص سطحوں اور زیر و بم کے باوجود اس کی صوتی سطح کا سماعتی اثر بنیادی آوازوں ہی سے مترتب ہوتا ہے ـ زیر و بم کے تنوع کو لا محدود کہا جا سکتا ہے ـ یہ زیرو بم، آوازوں یا لفظوں کی رکنی تقسیم کے مطابق ہو سکتا ہے ـ بعض زبانوں میں زیرو بم اور صوتی سطحوں میں مخصوص تناسب بھی ہوتا ہے اور بعض اس تناسب سے عاری ہوتی ہیں ـ مرکب زیرو بم ایک رکن تک محدود ہو تو اس کے ساتھ ساتھ ''مرکب زور'' کی بھی کارفرمائی ہوتی ہے ـ

سماعتی رنگ آرائی

اس میں کوئی شک نہیں کے آوازوں کے مخصوص مخارج ہوتے ہیں جن کی وجہ سے ان کی نوعیتں بھی خصوصی ہوتی ہیں لیکن اعضائے نطق کے حرکات و سکنات همه وقت میکانکی ہی نہیں ہوتے ـ ان کی خفیف سی تبدیلی آواز کی کیفیت میں تھرڑا بہت تغیر کردیتی ہیں، اور کانوں کی دراکی انہیں کچھ نہ کچھ محسوس کر لیتی ہے ـ اس سے قطع نظر نطق کے مقررہ عضویاتی مناهج سے پیدا ہونے والی آوازیں، ایک ہی نوع اور کیفیت سے تعلق رکھنے کے باوجود سماعت کی محتاج ہوتی ہیں اور سماعتی تاثرات همه وقت بالکل ایک سے نہیں ہوتے ـ سماعت کے میکانکی پہلوؤں کی صداقت کے باوجود سماعتی تاثرات میں سماعتی رنگ آمیزی بھی شامل ہو سکتی ہے ـ بعض آوازوں میں ما قبل یا ما بعد آواز کی رنگ آمیزی بھی ہوجاتی ہے ـ

صوتی کیفیت

دو مختلف آلات سے پیدا ہونے والی ایک ھی صوتی سطح کی آوازوں میں تفریق صوتی کیفیت ھی کی بدولت ہوتی ھے ـ دو افراد ایک ھی آواز یکساں صوتی سطح پر ادا کریں تو بھی ان میں سے ہر ایک کی آواز منفرد کی جا سکتی ھے - اصوات کا تقابل کرتے وقت ہم انہیں باریک، بھر پور، نرم، کھنکھناھٹ دار، تیز بھدی یا میٹھی کہتے ھیں - صوتی کیفیت کی ان تمام قسموں کے مختلف اسباب ہوتے ھیں - لیکن خاص اور فوری وجہ آواز کی ساخت ھی ہوتی ھے ـ بعض ماہرین کی یہ رائے ھے کہ دو افراد کے اعضائے نطق بھی متشابہ نہیں ہوتے، اس لئے ان اعضائے نطق سے یکساں میکانکی طور پر پیدا ہونے والی آوازیں مماثل نہیں ہوتیں صوتی سطح کے ساتھ ساتھ صوتی کیفیت کا فرق بھی ہوتا ھے ـ اگر صوتی سطح ایک سی ہو تو بھی صوتی کیفیتیں مختلف ہوتی ھیں اور اس اختلاف کو صاف طور پر محسوس کیا جا سکتا ھے ـ اسی لئے یہ کہا جاتا ھے کہ یہ فلاں کی آواز ھے اور وہ فلاں کی ـ گویا ہر شخص کی آواز اس اعتبار سے انوکھی ہوتی ھے کہ اس پر عموماً کسی دوسرے کی آواز کا دھوکا نہیں ہوتا ـ ایسا بھی ممکن ھے کہ ایک ھی آواز نطق کے خفیف سے مختلف طریقوں سے پیدا ہو ـ یہ امکان حلقوم اور دھن کے گونج پیدا کرنے والے خلا کی دیواروں کی نرمی یا سختی کی وجہ سے بھی ہوتا ھے اور اصوات کے کیفیاتی اختلافات کی بدولت بھی ہر فرد کے اعضائے نطق عام سماعتی خصوصیات کے جو سر پیدا کرتے ھیں وہ مخصوص صوتی حدود کے اندر ھی ہوتے ھیں اور انہی پر صوتی کیفیت کا انحصار ہوتا ھے - یہ کیفیت سامع کے نفسیاتی التباس کا نتیجہ بھی ہوسکتی ھے - بعض آوازیں ما قبل اور ما بعد آوازوں کے نفوذ سے بھی کچھ کی کچھ سنائی دیتی ھیں ـ

زور

عام طور پر زور کو حرکی لہجہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ خصوصیت تمام آوازوں میں ملتی ہے - زیرو بم اور امتداد میں تبدیلی ہو یا نہ ہو اس خصوصیت میں تغیرات ہوتے رہتے ہیں - طبعی نقطہء نظر سے آواز کا زور، دراصل اس کی تندی یا شدت ہے - زور، اور تھر تھراہٹوں کی جولاں گاہ کے متناسب ہوتے ہیں - آواز کے طبعی زور کا اثر یہ ہوتا ہے کہ آواز زیادہ جلی اور واضح ہو جاتی ہے - حنجرے سے نکلنے والی مرتعش ہوا کا حجم ملحوظ ہوتو کہا جا سکتا ہے کہ موکدہ مصوتے کا تلفظ ادا کرتے وقت کم ہوا باہر آتی ہے اور غیر موکدہ مصوتے کی ادائیگی میں نسبتاً زیادہ - مصمتوں کے تلفظ میں اس کے بر عکس ہوتا ہے آواز کا زور دراصل اعصاب نطقی کے زیادہ تناؤ اور فم حلق میں مرتعش ہوا کے زیادہ دباؤ کا نتیجہ ہے ـ زور کا ادارک کرنے والا، قائل کی بات چیت کے میکانکی پہلوؤں کے مظاہرے سے بھی اثر قبول کرتا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ کسی لفظ کا ایک مصوتہ سر گوشی سے یوں ادا کیا جائے کہ اسی میں لفظ کا ''زور'' سمٹ آئے - زیرو بم اور ''زور'' آواز کی ایسی مختلف کیفیاتی خصوصیات ہیں، جو ایک دوسرے کی محتاج نہیں ہوتیں ـ

امتداد

آواز کے امتداد کو کمیت بھی کہا جاتا ہے ـ ظاہر ہے کہ ایک آواز کے امتداد سے وہ وقت مراد ہے جو اس کی تخلیق میں صرف ہوتا ہے مختلف آلاتی طریقوں سے اس کی صحیح صحیح پیمائش ہو سکتی ہے ـ اس ضمن میں ''طویل''، ''نیم طویل''، ''قصیر'' یا ''جلی'' ''میانہ'' اور ''خفی'' اصطلاحیں استعمال کی جاتی ہیں - یہ اصطلاحیں محض اضافی ہیں - ایک آواز، دوسری کے مقابلے پر ''طویل ہو سکتی ہے لیکن تیسری کے مقابلے پر ''قصیر'' بھی ہو سکتی ہے ـ آواز کے امتداد کے ضمن میں

ذہنی التباس بھی ہوتا ہے ۔ وہ مصوتے جنہیں عام طور پر طویل سمجھا جاتا ہے، اکثر قصیر ہوتے ہیں - جو مصوتے قصیر سمجھے جاتے ہیں بعض حالات میں وہ طویل سمجھے جانے والے مصوتوں سے طویل تر ہوتے ہیں - ترسیمیاتی طریق مطالعہ سے یہ ثابت ہوگیا ہے ۔ کہ ''طویل'' سمجھی جانے والی بعض آوازیں، حقیقتاً طویل نہیں ہوتیں بلکہ زور کے جلی ہونے یا صوتی سطح کے بلند ہونے سے ایسی محسوس ہوتی ہیں -

آواز کی ان کیفیاتی خصوصیات میں سے ''زیر و بم'' اور ''زور'' کو نوعیتی لہجہ اور امتداد کو کمیاتی لہجہ بھی کہا جاتا ہے -

رکن یا سلیبل

اکثر لسانی مظاہر رکنی شرائط و حالات پر مبنی ہوتے ہیں اور ان کی توضیح و تشریح کسی نہ کسی رکنی نظرئیے پر ہی منحصر کی جا سکتی ہے - رکن یا سلیبل کی جامع و مانع تعریف ممکن نہیں - ہمارے مبادیات عروض میں '' سبب '' '' وتد '' اور '' فاصلہ '' اصطلاحیں دراصل رکن ترجمانی کرتی ہیں لیکن یہ اصطلاحیں دراصل '' رکن '' کی چند نوعیتوں تک محدود ہیں - رکن سے متعلق جو قابل ذکر نظرئیے پیش کئے جاتے رہے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں :-

پہلے نظرئیے کو زور کا نظریہ کہا جاتا ہے -

بہت دنوں تک ''رکن'' سانس کی ایک لہر کا ہم زاد سمجھا جاتا رہا - یہ خیال عام تھا کہ کسی لفظ میں اتنے ہی ارکان یا مقاطع ہوتے ہیں، جتنی سانس کی متمائز لہریں - ہر ''رکن'' کا ''بم'' سانس کی لہر کے زیادہ سے زیادہ ''زور'' سے مطابقت رکھتا ہے اور ''زیر'' اس کے اختتام کا مظہر ہوتا ہے ۔ ارکان یکے بعد دیگرے بتدریج اس طرح ادا ہوتے ہیں کہ ان کے درمیان قطعی حدبندی دشوار ہے — یہ نظریہ متکلم اور سامع کے موضوعی تاثرات پر مبنی تھا - لیکن اب جبکہ تنفس کے عمل کی قطعیت کے ساتھ پیمائش ممکن ہو چکی ہے، اسے

درست نہیں سمجھا جا سکتا ۔ فطری بول چال میں مرتعش ہوا کے تسلسل میں کوئی کھانچہ ثابت کرنا ممکن نہیں، ہاں شعوری طور پر ایک ایک رکن علیحدہ علیحدہ بولنے کی کوشش سے مرتعش ہوا کی لہروں کو ایک دوسرے سے متمائز کیاجا سکتا ہے 1

دوسرا نظریہ گونج کا نظریہ ہے جو آوازوں کی اضافی گونج پر منحصر ہے - کسی آواز کی گونج کی شدت، اس فاصلے سے ناپی جاتی ہے جہاں تک آواز سنا اور پہچانا جا سکے ۔ ہر آواز میں فطری طور پر ہلکی سی گونج ہوتی ہے، مصوتوں میں زیادہ مصمتوں میں کم - گونج کے اعتبار سے آوازوں کی ترتیب میں مصوتوں کے بعد جلی رائیہ، لائیہ مغنون، ان کے بعد صغیریہ اور دھماکے دار مصمتے اور سب سے آخر میں خفی صغیریہ اور خفی دھما کے دار مصمتے رکھے جا سکتے ہیں ۔ رکن کی جس آواز میں زیادہ شدت ہوتی ہے اسے رکنی اور باقی آوازوں کو غیر رکنی کہا جاتا ہے ۔ کچھ آوازیں (مثلاً رائیہ، لائیہ، مغنون اور صغیرِیہ) رکنی بھی ہو سکتی ہیں اور غیر رکنی بھی - مثلاًانگریزی حرف ''i'' لفظ ''ably'' میں غیر رکنی اور ''able'' میں رکنی 2

لیکن چونکہ آوازوں کی اضافی گونج بہت کچھ موضوعی حیثیت رکھتی ہے، اس کی معروضی پیمائش کے لئے کوئی تجرباتی طریقہ وجود میں نہیں آسکا ہے - آواز کی سماعت اور شناخت کے فاصلے کی پیمائش کے لئے جو تجربات کئے جاتے رہے ہیں، وہ کان کے موضوعی شرائط پر بھی منحصر رہے ہیں ۔

تیسرا نظریہ منہ کے کھلنے اور بند ہونے کا نظریہ کہلاتا ہے جسے فردی نند داساسر نے پیش کیا ہے - داساسر کا نظریہ

۱۔زبان اور زبانیں صفحہ ۵۵ (گراف)

۲-زبان اور زبانیں صفحہ ۵۷ (گراف)

یہ ہے کہ جب متکلم آواز کی ایک ترکیب کے بعد دوسری ادا کرتا ہو تو مسلسل گفتگو میں منہ بتدریج کھلتا اور بند ہوتا ہے اور اس طرح منہ کے کھلنے اور بند ہونے سے رکن یا سلیبل ادا ہوتے ہیں - منہ کھلنے یا بند ہونے کی ایک حرکت، رکنی حرکت کہلا سکتی ہے اور ایک رکنی حرکت میں ایک صوتیہ بھی ادا ہو سکتا ہے اور مخصوص ترتیب کے زائد صوتیے بھی -

آلاتی علم‌الاصوات کے ماہرین رکن یا سلیبل کے زیادہ قائل نہیں ان کے نزدیک عام بات چیت میں رکن یا سلیبل کا وجود نہیں ہوتا - تاہم ان کا خیال ہے کہ رکن کا تصور اسی وقت تسلیم کیا جا سکتا ہے جب ایک لفظ میں ارکان کی تعداد مصوتوں کی تعداد کے مساوی مان لی جائے - لیکن اردو زبان کے پیش نظر یہ خیال درست نہیں، اس لئے کہ اردو میں رکن دو مصوتوں پر بھی مشتمل ہو سکتا ہے - ایک طویل اور دوسرے خفیف مصوتے کی مثال میں ''اثر'' کا ''ا'' اور دو مصمتوں اور ایک مصمتے کی مثال میں ''افضل'' کا ''اف'' پیش کیا جا سکتا ہے - ہاں یہ ضرور کہ سکتے ہیں کہ اردو میں بھی مصوتے کے بغیر رکن کی تشکیل نہیں ہوتی -

ای - اے می ار اور بعض دوسرے ماہرین کے نزدیک غور طلب یہ بات نہیں کہ ایک لفظ میں کتنے ارکان یا مقاطع ہیں، بلکہ یہ ہے کہ وہ کتنے ارکان میں ادا ہو سکتا ہے - گویا رکن کا مسلہ، صوتی نہیں بلکہ اس کا تعلق ''وزن'' یا ''بحر'' یا دوسرے لفظوں میں عروض سے ہے -

علم‌الاصوات کے بعض عالموں نے رکن کے سلسلے میں صنجرلے کے عضلاتی تناؤ کو زیادہ اہمیت دی ہے - مارس گریحونٹ نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جس مصمتے سے رکن کی ابتدا ہوتی ہے، اس کی ادائیگی میں صنجرلے کا تناؤ بڑھ جاتا ہے اور رکن کے آخری مصمتے کی

ادائیگی میں تناؤ خاصا کم ہو جاتا ھے۔ مصوتوں کی آواز نکالتے وقت یہ تناؤ گھٹتا جاتا ھے - گریمونٹ کے نزدیک رکن یا سلیبل، حنجرے کے بڑھتے ہوئے تناؤ سے پیدا ہونے والے ایک یا زائد صوتیوں اور گھٹتے ہوئے تناؤ سے ادا ہونے والے ایک یا زائد صوتیوں کی ترکیب پر مشتمل ہوتا ھے۔ 1

تلفظ اور لہجہ

آوازوں کی صحیح مخارج سے ادائیگی، اور ان کی ترکیب و تالیف کو تلفظ کہا جاتا ھے - تلفظ کی صحت کا دار و مدار مخارج کی صحت پر ہوتا ھے - ہر لفظ کے تلفظ میں کچھ غنائی عنصر ہوتا ھے جسے ''لہجہ'' سے تعبیر کیا جاتا ھے - ''لہجہ'' کی حیثیت معروضی بھی ہوتی ھے اور موضوعی بھی - اسے تلفظ کی کیفیت بھی کہہ سکتے ھیں اور سماعتی تاثر بھی - سطور بالا میں لہجے کے عناصر ترکیبی اور کیفیاتی اور کمیاتی حیثیتوں کی طرف اشارہ کیا جا چکا ھے - تلفظ کی صحت کے باوجود ''لہجے'' کی خفیف تبدیلیوں کا امکان ہو سکتا ھے - یہ تبدیلیاں ارکان، الفاظ، تراکیب اور جملوں میں سے ہر ایک میں ہو سکتی ھیں - گفتگو کے ان اجزاء کو ملحوظ رکھ کر لہجے کا مطالعہ کیا جا سکتا ھے - ہر زبان میں لہجے کی مخصوص صوتی سطحیں ہوتی ھیں - اس زبان کے بولنے والوں کا تلفظ ہر چند صحیح ہو، مستقل اور غیر تغیر پذیر صوتی سطح کا حامل نہیں ہوتا بلکہ اس زبان کی مخصوص صوتی سطحوں کی حدود میں متغیر ہوتا رہتا ھے اور مخارج کے اعتبار سے صحیح ھی رہتا ھے- لب و لہجہ کی ہلکی سی تبدیلی اور اتار چڑھاؤ سے ایک ھی جملے، ایک ھی ترکیب بلکہ ایک ھی لفظ کے معنی اور اس کے تاثر میں خاصہ فرق پڑ جاتا ھے - مثلاً ذیل کے مکالمے میں (۲) اور (۳) پر غور کیجیے :-

---

۱- ''زبان اور زبانیں'' (گراف) صفحہ ٦٧

(۱) کیا کر رہے ہو ؟

(۲) کام

(۳) کام ؟ یا کام !

(۲) اور (۳) میں ایک ہی لفظ استعمال کیا گیا ہے - (۲) میں اس کی حیثیت محض بیانیہ ہے (۳) میں ''لہجے'' سے اس کی حیثیت استفہامیہ بھی ہو سکتی ہے اور استعجابیہ بھی، اس میں تحسین کا پہلو بھی ہو سکتا ہے اور تحقیر یا طنز کا بھی ''لہجہ'' کی تبدیلی سے ایک ہی لفظ چھ مختلف تاثرات پیدا کر سکتا ہے ۔

ایک ہی جملے میں مختلف الفاظ پر ''زور'' دے کر بار بار دہرائیے اور معانی کے لطیف فرق پر غور کیجئے - ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے لہجے کے اتار چڑھاؤ سے پیدا ہونے والی معنوی تبدیلیوں کی مثال میں یہ جملہ پیش کیا ہے ''کیا آپ کتاب لینے بازار گئے تھے'' - انہوں نے اس جملے کے بعض الفاظ ''آپ'' ''کتاب'' ''لینے'' اور ''بازار'' پر زور دینے سے مفاہیم میں جو تفریق ہو سکتی ہے، ان کی طرف اشارہ کیا ہے [1]

اس جملے کو معمولی استفہامیہ لہجے میں ادا کیا جائے تو سیدھا سادا استفہام ہو ۔ لیکن ''کیا'' پر زور دینے اور لب و لہجے کی خفیف سی تبدیلی سے استفہام میں غصے کی جھلک بھی پیدا ہو سکتی ہے اور استعجاب حقارت یا طنز کی بھی - اسی طرح دوسرے الفاظ سے متعدد تاثرات پیدا کئے جا سکتے ہیں - لہجے کی وجہ سے تاثرات اور معانی کی تفریق کی ایسی مثالیں تقریباً ہر زبان میں ملتی ہیں -

آلاتی علم الاصوات کی لسانیاتی اہمیت

جہاں تک کسی زبان کے تلفظ کی عمرانی اور نفسیاتی حیثیت کا تعلق ہے، آلاتی علم الاصوات کی کوئی خاص افادیت نہیں ہے - میکانکی طریق مطالعہ کو بہت زیادہ اہمیت دینے کا یہ بھی نتیجہ ہو سکتا ہے

۱- اردو کی بنیادی آوازیں (ڈاکٹر نارنگ) ''اردو نامہ'' شمارہ ۱۴، صفحہ ۲۳

که لسانی حقائق کی اصل ماهئیت سمجھنے میں غلطی ھو جائے - زبان محض آوازوں کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک با معنی صوتی نظام ھے، اس لئے اس کے سماجی اور نفسیاتی عناصر اتنے ھی اھم ھیں جتنے طبیعی اور عضویاتی- اس میں کوئی شک نہیں کہ آلاتی علم الاصوات کے تجربات سے حاصل شدہ نتائج ماھرین لسانیات کے لئے بہت کچھ مواد فراھم کرتے ھیں اور بہت سے دل چسپ مسائل منظر عام پر لانے کے ساتھ ساتھ ان کی دل نشیں توجیہات بھی پیش کردیتے ھیں — لیکن سچ بوچھئے تو ماھر علم اصوات کا کام صرف اتنا ھے کہ وہ نفسی عضویاتی حقائق کی تنقیح کرے - زبان کے تجزئیے کے سلسلے میں اس تنقیح کی افادیت اور زبان کی تفسیر میں اس کے عمل دخل کا جائزہ، عالم لسانیات کا منصب ھے- 1

لسانیاتی اعتبار سے میکانکی طریقوں سے حاصل کیا ھوا مواد ''اجنبی زبان'' تاریخی لسانیات اور لسانی نفسیات کے طالب علموں کے لئے کچھ کارآمد ھو سکتا ھے -

کسی اجنبی زبان کی تحصیل و تفہیم کے ضمن میں طالب علم سے ایک لغزش ھو سکتی ھے - وہ غیر شعوری طور پر اپنے موضوعی اقدار اس اجنبی زبان میں منتقل کر سکتا ھے اور پھر اس زبان کی موضوعی تفسیر، زبان کی اصل ماهئیت کے برخلاف بھی ھو سکتی ھے - اس لئے یہ معلوم کرنا اشد ضروی ھے کہ اجنبی زبان میں موضوعی تفسیر اور ارادہ سے معروضی حقیقت کہاں کہاں منحرف ھوتی ھے - یہ کام آلاتی علم الاصوات کے سہارے ھی ممکن ھے - 2

زبان کے جو تغیرات نفسیاتی طور پر متمائز کئے جاتے ھیں، وہ دراصل میکانکی وقوع کے تسلسل کا نتیجہ ھوتے ھیں - زبان کے غیر شعوری معروضی اعمال شعوری حقائق بھی بن جایا کرتے ھیں - اس لئے زبان

---

۱ - ۲- ''زبان اور زبانیں'' (گراف) صفحہ ۱۷۹، ۱۸۰

میں موضوعی احساس سے غیر شعوری معروضی انحراف کا مطالعہ، لسانی ارتقا کی نہج کو سمجھنے میں مدد دے سکتا ہے ۔ 1

زبان کے نظم و ترتیب کے طبعی پہلو یا اصوات کی اہمیت سے انکار تو نہیں کیا جا سکتا لیکن لسانیات کو محض علم الاصوات کی تنگنا میں مقید کر دینا بھی درست نہیں ۔ اکثر علماء لسانیات نے لسانیات کے اس شعبے کی اہمیت جتانے میں اتنے غلو سے کام لیا ہے کہ زبان کے نفسیاتی پہلو اور تفسیر و معانی کو لسانیات کے دائرے ہی سے خارج کردیا ۔ اس کے مقابلے پر ''معنو یات'' کے بہت سے عالموں نے علم الاصوات کو درخور اعتنا نہیں سمجھا ۔ اس افراط و تفریط کے نتیجے میں ''لسانیات'' کی مصطلحات میں ''صوتی لفظ'' اور ''معنویاتی لفظ'' جیسی اصطلاحات وجود میں آئیں ۔ ایک طرف لفظ کو محض صوتی اکائی قرار دیا جانے لگا اور دوسری طرف اسے علاماتی اکائی نہیں بلکہ معنوی حقیقت ۔

معنویات

انیسویں صدی کے اواخر میں زبان کی نفسیاتی اور صوتی ثنویت پر خاصا زور دیا جانے لگا تھا ۔ اس کی صوتی حیثیت ، نیز عضویاتی و صوتی تغیرات کو میکانکی اور طبیعی ہی نہیں بلکہ انسان کے ذہن و ارادہ سے بالاتر بھی سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ جب یونانی نحویوں سے مستعار لی ہوئی اصطلاح ''معنویات'' کو لسانیات میں استعمال کیا گیا تو اسے زبان کے صوتی پہلو کے برعکس با معنی پہلو قرار دیا گیا ۔ اس طرح یہ اصطلاح، علم الاصوات کی کم و بیش '' ضد '' سمجھی جانے لگی ۔

بعض عالموں کے نزدیک ''معنویات'' میں ان قوانین و شرائط کا مطالعہ کیا جاتا ہے، جن کے ماتحت علامات و اشارات (بشمول الفاظ) با معنی ہو سکتے ہیں ۔ گویا الفاظ اور ملفوظ مظاہر کے باہمی

۱۔''زبان اور زبانیں'' (گراف) صفحہ ۱۷۹، ۱۸۰

رشتوں کا مطالعہ ''معنویات'' ہے - آہستہ آہستہ ''معنویات'' کا دائرہ وسیع ہوا تو زبان، فکر اور ''کردار'' کے باہمی علائق کا مطالعہ بھی اس میں شامل کیا جانے لگا۔ ''معنویات'' نے یہ سکھایا کہ انسانی اعمال، الفاظ سے (خواہ وہ الفاظ زبان سے ادا ہوئے ہوں یا ''فکر'' تک محدود رہے ہوں) کس طرح اثر پذیر ہوتے ہیں - منطق کی یہ شاخ، لسانیات میں نیا روپ دھار کے داخل ہوئی - شروع شروع میں وہ الفاظ کے معنوی تغیرات کے تاریخی مطالعہ تک محدود رہی ـ لیکن جب اس نے فروغ پایا تو ''لسانیات کا ایک شعبہ ہی نہ رہی بلکہ فلسفہ کا ایک شعبہ بھی بن گئی'' اور لسانیات کے حدود سے متمائز کرنے کے لئے اسے ''عام معنویات'' کا نام دے دیا گیا ـ اس نام کو رائج کرنے میں پولش عالم کارزبسکی (۱۸۷۹ – ۱۹۵۰) کا خاص حصہ ہے، جس نے واقعات، الفاظ اور علامات کی ان کے ماحول کے اندر تشخیص و تعین کے سلسلے میں ریاضیاتی، طبیعاتی، حیاتیاتی اور نفسیاتی مسائل کو بھی زیر بحث لاکر ''معنویات'' کو صحیح معنوں میں فلسفہ بنا دیا -

''معنویات'' کے ضمن میں ایڈورڈ ساپر، مالینوسکی، بلوم فیلڈ اور ''دبستان پراگ'' کے عالموں کا ذکر ضروری ہے - ساپر اور مالینوسکی نے ابتدائی ماہرین معنویات کی اس تحقیق کی تصدیق کی ہے کہ زبان محض فکر یا خیال کا اظہار نہیں کرتی بلکہ متکلم کے تصور حقیقت یا مشاہدہ حقیقت کی خصوصیت کا تعین کرتی ہے - عام خیالات، کردار اور بیوہار ہی نہیں بلکہ دقیق فلسفیانہ افکار بھی زبان کی ساخت اور اس کے کینڈے کے مطیع قرار دئیے جا سکتے ہیں - زمان و مکان اور مادہ سے متعلق تصورات و افکار محض خیالی پلاؤ نہیں بلکہ ثقافت اور زبان سے ماخوذ ہیں ـ

''دبستان پراگ'' کے عالموں نے سنہ ۱۹۲۰ع کے لگ بھگ یہ ثابت کیا ہے کہ ہر آواز اور ب، پ، ت، د وغیرہ آوازوں کا ہر زمرہ

به جائے خود با معنی ہے، اس لئے اسے ''صوتیہ'' کہنا چاہئے ''بات'' اور ''پات'' دو مختلف الفاظ ہیں، ان کے معانی کا فرق ''ب'' اور ''پ'' کے فرق پر منحصر ہے - یہ فرق با معنی ہے اس لئے صوتیوں کا ہر زمرہ ''معنویاتی'' بھی ہے —

حق تو یہ ہے کہ ''معنویات'' اور ''اصوات'' میں حد فاصل کھینچ کر زبان کی اکائی کو دو لخت کرنا درست نہیں - اس لئے یہ کہنا درست ہوگا کہ دوران گفتگو لسانی خصوصیت اور ذہنی اعمال کے درمیان جو تعلق ہوتا ہے،اس کا مطالعہ ہی ''معنویات'' ہے —

لیکن زبان کی ہیئت اور اس کے معنی میں مکمل ہم آہنگی اور مماثلت کی توقع نہیں رکھی جا سکتی - زبان ہمارے ذہن کے اعمال و وظائف کی ہو بہو عکاسی کرنے سے قاصر ہوتی ہے - کیوں کہ وہ بھی فلسفہ، قانون اور آرٹ کی طرح ایک بار معرض وجود میں آجانے کے بعد اپنے خالق سے کسی قدر بے تعلق ہو کر بہ جائے خود ایک نظام کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے - زبان میں کثیرالمعنی الفاظ بھی ہوتے ہیں، لیکن جب ایسے الفاظ افہام و تفہیم میں رکاوٹ پیدا کرنے لگتے ہیں تو ان الفاظ کی معنوی کثرت ختم ہونے لگتی ہے - اسی طرح مترادفات میں لطیف فرق پیدا کیا جانے لگتا ہے —

امریکی عالم بلوم فیلڈ اور اس کے بعض مقلدین، ذہنی اعمال کو مابعدالطبیعی کہہ کر نظر انداز کر دیتے ہیں - ان کا خیال ہے کہ ان اعمال کا سائنسی ثبوت فراہم نہیں کیا جا سکتا — زبان ہی اصل حقیقت ہے اور ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ بات چیت کرتے وقت کسی شخص کے ذہن میں کیا کچھ اعمال و کیفیات ہوتی ہیں - ہم صرف یہ جان سکتے ہیں کہ زبان سے ادا ہونے والے الفاظ، بلکہ آوازوں کے مجموعوں کے بعد مخصوص طبیعی اعمال سرزد ہوتے ہیں — زبان کا مطالعہ معانی سے بے نیاز ہو کر ہی ہونا چاہئے — لیکن یہ سوال بھی

غورطلب ہے کہ کسی قسم کے ذہنی اعمال کے بغیر زبان کی افہام وتفہیم کیسے ہو سکتی ہے -

ناروے کے عالم لسانیات اے سومر فیلمٹ نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اصولاً زبان، افراد سے بے تعلق اور آزاد رہتی ہے - وہ اعمال کا ایسا نظام ہے، جسے افراد اپنے بڑے بوڑھوں سے سیکھتے ہیں - آہستہ آہستہ الفاظ معاشرے کے لئے بیش بہا ہو جاتے ہیں - انہی کے ذریعہ معاشرہ ارد گرد کی دنیا سے بہت کچھ سیکھتا اور اسے بہت کچھ متاثر کرتا ہے - سوچنے سمجھنے اور غور و فکر کے مدارج زبان پر منحصر ہوتے ہیں - لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ منطق اور گرامر کا منصب ایک ہی ہے - ان دونوں کو مترادف سمجھ لینے کی وجہ سے زبان کو خاصا نقصان پہنچتا رہا ہے -

سومر فیلمٹ کا یہ خیال درست نہیں کہ ہم الفاظ کے ذریعے سے سوچتے ہیں - جو لوگ گویائی سے محروم ہوتے ہیں، وہ سوچنے سمجھنے اور غور و فکر کی صلاحیتوں سے بے بہرہ نہیں ہوتے - عام آدمی محض سماعت کی مدد سے الم اور علم میں تمیز نہیں کر سکتا، تاوقتیکہ وہ ان کے سیاق و سباق پر غور نہ کرے - ہم بات کرنے سے پہلے اسے تول لیتے ہیں اور کبھی کبھی تو سوچ میں اس طرح ڈوب جاتے ہیں کہ بات کرنے یا کچھ کہنے کا بھی ہوش نہیں رہتا - بعض اوقات کوئی خیال ذہن میں تو واضح ہوتا ہے، لیکن اسے الفاظ کا جامہ پہنانے سے قاصر رہتے ہیں - یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ زبان اور فکر یا خیال میں جدلیاتی رشتہ ہوتا ہے - زبان ہمارے انداز فکر اور تصور کائنات پر تھوڑی بہت اثر انداز ہوتی ہے ہماری فکر کی پختگی میں اس کا بھی عمل دخل ہوتا ہے، خصوصاً کم سنی میں - انسانی ثقافت کا فروغ، زبان کا مرہون منت بھی ہے - خیال، زبان پر مقدم تو ہے لیکن سوچنے کے ڈھنگ اور فکر کے انداز، پر مستقلاً زبان کا رد عمل ہوتا رہتا ہے -

لسانیات کے متقد مین، متوسطین اور نشاۃالثانیہ کے مفکرین نے زبان کو انسانی فکر اور خیال کا ذریعہ اظہار سمجھنے کے بہ جائے، اس پر ذھن کی منطقی تقسیم کا اطلاق کردیا - اس غلطی کا نتیجہ یہ ھوا کہ زبان میں بعض اعجوبے نظر آنے لگے مثلاً جو مظاھر ''جنس'' سے عاری ھیں، ان پر بھی ''جنس'' کا اطلاق کیا جانے لگا - مثلاً سورج ، چاند، ھوا، پانی وغیرہ کو مختلف زبانوں میں مذکر یا مونث کی حیثیت مل گئی -

معنی کی اکائیاں

آوازوں اور ان کے مفاھیم کے مابین کوئی اصولی تعلق اور تلازم نہیں ھوتا - کوئی آواز محمول سے نہیں پیدا ھوتی اور کوئی محمول کسی مخصوص آواز کا متقاضی نہیں ھوتا - آواز اور اس کے مدلول کے مابین جو تعلق ھوتا ھے، اس کی حیثیت خالصۃً سیاقی ھوتی ھے - چوں کہ کچھ مخصوص آوازیں ایک خاص معنوی قدر یا دلالت کے سیاق میں ملتی رھیں، اس لئے وہ بتدریج اس دلالت کی علامت سمجھی جانے لگیں - گویا آوازوں کے مجموعوں یا الفاظ کے رسمی استعمال اور بولنے اور سننے والوں کی مفاھمت نیز تلازمے، معنی معین کرتے رھے ھیں -

آوازوں کے مجموعے اور الفاظ، متکلم کے کسی مخصوص رویے کے سیاق میں فوری اشارہ ھوتی ھیں اور سامع میں کم و بیش وھی رویہ برانگیختہ کرتے ھیں - یہ رویہ بنیادی طور پر مظہر ھوتا ھے مثلاً خوشی، رنج وغیرہ، یاابلاغی ھوتا ھے مثلاً اوامرونواھی وغیرہ، بہ یک وقت مظہربھی ھو سکتا ھےاور ابلاغی بھی- بعض آوازوں کو محض وفور جذبات کا نتیجہ سمجھ کر دلالت سے عاری سمجھا جاتا رھا ھے لیکن آوازوں کا کوئی مجموعہ کلیتہً جذباتی ھی نہیں ھوتا اس میں کچھ نہ کچھ دلالت ضرور ھوتی ھے ــ بچوں کے ابتدائی الفاظ اور قدیم ترین ماقبل تہذیب کے الفاظ جو دلالت سے محروم نظر آتے ھیں، در اصل الفاظ نہیں بلکہ جملے ھیں، اور دلالت سےعاری نہیں ــ

مدلول کے براہ است تجربے کم بھی ہو سکتے ھیں اور زیادہ بھی - مدلول کے کم سے کم تجربوں کے سیاق میں جو الفاظ ادا کئے جاتے ھیں، وہ گرامر کی اصطلاح میں اسم خاص کہلاتے ھیں ــ سورج، چاند وغیرہ پر دلالت کرنے والے الفاظ کا تعین کرنے کے لئے زیادہ تجربے اور مشاھدے کی ضرورت نہ پیش آئی ہوگی ــ ایک ھی نوع کی مادی اشیاءؑ کی کثرت کی وجہ سے مدلول کی تجرید نسبتاً مشکل تھی، اس لئے بیش از بیش تجربات کے بعد دلالت کرنے والے الفاظ معین ہو سکے ہونگے ــ ایسے الفاظ گرامر میں اسم عام کہے جاتے ھیں - کبھی کبھی مختلف النوع تجربات کے مشترک عناصو کے سوا سب عناصر محو ہو جاتے ھیں، ان باقی ماندہ عناصر پر دلالت کرنے والے الفاظ معین ہونے کے لئے خاصی مدت درکار ہوتی ھے ــ کیفیات اور حالات کی تجرید سب سے زیادہ پیچیدہ اور زیادہ سے زیادہ تجربوں کی متقاضی ہوتی ھے - ورنہ ان پر محیط ہونے والے الفاظ معرض وجود میں نہیں آ سکتے ــ

غرض الفاظ، خواہ وہ صرفی اعتبار سے کچھ بھی ہوں، تجرید ھی کا نتیجہ ہوتے ھیں - چوں کہ تجرید، ایک ھی نوع کے مدلول کے بہت سے تجربات مشترکہ خصوصیات کو ملحوظ رکھنے اور اختلافات کو نظرانداز کر دینے کا نتیجہ ھے، اس لئے اس میں ابہام یا معنی کی کثرت بھی پیدا ہو جاتی ھے اور سیاق کلام کو مد نظر رکھے بغیر لفظ کے صحیح معنی کو اچھی طرح نہیں سمجھا جا سکتا - وھٹنے کے الفاظ میں ''ھر لفظ گویا تصویر کی ایک لکیر ھے اور اس کا صحیح مطلب سمجھنے کے لئے تصویر کی تمام لکیروں سے اس کے تعلق کو ملحوظ رکھنا ضروری ھے'' [1]

۱- ''لسان و مطالعۂ لسان'' (وھٹنے) صفحہ ۱۰۹

زبان میں نظم اور ترتیب

تاریخی اعتبار سے بول چال مقدم ہے اور نظام لسان موخر- بول چال کے بغیر نظام لسان معرض وجود میں آ سکتا ہے نہ ارتقا پذیر ہوسکتا ہے لیکن جب ایک بار نظام لسان تشکیل پا جاتا ہے تو وہ بول چال سے کچھ ممیز ہو جاتا ہے اور بول چال کو بھی متاثر کرتا ہے - جب تک بول چال، کسی نظم و ترتیب سے با قاعدہ ایک نظام کی صورت اختیار نہیں کرتی اس وقت تک وہ زبان کہلانے کی مستحق نہیں ہوتی، نظام ھی کی بدولت زبان میں استقلال، ہمواری اور ربط پیدا ہوتے ہیں - بول چال میں سریع الزوال سیاق سے علامات و اشارات معین ہوتے ہیں- بول چال کے سیاقات ہنگامی اظہار و ابلاغ کے لئے ہوتے ہیں لیکن نظام لسان کے سیاقات بہت سے بول چال کے تجربوں کے مشترکہ عناصر کی تجرید سے وجود میں آتے ہیں اور حافظے میں ممد و معاون ہوتے ہیں اور ان کا مقصد زمروں میں تقسیم کرنا، ترکیب دینا، انضباط و اندراج اذدیاد و اضافہ ہے — زبان کا نظم و ترتیب، عبارت ہے صوتی، رکنی اور معنویاتی نظم سے - اگرچہ بول چال سے ھی کی تجرید سے لسانی نظم و ترتیب کے حقائق عالم وجود میں آتے ہیں لیکن اس کے با وجود اس نظم و ترتیب کو محض تجرید نہیں کہہ سکتے، یہ غیر شعوری طور پر سر انجام ہوتی رہتی ہے - جب کوئی بچہ بولنا سیکھتا ہے تو وہ بتدریج اور غیر شعوری طور پر اپنی زبان میں نظم پیدا کرتا ہے اس کی غلطیاں اس بات کا بین ثبوت فراہم کرتی ہیں- اصل اور تعمیری عناصر، مادہ اور مشتقات، سابقے اور لاحقے وغیرہ لسانی نظم و ترتیب کی اکائیاں ہیں - زبان میں اصل اور تعمیری عناصر کی تفریق در اصل لفظ کے دو منفک عناصر کی موضوعی اور روایتی تشخیص ہے - اصل عنصر، منصرفہ لفظ کا وہ حصہ ہے جو، لفظ کی تعبیر کی بنیاد قرار پاتا ہے اور جو بنیادی دلالت کا علاماتی مظہر ہو- جو حصہ اس اصل عنصر میں محض معنوی اضافے کا کام انجام دے وہ تعمیری عنصر کہلاتا ہے

اس اضافے اور ازدیاد کی صورتیں مختلف زبانوں میں مختلف ہوا کرتی ہیں - ہرزبان میں تصریف اور اشتقاق کے اپنے قاعدے ہیں، یہ قاعدے بھی بول چال کے تجزئیے اور تجرید ہی کا نتیجہ ہیں ــ ''معنویات'' کے یہ مباحث، علم صرف کے مسائل کو اپنے دائرے میں سمیٹ لیتے ہیں -

عربی، فارسی اور اردو کے قواعد دانوں نے ''علم معانی'' کے ذیل میں جن مسائل کو پیش کیا ہے، وہ تھوڑے بہت ''معنویات'' سے متعلق تو ہیں لیکن ان میں علم نحو کے مباحث زیادہ آجاتے ہیں -'' کلام کے ایک حسن کو ذاتی قرار دیا جاتا رہا ہے اور یہ کہا جاتا رہا ہے کہ '' بدون اس کے کلام صحیح نہ ہو اور اس کو پسند نہ کریں، یہ بات علم معانی سے معلوم ہوتی ہے'' 1 ''علماء نے معنی مقصود کو ادا کرنے میں خطا سے بچتے رہنے کے لئے علم معانی ایجاد کیا'' 2 علم معانی میں اسناد - مسند - مسندالیہ متعلقات فعل، قصر، انشا - وصل و فصل، ایجاز و اطناب و مساوات پر داد تحقیق پیش کی جاتی رہی ہے - ظاہر ہے کہ اس طرح ''علم معانی'' علم نحو کی جولاں گاہ میں پہنچ جاتا ہے ــ

بیانیہ یا تشریحی لسانیات کا طریق مطالعہ

انیسویں صدی کے اواخر سے ''صوتیہ'' کے تصور کی بدولت بیانیہ لسانیات کا طریق مطالعہ زیادہ سائنسی ہوتا گیا ہے - آلاتی علم اصوات کے لئے جو آلات وضع کئے گئے ہیں ان کی وجہ سے یہ ممکن ہو گیا ہے کہ جغرافیائی اور تعلیمی ماحول کے اعتبار سے بعد المشرقین رکھنے والے ذہین ماہرین لسانیات کے ایک ہی زبان سے متعلق تجرباتی نتائج کم و بیش مماثل ثابت ہو سکیں ــ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بیانیہ لسانیات کے طریق مطالعہ میں کوئی کور کسر نہیں رہ گئی ہے ــ

۱- ''خیرالبلاغت'' بحوالہ ''بحرالفصاحت'' (نجم الغنی) صفحہ ۳۸۳

۲- ''بحرالفصاحت'' صفحہ ۳۸۳

اس میں شک نہیں کہ انسانی زبان کی آوازوں کی توضیح و تشریح اور صوتیوں کی تمیز و تفریق کے سلسلے میں بہت کچھ خدمات انجام دی جا چکی ہیں - برقیاتی تکنیک کی ترقی کی بدولت بہت سے ایسے آلات اور مشینیں ایجاد کی جا چکی ہیں جن کے ذریعہ سے بات چیت کی ترکیب و تحلیل احسن طریق پر ہو سکتی ہے بہت سی ایجادیں سماعتی علم اصوات کے لئے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوتی ہیں - ابلاغ سے متعلق ریاضیاتی نظریہ بھی پیش کیا جا چکا ہے اور اس سلسلے میں میکانکی طریقوں سے مدد لی جاتی رہی ہے، اس کے تکنیکی، معنویاتی اور تاثراتی مسائل پر موشگافیاں اور نت نئے تجربات ہوتے رہے ہیں اور یہ پڑتال کی جاتی رہی ہے کہ ابلاغ کی علامتوں کو صحت کے ساتھ کس طرح منتقل اور ارسال کیا جا سکتا ہے، منتقلہ اور مرسلہ علامات، مطلوبہ مفہوم کے کتنے بلیغ حامل ہیں، موصولہ مفہوم و معنی کس قدر موثر ہیں — آواز کے طیف پیما کے ذریعہ بات چیت کی طبیعی خصوصیات کا تجزیہ بڑی آسانی اور تیزی سے کیا جا سکتا ہے - اس کے ذریعہ سے بات چیت میں ہر دو دقیقہ میں ہونے والے ارتعاش آواز کا مستقل ترسیمی ریکارڈ تیار کر لیا جاتا ہے - ''اسپیچ اسٹریچر'' یا بات چیت کو پھیلا کر پیش کرنے والی مشین کی مدد سے ریکارڈ کی ہوئی بات چیت ایک انوکھی انداز سے سنی جا سکتی ہے یعنی رفتار آواز اس طرح کم یا زیادہ کی جا سکتی ہے کہ اصل گفتگو کی ''صوتی سطح'' اور ''زور'' میں فرق نہ پڑے - مصوتوں اور مصمتوں کی آوازں کی ترکیب و تحلیل کے لئے بھی برقی مشینیں ایجاد ہو چکی ہیں - نظریہ ابلاغ سے نفسیات لسان پر بھی اچھی روشنی پڑتی ہے -

لیکن ان تمام خدمات کے با وجود یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ابھی تک زبان کی چھوٹی اکائیوں مثلاً بنیادی اور ذیلی آوازوں اور صوریاتی اکائیوں ہی کے مطالعہ میں صحت اور دقت نظری کی داد دی جاتی رہی ہے - زبان کی ہئیتی نظم و ترتیب کی اکائیوں کی طرف

زیادہ توجہ نہیں دی جا سکتی ہے ۔

بیانیہ یا تشریحی لسانیات کے بہت سے ماہرین، خصوصاً امریکی، لسانی ساخت کا تجزیہ کرتے وقت معنے کو یکسر نظر انداز کردیتے ہیں۔ ان کا یہ خیال ہے کہ ''کسی زبان کے صوتیوں کی تمیز و تفریق ان کی تقسیم کی بنیاد ہی پر ہو سکتی ہے ۔ صرف ان کے صوتی و لسانی ماحول کو ملحوظ رکھنا کافی ہے ۔ اس طرح معنے کے حوالے سے اور دلالت لفظی کی روشنی میں تجزیہ کرنے میں غیر شعوری طور پر غلط تاثر قبول کرنے کا امکان ختم ہوجاتا ہے'' ۔لیکن امریکی عالم ھیرس کے نزدیک یہ تقسیمی تجزیہ صرف لسانی اکائیوں اور خاصیتوں کی شناخت کی حد تک استعمال کیا جا سکتا ہے، اس کے بعد معانی کی طرف توجہ دی جا سکتی ہے ۔ 1

بعض ماہرین عملی لسانیاتی کاموں میں لسانی ساخت کے تجزئیے کے وقت معنی کو ضرور خاطر نشین رکھتے ہیں، مثلاً امریکی عالم لسانیات، ووگیلن یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ معانی کی تفریق، زبان کے صوتیوں کے تعین میں مدد دیتی ہے اور معانی کی ہم آہنگی، صورياتی اکائی معین کرنے میں ممد ہوتی ہے ۔

تشریحی لسانیات کے وہ پہلو جن کا تعلق علم اصوات اور صوتیات سے ہوتا ہے، عام قارئین کو بلکہ کبھی کبھی تشریحی لسانیات کے طالب علموں کو بڑی الجھن میں بھی ڈال دیتا ہے اور بیزار کن بھی ثابت ہو سکتا ہے لیکن جس پہلو کا تعلق قواعدی تقسیم اور صوریات سے ہوتا ہے، اس میں عام قاری بھی دل چسپی لے سکتا ہے ۔ بیانیہ یا تشریحی لسانیات کی وسیع جولاں گاہ صرف و نحو، علم اصوات، صوتیات، معنویات' اشتقاقیات وغیرہ سب کو اپنے احاطے میں سمیٹ لیتی ہے ۔

١۔''مطالعہ لسان'' (کیرول) صفحہ ٣٢

تاریخی و تقابلی لسانیات

لسانیات کی یہ شاخ کسی نظام لسان میں دور بہ دور رو نما ہونے والے تغیرات، اور زبانوں کے خاندانی اور نسبی رشتوں کے مطالعہ سے تعلق رکھتی ہے - زبانوں کا تقابل اور تاریخی ارتقا کا جائزہ اس کا مطمح نظر ہوتا ہے - وہ ہمسایہ زبانوں کی مماثلتوں دور بہ دور کی مشابہتوں کے تقابل سے ان کے رشتوں کی نوعیت سمجھاتی اور ان کے مشترکہ سر چشمہ و مآخذ کا سراغ لگاتی ہے، اور اس مقصد کے لئے زبان کے مستقل اور یکساں طور پر رو نما ہونے والے صوتی تغیرات کی شناخت کو ذریعہ بناتی ہے۔ اس قسم کے تغیرات کو ''صوتی قوانین'' بھی کہا جاتا رہا ہے اور ان کی توضیحات کے ضمن میں خاصی موشگافیاں کی جاتی رہی ہیں - حالاں کہ ان قوانین کا اطلاق تمام خاندان ہائے السنہ پر نہیں کیا جا سکتا ــ مثلاً ہند یوروپی زبانوں سے مستخرج ہونے والے صوتی قوانین کا عمل دخل غیر ہند یوروپی زبانوں میں نظر نہیں آتا ــ اس لئے ان قوانین کی تعمیم کو کے ان کا اطلاق بلا استثنا تمام زبانوں پر نہیں کیا جا سکتا -

تاریخی و تقابلی لسانیات در اصل ہند یوروپی زبانوں کے مطالعہ کا نتیجہ ہے -ان زبانوں کے تقابل سے تاریخی و تقابلی گرامر' اورتقابلی لسانیات نے جنم لیا اور بتدریج گرامر اور تقابلی لسانیات دونوں کی جولاں گاہیں وسیع تر ہوتی گئیں ــ ہند یوروپی تقابلی لسانیات کے مطالعہ سے تشریحی لسانیات اور دوسرے خاندانوں کی تقابلی لسانیات کے لئے راہیں ہموار ہوتی رہی ہیں ــ لسانیات کی اس شاخ میں ایک ہی زبان کے دور بہ دور کی مختلف صورتیں' اور تغیر و تبدل کی نوعیتیں زیر بحث آتی ہیں، اس طرح زبان کی ارتقائی منزلیں منظر عام پر آجاتی ہیں اور اس کی لسانی تاریخ مرتب ہو جاتی ہے ــ اسی لئے اسے تاریخی لسانیات کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے - چوں کہ دور بہ دور کی ہئیتوں اور صورتوں

کے تقابل کے ساتھ ساتھ اور دوسری زبانوں کے اثرات، ان کے اجزاء وعناصر سے تقابل بھی ہوتا ہے اس لئے، اسے تقابلی لسانیات بھی کہا جاتا ہے ــ

تقابلی لسانیات کا ماہر ہم رشتہ زبانوں کے قدیم ترین ماخذ یا ام الالسنہ کے الفاظ اور منصرفات کی تشکیل جدید بھی کرتا ہے ــ اس سلسلے میں وہ تاریخی دستاویزوں اور کتبوں کا سہارا لیتا ہے - ان تحریری یادگاروں سے زبان کے مزاج اور صوتی رجحان کا پتہ چلانا آسان کام نہیں ہے ــ

تقابلی لسانیات کے مطالعہ میں اس وقت بڑی دقت پیش آتی ہے جب بہت سی ایسی ہم رشتہ زبانوں کا تقابل کرنا پڑے، جن کے تاریخی شواہد اور دستاویزیں نایاب ہوں، یا جو ضبط تحریر میں نہ آسکی ہوں۔ مثلاً بر صغیر پاک و ہند کی پراکرتوں اور اب بھرنشوں میں سے بیشتر ضبط تحریر میں نہ آسکی تھیں یا ان کی دستاویزیں نایاب ہیں اس لئے نہ تو ان کا تقابل کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان سے متفرع زبانوں اور بولیوں کے دور بہ دور کی ارتقائی صورتوں کا صحیح مطالعہ ہو سکتا ہے۔ جدید ہند آریائی زبانوں کے ماخذ کے سراغ اور ان کے صحیح رشتوں کی نشاندھی کے سلسلے میں کم و بیش یہی دشواریاں پیش آتی ہیں -

تقابلی لسانیات کی تاریخ کا سرسری جائزہ پچھلے باب میں پیش کیا جا چکا ہے ــ اس جائزے سے یہ منتج ہوتا ہے کہ تقابلی لسانیات، علم اصوات، صرف و نحو، اشتقاقیات اور معنویات کا سہارا لیتی ہے - اشتقاقیات' اور تقابلی و تاریخی گرامر اس کے لئے کم و بیش بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں پچھلے باب میں یہ اشارہ کیا جا چکا ہے کہ انیسویں صدی کے اواخر میں تقابلی لسانیات اور تشریحی لسانیات کو ایک دوسرے سے قریب تر لانے بلکہ ایک دوسرے میں مدغم کرنے کی کوششیں بھی کی جا چکی ہیں جن کے نتیجے میں تقابلی لسانیات کا مطالعہ، تشریحی لسانیات

کی روشنی میں کیا جانے لگا اور اس بات پر زور دیا جانے لگا کہ کسی زبان کا تاریخی ارتقاء پیش کرنے کے لئے اس کے مختلف تاریخی ادوار کی صورتوں اور کیفیتوں کا تقابلی مطالعہ، تشریحی لسانیات کی روشنی میں کیا جائے ـ

گرامر

گرامر کے مباحث و مسائل اپنی نوعت اور لسانیاتی اهمیت کے اعتبار سے اس امر کے متقاضی هیں کہ اسے ایک جداگانہ شاخ سمجھا جائے' لیکن چوں کہ متذکرہ بالا دونوں شاخوں میں ان مسائل کی اس قدر کار فرمائی هوتی هے کہ انهی کے ذیل میں ان سے خاصی بحث هوجاتی هے اور گرامر کو ان سے الگ تھلگ نہیں رکھا جا سکتا - اس لئے گرامر کو لسانیات کی ایک علیحدہ شاخ قرار دینے کا کوئی معقول جواز نظر نہیں آتا ـ

بادی النظر میں گرامر سے مراد زبان کے وہ قواعد اور اصول هیں جن کی پابندی، صحت زبان کے لئے نہایت ضروری هے ـ اجنبی زبان سیکھنے کے لئے اس کی گرامر کا لحاظ رکھنا لازمی هے ـ یہی نہیں بلکہ ابتدائی عمر میں مادری زبان کی گرامر کی تعلیم بھی اس لحاظ سے اهمیت رکھتی هے کہ جملوں کی صحیح ساخت، اور الفاظ کے درست محل استعمال کا شعور نسبتاً جلد هو سکتا هے - لیکن یہ نہیں بھولنا چاهئے کہ کوئی زبان، گرامر کی جکڑ بندیوں میں نظر بند نہیں رهتی کیوں کہ وہ نظم و ترتیب کے اعتبار سے مثالی اور منطقی نہیں هو سکتی ـ

ڈاکٹر شوکت سبزواری کی رائے میں لسانی مسائل کا پہلا قدم گرامر تھا ـ گرامر کا اگلا قدم لسانیات هے [1] انهی کے الفاظ میں "گرامر کا زبان سے وهی تعلق هے، جو لفظ کا معنی سے هے - لفظ، معنی

١-لسانی مسائل صفحہ ٨

کے ساتھ وجود میں آتا ہے، گرامر بھی زبان کے ساتھ ساتھ وجود میں آتی ہے ـ لفظ کی زندگی معنی سے ہے' زبان بھی صرفی و نحوی قاعدوں سے زندہ رہتی ہے ـ اس لئے گرامر کو زبان کے پیکر لفظی اور ہئیت ترکیبی سے ہم الگ نہیں کر سکتے ـ زبان کا نحو اور ارتقا گرامر کے اصول و قواعد کے ماتحت ہوتا ہے ـ 1 اس اجمال کی تفصیل یہ ہو سکتی ہے کہ زبان کو گرامر پر تقدم تو حاصل ہے لیکن جب زبان معرض وجود میں آجاتی ہے تو ارتقائی منزلیں طے کرتی رہتی ہے، لفظوں کی ساخت' ان کی ترتیب میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے ـ جن اجزائے کلام کی درجہ بندی اور تقسیم سے گرامر کے اصول اخذ کئے جاتے ہیں، وہ ہنگامی اور اضطرار طور پر وجود میں لائے جاتے ہیں، منطقی طریقے سے نہیں ـ ان سے لسانی مواد کی تنظیم و ترتیب میں آسانی اور ابلاغ کی سہولتیں پیدا ہوتی ہیں، اسی لئے قیاس تمثیلی ہئیت ترکیبی وضع کرتا ہے اور اس طرح ہم نوع اجزائے کلام جنم لیتے ہیں اور بتدریج مخصوص تالیفی' ترکیبی یا اشتقاقی ہئیتیں' اور لسانی ساخت کی خصوصی صورتیں وجود میں آتی اور مروج ہوتی رہتی ہیں ـ سیاق کلام میں لفظوں کی مخصوص حیثیتیں اور باہمی نسبتیں غیر شعوری طور پر خاطر نشیں ہوتی رہتی ہیں ـ زبان میں ہمواری اور استقلال پیدا ہوتا جاتا ہے آہستہ زبان معیاری بنتی جاتی ہے اور اس میں ادب کی تخلیق بھی ہونے لگتی ہے یہ معیاری زبان اہل زبان کی بول چال اور روز مرہ سے ہٹ کر نہیں بنتی ـ اس منزل پر زبان میں کچھ قاعدوں اور اصولوں کی کارفرمائی دریافت کی جا سکتی ہے اور یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ زبان کا ارتقا کچھ اصولوں کے ماتحت ہوا ہے ـ ادب پاروں اور انشاپردازی کے نمونوں کے تجربی مشاہدے اور تجزئیے سے اجزائے زبان کی

١ـ "لسانی مسائل" صفحہ ١٧

هم آهنگی محسوس کر کے، ان کی تعمیم اور درجہ بندی کی جاتی ہے اور اس طرح گرامر کے قواعد اور اصول مدون کئے جاتے ھیں۔ گویا زبان کے قواعد، معیاری زبان سے اخذ کئے جاتے ھیں۔ شاید اسی لئے گرامر کے اولین عالم ڈنی سیس تھریکس نے گرامر کے متعلق یہ رائے ظاھر کی ہے کہ، گرامر نام ہے کسی زبان کے مسلمہ انشاپردازوں کی زبان سے عملی خبر و آگاھی کا۔ 1

اگر چہ گرامر، زبان سے جنم لیتی ہے، لیکن ایک بار عالم وجود میں آجانے کے بعد، اپنی ایک الگ حیثیت بھی بنا لیتی ہے۔ اسی لئے بہت سے عالموں نے گرامر کی کسوٹی پر زبان کو پرکھا اور یہ بتایا ہے کہ زبان کو کیا ھونا چاھئے ایسے عالم گرامر کو کم و بیش منطق سمجھ لیتے ھیں۔ وہ یہ بھول جاتے ھیں کہ انسانی زبان، منطقی طریقوں پر نشو ونما نہیں پاتی۔

سویٹ گرامر کی تعریف کرتے ھوئے یہ لکھتا ہے کہ گرامر، زبان کے عام حقائق سے بحث کرتی ہے اور ''فرھنگ'' مخصوص حقائق سے، لیکن دونوں کے حدود خلط ملط بھی ھو جاتے ھیں — گرامر میں ملنے والے بعض حقائق ''فرھنگ'' میں بھی نظر انداز آجاتے ھیں کیوں کہ کسی قاعدے یا اصول کو بیان کرنے کے لئے اس کے حدود کا بیان بھی ضروری ہے یعنی ایسی استثنائی حالتوں کی نشاندھی لازمی ہے، جن پر اس اصول کا اطلاق نہیں ھو سکتا۔ ایسی استثنائی صورتیں ھر زبان میں ھوتی ھیں —

گرامر کی حیثیت علمی بھی ھو سکتی ہے اور عملی بھی اور تاریخی و تقابلی بھی۔ اس کی ھر حیثیت کا منصب جداگانہ ہے۔ عملی گرامر، اجنبی زبان سیکھنے میں مد و معاون ھوتی ہے — عملی گرامر کے مسائل،

۱۔ بحوالہ ''لسانی مسائل'' (ڈاکٹر شوکت سبزواری) صفحہ ۱۸

کم و بیش لسانیات ھی کے مسائل ھوتے ھیں، اس لئے عملی گرامر کا مطالعہ صحیح لسانیاتی لقطۂ نظر پیدا کرنے میں مدد دیتا ھے - تاریخی و تقابلی گرامر زبان کی مختلف منزلوں اور اخذ و استفادہ کی نشاندھی کرتی ھے اور اس طرح زبان کی تاریخ بتاتی ھے اور زبان کے باھمی رشتوں کی تفہیم میں کار آمد ثابت ھوتی ھے، لیکن اس کے مطالعہ کا صحیح حق اسی وقت ادا ھو سکتا ھے جب ایک زبان یا متعلقہ زبانوں کے مختلف ادوار کی قدیم دستاویزیں اور تحریری یادگاریں فراھم ھو سکیں - تقابلی لسانیات کی طرح تقابلی گرامر بھی ھند یوروپی زبانوں کے مطالعہ کا نتیجہ ھے - بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ھوگا کہ ھندیوروپی زبانوں کے مطالعہ میں تقابلی گرامر نے اھم حصہ لیا ھے اور تقابلی گرامر ھی تقابلی لسانیات کی بنیاد بن گئی - انیسویں صدی کے اکثر علمائے لسانیات بنیادی طور پر تقابلی گرامر ھی کے عالم تھے - تقابلی گرامر کے عالموں نے ھند یوروپی خاندان کی ایک یا کچھ زبانوں میں بعض انوکھی خصوصیات پائیں تو ان کی توجیہ کے سلسلے میں عجیب عجیب موشگافیاں بھی کی ھیں - انھوں نے ان خصوصیات کو قدیم ترین لسانی مظاھر کی باقی الصالحات قرار دیا ھے اور بتایا ھے کہ یہ خصوصیات باقی زبانوں میں امتداد زمانہ سے مٹ گئیں - ممکن ھے ان کی یہ رائے بعض حالات میں صحیح ھو، لیکن اکثر بیشتر یہ مشاھدہ بھی کیا جا سکتا ھے کہ یہ نرالی خصوصیات، حال کی پیداوار ھیں، جنھیں ھند یوروپی خاندان کی دوسری زبانوں سے کوئی نسبت نھیں - بھت سے قواعدی صیغے اور گرامر کے مظاھر ایسے بھی وجود میں آ سکتے ھیں، جن کا شائبہ دوسری زبانوں میں دور دور تک نظر نھیں آتا یا جن سے متعلق قدیم ترین ماخذ میں کوئی شواھد نھیں ملتے -

عموماً انسانی زبانیں از روئے قواعد ایک دوسرے سے بالکل مختلف ھوتی ھیں - ان کی قواعدی تقسیم اور صیغوں میں بڑا اختلاف ھوتا ھے۔

جو لطیف و نازک لسانی امتیازات ایک زبان میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں، وہ دوسری میں در خور اعتنا بھی نہیں سمجھے جاتے - ایک زبان کی قواعدی تقسیم اور درجہ بندی کا مظاہرہ لازماً دوسری زبان میں نہیں ہوتا اور اگر ہوتا بھی ہے تو ذریعۂ اظہار بالکل مختلف ہوتے ہیں — امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ بعض قواعدی تقسیمیں اور صیغے ساقط ہو جاتے ہیں مثلاً اکثر زبانوں میں تثنیہ کے صیغے باقی نہیں رہے - کبھی کبھی ایک صیغے کے الفاظ غیر شعوری طور پر دوسرے میں منتقل ہو سکتے ہیں یا نئے صیغے بھی وجود میں آ سکتے ہیں - چوں کہ زبانوں کے تغیر و تبدل کا سلسلہ غیر منقطع ہوتا ہے اور ان کے قواعدی مظاہر اور صیغوں میں تصرفات و تغیرات ہوتے رہتے ہیں، اس لئے تمام زبانوں یا ایک ہی زبان کے مختلف ادوار کی صورتوں کو گرامر کے کسی مخصوص معیار پر پرکھنا کسی طرح درست نہیں - اکثر علمائے قواعد اسی غلطی کا ارتکاب کرتے رہے ہیں - اردو گرامر کی تدوین و تالیف میں بھی بہت سے عالموں سے یہی لغزش ہوئی ہے - ہمارے بیشتر عالموں نے عربی گرامر کا اطلاق اردو پر کیا ہے - بعض قواعد نویسوں نے انگریزی گرامر کی تقلید کی ہے - اس میں کوئی شک نہیں کہ اردو نے بہت سے زبانوں سے استفادہ کیا ہے لیکن یہ استفادہ اردو کی اپنی گرامر پر اثر انداز نہیں ہوتا — یہ بھی درست ہے کہ اردو گرامر میں سنسکرت گرامر کی پرچھائیاں ہیں، لیکن اس میں سنسکرت کے بہت سے صیغوں کا وجود نہیں، اس لئے اس کی گرامر سنسکرت گرامر کی مقلد بھی نہیں ہو سکتی —

ایک ہی زبان کی گرامر کی تبدیلیوں سے متعلق کچھ متنازعہ فیہ رائیں بھی ملتی ہیں — بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایک ہی زبان کے مختلف ادوار کی گرامر میں تبدیلیاں بہت کم اور بہت آہستہ ہوتی ہیں- لیکن جب تک زبان ابتدائی مدارج سے گزرتی رہتی ہے، اس وقت تک

اس میں الفاظ کی تصریف و ترتیب کا کوئی خاص نظام نہیں ہوتا۔ جب یہ نظام وجود میں آجاتا ہے تو پھر اس میں تبدیلیوں کا امکان نسبتاً کم رہ جاتا ہے - اسٹالن کی حیثیت سیاست میں ہرچند اہم سہی، اسے ''لسانیات،، میں چنداں اہمیت نہیں دی جاسکتی۔ تاہم اس نے زبان اور گرامر کے بارے میں جس رائے کا اظہار کیا ہے، وہ خاصی وقیع نظر آئی ہے - اس کی رائے میں ''زبان بہت آہستہ بدلتی ہے، مگر اس کی صرف و نحو اس سے بھی زیادہ آہستہ بدلتی ہے - زبانوں کے نحوی نظام ان کے رگ و ریشہ بن جاتے ہیں اور ان کی بنیادیں طویل مدت تک محفوظ رہتی ہے - تاریخ شاہد ہے کہ ایک نحوی نظام کسی سماج کی خدمت مختلف دوروں میں کرتا رہتا ہے ـ زبانوں کے نحوی نظام میں تغیر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ زیادہ مکمل ہو جائے، قاعدوں میں زیادہ قطعیت آجائے اور نئے قواعد بن کر اسے زیادہ متمول بنا دیں'' 1 لیکن کسی زبان کا نحوی نظام، اس کا رگ و ریشہ، لسانی تجربات، ترک و اختیار، اخذ و استفادہ کے بعد اس وقت بنتا ہے، جب اس میں کسی قدر استقلال و استقرار پیدا ہو جاتا ہے، اس وقت تغیر و تبدل کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں - زبان میں کچھ ٹھہراؤ اور لفظوں کی ترتیب اور تصریف میں استقلال کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور گرامر کی تقسیموں اور صیغوں کا استنباط ممکن ہو جاتا ہے تو بھی تبدیلیوں کے امکانات ختم نہیں ہو جاتے ـ ہاں یہ ضرور ہے کہ سرمایۂ الفاظ میں سے متروک ہوتے رہنے اور نئے سرمائے کے اضافے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں اور صرفی و نحوی تغیرات کے کم ـ

انسائیکلوپیڈیا (برطانوی) میں مظاہر قواعد کے جائزے کے دو مختلف نقطہ ہائے نظر پیش کئے گئے ہیں - ایک نقطہ نظر متکلم کا ہے

۱- بحوالہ ''مسئلہ زبان'' (ل - احمد) مطبوعہ ''نگار'' جولائی سنہ ۵۲ع

اور دوسرا سامع کا - پہلے کی بدولت ''نظریہء ہئیت'' وجود میں آتا ہے اور دوسرے کے طفیل ''نظریہء ظن و تصور''- ''نظریہء ہئیت'' معروضی اور طبیعی پہلو کو پیش کرتا ہے اور ''نظریہء ظن و تصور'' نفسیاتی و معنوی کو - پہلے کے ذیل میں الفاظ کی ترتیب، غیر مستقل کلمات، سابقوں، لاحقوں، لہجے کے اتار چڑھاؤ ''زور'' کمیت، مصمتوں کے تبادل وغیرہ کو سمیٹا جا سکتا ہے اور دوسرے کے تحت اجزائے کلام کی قسموں، حیثیتوں اور ''تعداد'' کو -

چوں کہ ہر زبان کی لفظی ترتیب، ترکیب و تصریف وغیرہ کے اپنے اصول اور قاعدے ہوتے ہیں اس لئے گرامر کو ایسے جامع و مانع شعبوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا، جن کا اطلاق تمام زبانوں کی گرامر پر ہو سکے-اسی لئے گرامر کی شعبہ جاتی تقسیم میں خاصا اختلاف ملتا ہے - ان شعبوں میں سے بعض کے مباحث، دوسروں میں بھی دخیل نظر آتے ہیں - شاید اسی لئے گراف نے گرامر کی تقسیم اس طرح پیش کی ہے :-

(۱) لغوی یعنی اجزائے کلام کی قسمیں

(۲) نحوی یا مبتدا و خبر یا مسند' مسندالیہ اور اسناد کے مباحث

(۳) توافقی یعنی ''جنس'' اور ''حالت'' کے مباحث جن کی استثنائی صورتیں ''مخلوط'' شعبے میں آ سکتی ہیں -

(۴) مخلوط یعنی ''زمانہ'' اور ''طور فعل'' کے مباحث

لیکن یہ تقسیم بھی جامع و مانع نہیں کہلا سکتی، کیوں کہ تیسرے اور چوتھے شعبے میں خلط مبحث ہو جاتا ہے - انسائیکلو پیڈیا (برطانوی) میں گرامر کی حسب ذیل شعبہ جاتی تقسیم پیش کی گئی ہے:-

(۱) علم اصوات، جس میں مفرد آوازوں اور ان کی ترکیبوں سے بحث کی جاتی ہے

(۲) صوریات، جس میں اجزائے کلام کی قسموں، گردان، منصرفات و مشتقات سے بحث ہوتی ہے -

(۳) وضعی الفاظ، یعنی سابقوں اور لاحقوں کے مباحث
(۴) نحو، جس میں اجزائے کلام کی اعرابی حالتوں، ''جنس'' ''تعداد'' ''زمانه'' ''طور'' وغیره اور لفظوں کی ترتیب اور جملوں سے بحث کی جاتی هے ـ

عربی گرامر کی تقلید میں اردو گرامر کی شعبه جاتی تقسیم اس طرح کی جاتی تھی:-

(۱) صرف (۲) نحو (۳) معانی (۴) بیان (۵) قافیه (۶) عروض
صرف کا مقصد یه قرار دیا جاتا تھا کے الفاظ کے محل استعمال کو سمجھا جا سکے اور لفظی صحت ملحوظ رہ سکے - مولوی نجم الغنی رامپوری کی رائے میں ''علم صرف سے یه ظاهر هو جاتا هے که لفظ میں اس طرح استعمال میں لانا قیاس لغوی کے مطابق هے اور اس طرح استعمال کرنا قیاس لغوی کے مخالف هے اور علم نحو سے ضعف تالیف اور تعقید لفظی کی کیفیت روشن هو جاتی هے ـ علماء نے معنی مقصود کو ادا کرنے میں خطا سے بچتے رهنے کے لئے علم معانی ایجاد کیا اور تعقید معنوی کو جاننے کے واسطے علم بیان نکالا، ان دونوں کو بلاغت کہتے هیں''۔[1]
عام طور پر ان شعبوں سے بحث کرتے وقت عربی گرامر اور مثالوں کی پیروی زیاده کی گئی هے ـ اور بیشتر وه اصطلاحیں استعمال کی گئی هیں جو منطق سے عربی و فارسی گرامر میں مستعار لی گئی تھیں - یه بات بالکل صحیح هے که اردو نے دوسری زبانوں سے صرفی و نحوی استفاده کیا هے لیکن اس نے فارسی نحو سے کچھ نہیں لیا هے - هاں یه ضرور هے که اس کے کچھ قواعد صرفی فارسی سے مستعار هیں - عربی الفاظ کی تصریف عربی قواعد صرف کے مطابق بھی هوتی هے - عربی کے اسم فاعل، اسم مفعول، اسم آله، اسم ظرف وغیره اردو میں بھی عام طور پر

۱- ''بحر الفصاحت'' (مولوی نجم الغنی رامپوری) صفحه ۳۸۴

استعمال کئے جاتے ہیں - لیکن صرف اس جزوی استفادے کی وجہ سے اردو کو عربی یا فارسی گرامر کی قبا نہیں پہنائی جا سکتی - اردو میں عربی جملوں کے اقسام کی نشان دہی کسی طرح درست نہیں ہو سکتی - بقول ڈاکٹر شوکت سبزواری ''اردو میں فعلیہ، اسمیہ، شرطیہ، ظرفیہ، خبریہ، انشائیہ، جملے کی یہ قسمیں بے معنی نہیں بلکہ بعض حیثیتوں سے غلط بھی ہیں - مثلاً جملہ اسمیہ اردو میں نہیں اور نہ اسکے ہونے کی کوئی صورت ہے - عربی میں البتہ ایسے جملے ہوتے ہیں جن میں سرے سے فعل نہیں ہوتا جیسے زیدہٗ، قائمٌ، ایک مکمل خیال ہے، جس کے دو ترکیبی اجزاء ہیں اور دونوں اسم ہیں -'' 1 اس میں شک نہیں کہ بہت سے بزرگوں نے فصاحت و بلاغت کے لوازم پیش کرنے میں تعمق نظر کا ثبوت دیا ہے، لیکن افسوس کہ وہ اردو زبان کے قواعد اور صرفی و نحوی اصولوں کے مبادیات کی طرف توجہ نہ دے سکے - انہوں نے اس حقیقت کو نظرانداز کر دیا کہ اردو کے قواعد نہ صرف عربی سے متغائر ہیں بلکہ فارسی اور اپنی ہم خاندان ہند آریائی زبانوں سے بھی مختلف اور اپنی مستقل حیثیت رکھتے ہیں، اور عربی و فارسی قواعد کی پیروی کرتے رہے، جو اردو کی ساخت اور اس کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتے - بعض قواعد نگاروں نے عربی و فارسی گرامر سے دامن چھڑایا تو انگریزی گرامر کو مشعل راہ بنا لیا - اردو گرامر پر معدودے چند کتابیں عام شاہراہ سے ہٹ کر لکھی گئی ہیں - لیکن ان میں سے اکثر صرف درسی حیثیت رکھتی ہیں اور اتنی مختصر ہیں کہ صرف عملی گرامر کا حق ادا کر سکتی ہیں - **مولوی عبدالحق مرحوم** کی ''قواعد اردو'' وقیع سمجھی جا سکتی ہے، اس لئے ہم اردو گرامر کے لئے انہی کی پیش کردہ شعبہ جاتی تقسیم پر اکتفا کرتے ہیں یعنی

۱- ''لسانی مسائل'' (ڈاکٹر سبزواری) صفحہ ۲۵

(۱) علم ھجا (۲) علم صرف (۳) مشتقات و مرکبات (۴) علم نحو اور (۵) علم عروض

علم ھجا

به قول مولوی عبدالحق مرحوم ''سادہ آوازوں کو تحریری علامات میں لانے کا نام حرف ھے - ھجا میں حروف کی آواز اور ان کی حرکات و سکنات سے بحث کی جاتی ھے - حروف کے مجموعے کو ابجد کہتے ھیں '' 1 اس تعریف میں جو ذرا سی کسر رہ گئی تھی وہ پنڈت کیفی نے یوں پوری کر دی ھے :- ''حروف کی تعریف ھوئی وہ تحریری شکلیں جو حد امکان تک آواز کی پوری نمائندگی کریں اور ان میں مزید اختصار کی گنجائش نہ ھو - انہی کے مجموعے کو حروف تہجی کہتے ھیں''- 2 ازروئے انسائیکلو پیڈیا (برطانوی) حروف تہجی ان تحریری علامات یا حروف کا مجموعہ ھے، جو بسیط یا مفرد آوازوں کی نمائندگی کرتے ھیں - یہ نمائندگی مکمل نہیں ھوتی، کیوں کہ ان سے لہجے کے اتار چڑھاؤ، صوتی سطح، ''سر'' ''زور'' وغیرہ کی لطافتوں کا اظہار نہیں ھوتا، حالاں کہ بول چال کی یہ خصوصیات ھر متکلم کے یہاں بلکہ ایک ھی متکلم کی زبان میں حسب موقع مختلف ھوتی ھیں - اس لحاظ سے تحریر کا زبان سے کم و بیش وھی تعلق ھے، جو زبان کا فکر سے - جس طرح زبان انسانی فکر کی رعنائیوں اور باریکیوں کو کما حقہ، ادا کرنے کا وسیلہ نہیں بن سکتی اسی طرح تحریر' زبان کے تمام صوتی پہلوؤں اور تنوعات کی مکمل ترجمانی کا ذریعہ نہیں ھو سکتی - اگر تحریر کو انسانی آواز کے تنوعات اور لطافتوں کا صحیح ترجمان بنانے کے لئے تحریری علامات اور حروف کا اضافہ کر لیا جائے تو بھی

۱- ''قواعد اردو'' (مولوی عبدالحق مرحوم) صفحہ ۴

۲- ''کیفیہ'' (برجموھن دتاتریہ کیفی) صفحہ ٦٢

ترجمانی کا پورا پورا حق ادا ہونا ممکن نہیں ہے - یہی نہیں بلکہ حروف کی ریل پیل کی وجہ سے تحریر کی افادیت یعنی حافظے کی سہولت، تقلیل وقت اور تقلیل محنت کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہے -

محمد اسحاق صدیقی صاحب نے ہجا اور فن تحریر کی بڑی اچھی وضاحت کی ہے ''فن تحریر تقریر کو قلم بند کرنے کا آلہ ہے — ان مقررہ آوازوں کے لئے، جن سے زبان انسانی کے الفاظ مرکب ہیں، کچھ نشانات مقرر کردئیے گئے ہیں یعنی فلاں. نشان فلاں آواز کو ظاہر کرے گا - ایسے نشانات کو حروف ہجا یا حروف تہجی کہتے ہیں - انہیں پڑھنے کے معنی صرف یہ ہیں کہ انسان اپنے دماغ میں ان آوازوں کو سوچے یا منہ سے نکالے، جن کا مظہر ان نشانات کو قرار دیا گیا ہے - آپ کسی کاغذ پر لفظ ''گلاب'' لکھ کر کسی ایسے شخص کے سامنے رکھئے جو اردو یا فارسی رسم‌الخط نہیں جانتا — وہ نہیں بتا سکے گا کہ ان نشانات کا کیا مطلب ہے، لیکن جب آپ کی نظر مندرجہ بالا نشانات پر پڑے گی تو آپ اردو رسم‌الخط کے اصول سے واقف ہونے کی بنا پر فوراً معلوم کر لیں گے کہ یہ نشانات ان ان آوازوں کو ظاہر کرتے ہیں اور جب آپ نے انہیں ترتیب دیا تو لفظ گلاب بن گیا اس لفظ کا آپ کے نزدیک کوئی مفہوم نہ ہوتا اگر آپ نے گلاب کا پھول نہ دیکھا ہوتا - اس لئے اصل چیز تو گلاب کا پھول ہے، اس کے بعد لفظ ''گلاب'' ہے جو آپ کے دماغ میں ایک خاص پھول کی تصویر سامنے لاتا ہے اور تیسری چیز وہ نشانات ہیں جو آپ کے دماغ میں لفظ گلاب کا تصور پیدا کرتے ہیں''- [1]

فن تحریر، انسانی اکتسابات میں بڑا بیش قیمت اور اہم قرار دیا جا سکتا ہے - بلا شبہ انسانی ذہن اور تہذیب و شائستگی کے ارتقا میں

۱- ''فن تحریر کی تاریخ'' (محمد اسحاق صدیقی) مطبوعہ ''نگار'' جون ۵۳ع

انسانی زبانوں نے اہم حصہ لیا ہے لیکن محض بول چال اور ہنگامی ابلاغ ہی تہذیبی اداروں کی ترقی اور فکر انسانی کے ارتقا کے لئے کافی نہیں ہے۔ منہ سے ادا کی ہوئی آوازیں ایک محدود فاصلے تک ہی سنی جاسکتی ہیں، ان کا وجود محض ہنگام گفتگو ہی رہتا ہے، وہ زیادہ عرصے تک حافظے میں محفوظ بھی نہیں رہ سکتیں ــ ہاں ان کا تحریری انضباط ان کو زندگی بھی بخش سکتا ہے اور دائرہء ابلاغ بھی بڑھا سکتا ہے۔ تحریر کے ذریعہ فرد کا دائرہء اثر زبان کے اکثر بولنے والوں تک بلکہ اگلی نسلوں تک بڑھ جاتا ہے، ایک فرد کے افکار و خیالات پوری سوسائٹی' پوری قوم بلکہ کئی نسلوں کے لئے مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ تحریر، تہذیبی ورثے کا ایک عمدہ ذریعہ ہے۔ انسانی تہذیب و شائستگی علم و حکمت، فن تحریر ہی کے مرہون منت ہیں فن تحریر کی تمام صورتوں میں ''ہجا'' یا حروف تہجی ہی کو سب سے زیادہ ترقی یافتہ کہا جا سکتا ہے۔ زبانوں نے انسانی علم کے سرمائے میں جو بیش بہا اضافے کئے ہیں، وہ ''ہجا'' ہی کے وسیلے سے کئے ہیں۔ لیکن ''ہجا'' کے فیوض و برکات تسلیم کرنے کے با وجود یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کسی خاص زبان کے حروف اپنی آوازوں سے باطنی نسبت یا فطری تعلق رکھتے ہیں۔ اس تعلق کی حیثیت صرف رواجی ہے اور یہ انسان ہی کا مقرر کردہ ہے۔ تحریری علامتوں یا حروف کو دیکھ کر مخصوص آوازوں کی طرف ذہن کا منتقل ہونا محض عادت پر منحصر ہے۔ ابجدی رسم الخط کا تعلق مفاہیم سے براہ راست نہیں بلکہ آوازوں کی وساطت سے ہوتا ہے۔ اس کے برعکس تصویری رسم الخط کی تمام قسمیں اپنے مفاہیم سے لازماً تعلق رکھتی ہیں اور ان کی براہ راست مظہر ہوتی ہیں ــ

زبان کی طرح فن تحریر کی ابتدا بھی دھندلکے میں ہے۔ تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ قدیم تریں انسان نے اپنے جذبات کے اظہار اور خیالات کے ابلاغ کی جو بھونڈی کوششیں کی ان میں سے کچھ کامیاب

ثابت ہوئیں - جزبات اور خیالات کے اظہار کے تین قدیم ترین طریقے بتائے جاتے ہیں - ''ایک یہ کہ وہ دوسروں کے پاس کچھ چیزیں بھیج دیتا تھا یا انہیں راستے میں رکھ دیتا تھا اور مقررہ اصول کی بناء پر وہ سمجھ لیتے تھے کہ بھیجنے والے کا کیا مقصد ہے - دوسرا طریقہ یہ تھا کہ وہ ستلی یا کپڑے میں گرہ لگا کر کسی خاص بات کی یاد تازہ رکھتے تھے یا دوسروں تک اسے پہنچا دیتے تھے - تیسرا طریقہ یہ تھا کہ لکڑی وغیرہ پر خاص خاص نشانات بنا کر لوگوں کو بھیج دیتے تھے اور انہی ذرائع سے وہ پیغام رسانی کا کام لیتے تھے - ظاہر ہے کہ ان طریقوں سے اظہار خیال یا پیام رسانی کا تعلق کان اور آنکھ دونوں سے ہو سکتا تھا، یعنی یا تو کوئی آواز پیدا کرکے کوئی خاص مطلب ادا کرنا جس میں سنکھ، سیٹی، بگل اور ڈھول وغیرہ کی آوازیں شامل ہیں، یا کسی اشارے سے کام لینا، جیسے چشم و ابرو یا دیگر اعضاء کی جنبش و حرکت یا آگ، دھوئیں، جھنڈے وغیرہ سے کام لینا''- 1 ان طریقوں کی یادگاریں آج بھی نظر آتی ہیں - خطرے کے لئے سرخ رنگ کی علامت، تعزیت یا غمی کے اظہار کے لئے خط کا کونا پھاڑ دینا، سیاہ حاشیئے اور سیاہ پٹیاں' کسی بڑے آدمی کی موت پر جھنڈے کو نیچا کرنا، آج کی مہذب دنیا میں بھی عام ہے -

جب انسان نے تہذیبی اعتبار سے قدم آگے بڑھایا اور اظہار خیال یا پیام رسانی کے ان طریقوں کو زیادہ کامیاب نہ پایا تو اس نے اپنے محدود مادی وسائل سے اور کام لیا اور ارد گرد کی دنیا کی ان اشیاء کی تصویروں سے کام نکالنا چاہا، جن میں اسے اپنے خیالات سے مشابہت نظر آئی - اس طرح رفتہ رفتہ تصویری رسم الخط کی ابتدا ہوئی -

---

۱-''فن تحریر کی ایجاد سے پہلے'' (محمد اسحاق صدیقی) مطبوعہ ''نگار'' جولائی سنہ ۵۳ء

اس رسم الخط کی بالکل ابتدائی صورت، امتیازی نشانات، نشانات ملکیت اور وہ نشانات ہیں جنھیں اطلاع دینے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا - پیشانی یا سینے کے قشقے یا گھوڑوں کا داغا جانا، ''ٹریفک'' کے سلسلے میں علامتی بورڈ، اسکاؤٹوں کی مشق کے دوران لگائے ہوئے نشانات آج بھی اس ابتدائی دور کی یاد تازہ کرتے ہیں - یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ اس طرح کے نشانات کا رواج تصویری رسم الخط کا پیش خیمہ ثابت ہوا - اور آہستہ آہستہ انسان اپنے خیالات جانی بوجھی چیزوں کی تصویروں کے ذریعہ سے ظاھر کرنے لگا - شروع شروع میں یہ تصویریں بالکل سیدھی سادی ھوتی تھیں — جس چیز کی تصویر بنائی جاتی تھی، وھی مراد لی جاتی تھی - پھر تصویر سے تعلق رکھنے والی باتوں اور خیالات کے اظہار کے لئے بھی تصویر کو ذریعہ بنایا جانے لگا - اس طرح تصویر میں خیالات کا عنصر بھی شامل سمجھا جانے لگا - مثلاً سورج بنا کر، صرف سورج نہیں بلکہ دن، سال یا سونا بھی مراد لیا جانے لگا - ایسی تصویروں کو تصوری و خیالی کہا جاتا ہے — تصویری رسم الخط کی یہ دونوں صورتیں ساتھ ساتھ بھی رائج رھی ھیں اس رسم الخط سے آواز یا لفظ کی نہیں بلکہ خیال کی ترجمانی کی جاتی تھی - مثلاً آنکھ اور اس سے ٹپکنے والے آنسوؤں کی تصویر سے رنج و غم مراد لیا جاتا تھا اور کسی آدمی اور باھر نکلی ھوئی پسلیوں کی تصویر سے قحط - شمالی امریکہ کے بعض ریڈانڈین قبیلوں میں کچھ عرصے پہلے تک یہ رسم الخط رائج تھا -

دنیا کی چھ مختلف قوموں نے ایسا رسم الخط ایجاد کیا تھا جسے عام طور پر عبوری قرار دیا جاتا ہے - اس میں تصوری تصویروں کے ساتھ ساتھ صوتی علامات بھی بڑھا دی جاتی تھیں، جس کی وجہ سے تصویروں کو دیکھا ھی نہیں پڑھا بھی جانے لگا - مثلاً ''سورج'' کی تصویر کو مخصوص علامت کی وجہ سے سورج ھی پڑھا جاتا تھا — ایسی تصویروں اور صوتی علامات کو تصویری الفاظ بھی کہا جاتا ہے -

قدیم مصر کے اس رسم‌الخط کو قدیم مصر میں هیر و غلیفی، ایشیائے کوچک میں حطی، عراق (آشوریه) میں سمیری، بابل میں اکادی کہا جاتا ہے - چینیوں اور وسط امریکه میں مایا اور ازتیق قوموں میں کم و بیش ایسا ہی رسم‌الخط رائج تھا - یه تمام رسم‌الخط اپنی اپنی جگه ارتقائی منزلیں طے کرتے رہے - مصوری پر قدرت نه ہونے اور سہولت اور وقت کی وجه سے تصویری تفصیلیں کم ہونے لگیں، تصویروں کے نمایاں حصوں ہی پر اکتفا کیا جانے لگا - بتدریج تصویر کے نام کے ہم آواز الفاظ کا مفہوم بھی مراد لیا جانے لگا - کثیرالمعنی آواز رکھنے والی زبانوں میں ایک تصویر متعدد مفہوم ظاہر کرنے لگی - مثال آنکھ کی تصویر سے ''eye'' اور ضمیر ''i'' دونوں مراد لینا - یا شہد کی مکھی اور پتی کی تصویر بناکر شہد اور مکھی 'belief' سورج کی تصویر سے Sun کے بجائے Son مراد لینا- اسے ''ریبس کا طریقه کہتے ہیں- یه طریقه سمیری اور مصری رسم‌الخط میں عام تھا ـ ان دونوں رسم‌الخط نے، بھی دوسرے رسم ہائے خط کی طرح بہت چولے بدلے ـ سمیری رسم‌الخط نے میخی یا هیکانی یا مسماری رسم‌الخط کو جنم دیا - یه رسم‌الخط ایران سے ایشیائے کوچک تک مختلف قوموں میں رائج رہا - مصر میں هیروغلیفی رسم‌الخط کی تصویری صورتیں مسنح ہوئیں اور اس کا تصویر پن غائب ہوا تو هر اطیقی رسم‌الخط پیدا ہوا ـ هر اطیقی نشانات کے اختصار سے دیموطیقی رسم‌الخط وجود میں آیا ـ مصری رسم‌الخط کی تاریخ میں Accophony یعنی لفظ کے شروع کی آواز لے کر بقیه حصوں کو حذف کر دینے کی کار فرمائی بھی نظر آتی ہے ـ اس اصول کے مطابق قدیم مصریوں نے اپنے بعض الفاظ کو حروف بنا لیا تھا مثلاً ان کی زبان میں شیرنی کو ''لابو'' کہتے تھے لہذا شیرنی کے نشان کو آواز ''ل'' کا مظہر قرار دیا گیا'' ـ 1

۱ـ ''فن تحریر کی تاریخ'' (محمد اسحاق صدیقی) مطبوعه ''نگار'' اگست ۵۳ء

''ریبس کے طریقے'' کی مدد سے ارکان الفاظ کے لئے نشانات وضع کرنے کی بھی کوششیں کی گئیں جن کے نتیجے میں رکنی رسم الخط (Syllabary) وجود میں آیا - مثلاً Srength کے لئے رکنی نشانات Sa - ta - ren tha کا وضع کیا جانا - لیکن اس طرح کے رسم الخط میں علامتوں کی کثرت پیدا ہو گئی، اس لئے ان کے استعمال میں بھی دقت محسوس کی جانے لگی - قبرصی اور شام کے بائبلس رسم الخط میں یہ طریقہ خاصا رائج رہا ہے -

''حروف'' یا ''ھجا'' کی ایجاد شمالی مغربی سامیوں سے منسوب کی جاتی ہے - یہ لوگ کنعان، سینا اور فلسطین میں آباد تھے، ان کا رسم الخط فنیقی کہلاتا ہے - یہ رسم الخط ھر اطیقی سے بھی مستفاد معلوم ہوتا ہے - اس میں Acrophoney کا عمل بھی ملتا ہے - مثلاً ''بیل'' کے لئے لفظ ''الف'' مستعمل تھا الف کے شروع کی آواز ''ا'' لے لی جاتی تھی ''لف'' کو حذف کر دیتے تھے - دنیا میں جتنے بھی غیر تصویری رسم الخط رائج ہیں، ان میں سے اکثر کا ماخذ شمالی سامی یا فنیقی رسم الخط ہی ہے فنیقی میں ''بیل'' کے چہرے کی تصویر اس طرح بنائی جاتی تھی ∀ بتدریج اس کی شکل ایک سیدھی لکیر کی سی ہوگئی - اس طرح کے صوری تنزل سے ''ھجا'' کی تخلیق ہوئی - ترکیبی صورتوں میں صوتی تحفیف Acrophoney کے عمل سے ہوتی رہی - اس رسم الخط سے تین مشہور رسم الخط پیدا ہوئے آرامی، یونانی اور قدیم عبرانی - آرامی رسم الخط نے جن تحریروں کو جنم دیا، ان میں عبرانی، عربی، پہلوی، کھروشتھی اور براھمی ھمارے نقطہ نظر سے قابل ذکر ہیں - قدیم سامی رسم الخط میں بائیس حروف تھے، جن کے نام خارجی مظاہر پر دلالت کرتے تھے، بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ قدیم سامی حروف کی ابتدائی تاریخ سے متعلق وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا، ان کے شکلوں اور ناموں کے متعلق بھی حتمی رائے قائم نہیں کی جا سکتی - عبرانی حروف کے نام ان سے بہت زیادہ قریب ہیں

ان ناموں سے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ قدیم سامی یا فنیقی حروف بھی کم و بیش انہی ناموں کے ہونگے کیوں کہ یہ نام فنیقی میں بھی یہی معانی پیش کرتے ہیں - الف، بیت، جمل، دالت وغیرہ مکمل لفظ ہیں اور بیل، گھر، اونٹ، دروازہ پر بالترتیب دلالت کرتے ہیں - ان کی ابتدائی تحریری شکلیں ہیرو غلیفی رسم الخط کی یاد تازہ کرتی ہیں - امتدادزمانہ کے ساتھ ساتھ ان کا تصویر پن غائب ہوتا گیا اور اختصار نے انہیں نئی صورتیں بخشیں - یہ قیاس بھی کیا جاتا ہے کہ عبرانی، عربی وغیرہ میں حروف علت کے لئے جو نشانات استعمال کئے جاتے ہیں، وہ بھی فنیقی سے مستفاد ہیں - اگر چہ فنیقی میں ان حروف کے لئے مستقل نشانات وضع نہیں ہوئے تھے، لیکن ان کی آوازوں کو مصمتوں سے الگ حیثیت دی جاتی تھی - یونانی حروف ابجد کے نام 'alpha' Beeta' وغیرہ بھی ان کے سامی ماخذ کی غمازی کرتے ہیں - ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ نام یونانی زبان میں بے معنی ہیں اس کے برعکس عبرانی میں اس زبان کے اعتبار سے با معنی ہیں اور عربی میں acrophone کے عمل سے ان کی ابتدائی آوازوں کو لیکر بقیہ حصوں کو حذف کر دیا گیا اور ان ابتدائی آوازوں کو ''مفتوح'' بنا کر حروف قرار دے دیا گیا مثلاً ب، د وغیرہ- یونانی کو یہ امتیاز ہے کہ اس میں حروف علت بھی وضع کر لئے گئے -

یونانی رسم الخط سے اخذ کی جانے والی تحریروں میں لاطینی یا رومن کو بڑی اہمیت حاصل ہے - رومن رسم الخط خفیف تغیرات کے ساتھ یوروپ کی کم و بیش تمام زبانوں کے لئے استعمال کیا جانے لگا - رومن رسم الخطمیں لسانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے نئے حروف علت وضع کئے گئے اور بعض حروف صحیح کے نشانات کے لئے یونانی سے ہٹ کر نئی علامتوں کا تعین کیا گیا - حرف ''C'' کو مثالاً پیش کیا جا سکتا ہے - یونانی رسم الخط کے ہر دور میں ''K'' کا وجود رہا ہے اور اس کا تلفظ ''ک'' بھی ہوتا رہا ہے اور ''گ'' بھی، لاطینی میں اس کے لئے ''C'' استعمال کیا جاتا تھا

لیکن جب یہ محسوس ہوا کہ ''ک'' ''گ'' کے لئے الگ الگ علامتیں ضروری ہیں تو ''C'' کے نچلے حصے میں ایک نشان بڑھا کر ''G'' وضع کیا گیا- اسی طرح علامت ''P'' ''ر'' کی آواز ظاہر کرتی تھی، اسے ''پ'' کے لئے متعین کرنے اور اس میں علامتی اضافے سے R وضع کرنے کی نوبت بعد میں آئی - 1 یونانی رسم الخط میں سامی ''ق'' کو فاضل سمجھ کر رد کر دیا گیا تھا کیوں کہ یہ لہاتی آواز یونانی میں نہ تھی- لیکن لاطینی میں اسے Q کی شکل حاصل ہوگئی، صوتی اعتبار سے یہ حروف لاطینی میں غیر ضروری تھا - یونانی کی ایک اختراع ''X'' جو KS مرکب آواز کے لئے ہے، لاطینی میں بلا ضرورت استعمال کی جاتی تھی - لاطینی کے یہ غیر ضروری حروف بیشتر زبانوں میں ملتے ہیں حالاں کے ان زبانوں میں ان حروف کی صحیح آوازیں نہیں ملتیں- انگریزی رسم الخط بنیادی طور پر رومن رسم الخط ہی ہے لیکن انگریزی نے اس میں کچھ تصرفات کر لئے ہیں مثلاً انگریزی میں ''K'' وضع کر لیا گیا ہے لیکن اس طرح ''C'' زائد ہو جاتا ہے اور C، K، S تین حروف صرف دو آوازوں کی نمائندگی کرتے ہیں-لاطینی ''i'' کی دوآوازیں تھیں انگریزی میں ان آوازوں کے لئے ''i'' اور ''j'' الگ الگ حروف بنالئے گئے ہیں ''u'' کی دوآوازوں کے لئے ''u'' اور ''v'' گھڑلئے گئے ہیں۔ ''تھ'' کے لئے جو اینگلو سیکسن حرف وضع ہوا تھا،وہ انگریزی میں متروک ہوگیا- کہنے کو انگریزی میں چھبیس حروف ہیں لیکن ان میں سے تین حروف یعنی ''C'' ''Q'' اور ''X'' بالکل فاضل ہیں - انگریزی کے تئیس حروف کے ذریعہ سے کم و بیش بتیس آوازوں کی نمائندگی ہوتی ہے 2

پہلوی رسم الخط تیسری یا دوسری صدی ق-م- میں آرامی سے

۱- ''لسان و مطالعہ لسان'' (وھٹنے) صفحہ ۳۶۵

۲- '' '' '' صفحہ ۳۶۷

ارتقا پذیر ہوا تھا - اس کی قدیم صورت آرامی کی پامیری شاخ سے قریب تر تھی - 1 اس میں کل بائیس حروف استعمال کئے جاتے تھے، لیکن یہ حروف ایرانی آوازوں کے ادا کرنے کے لئے کافی نہ تھے - ایران کے اسلامی دور میں عربی رسم الخط نے اس کی جگہ لے لی -

کھروشتھی رسم الخط بھی آرامی سے ارتقا پذیر ہوا تھا - اسے بیکٹرین، آرین، بیکٹروپالی اور گندھاری کے ناموں سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے - اشوک کے جو کتبے اور فرمان پاکستان کی شمالی مغربی سرحد میں برآمد ہوئے تھے، وہ اسی رسم الخط میں ہیں - اس کے ارتقا کو براہمی رسم الخط نے خاصا متاثر کیا ہے - اگر چہ براہمی رسم الخط، آرامی سے مستفاد تھا، لیکن اس میں مقامی آوازوں بھ، دھ، گھ وغیرہ کے لئے بھی نشانات یا حروف وضع کر لئے گئے تھے - یہ نشانات کھروشتھی میں بھی استعمال کئے جانے لگے - آہستہ آہستہ کھروشتھی رسم الخط کی جگہ ''براہمی'' نے لے لی - جو دوسری زبانوں کے رسم الخط کے برعکس بائیں طرف سے داہنی طرف لکھا جاتا تھا - براہمی رسم الخط سے دیوناگری اور ہندوستان کے دوسرے رسم الخط ارتقا پذیر ہوئے -

پہلے شمالی عرب کے باشندے نبطی کہلاتے تھے، ان لوگوں نے آرامی رسم الخط اختیار کر لیا تھا - ان کے تصرفات کی وجہ سے رسم الخط ''نبطی'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے - عربی کے دونوں رسم الخط یعنی کوفی اور نسخ اسی سے ارتقا پذیر ہوئے - خط کوفی کا استعمال چودھویں صدی عیسوی سے بند ہو گیا - دونوں خطوں میں حروف علت کی مستقل صورت نہ تھی ''اعراب'' کا رواج بھی نہ تھا - یہی نہیں آج جو حروف منقوط لکھے جاتے ہیں، انہیں غیر منقوط رکھا جاتا تھا -

---

۱- ''فن تحریر کی تاریخ'' (محمد اسحاق صدیقی) مطبوعہ ''نگار'' نومبر سنہ ۵۴ء صفحہ ۳۸

"تقریباً"، سنہ ۵۰ھ میں حضرت علی رض کی خواہش پر ابوالاسود دوئلی نے اعراب ایجاد کئے، مگر ان کی صورت نقطوں کی تھی - زیر کے لئے حرف کی نیچے ایک نقطہ دیا جاتا تھا، زبر کے لئے اوپر، پیش کے لئے بازو یا کنارے پر اور تنوین کے لئے دو نقطے لگائے جاتے تھے—جب اسلام مصر اور ایران میں پھیلا تو لوگوں کو ہم‌شکل حروف مثلاً ج، ح، خ، یا ب، ت، ث وغیرہ کے سبب سے نہ صرف قران مجید پڑھنے میں دقتیں ہوئیں بلکہ مراسلات اور روز مرہ کی تحریرات پڑھنے میں بھی اختلاف ہونے لگا - یہ کیفیت دیکھ کر خلیفہ عبدالملک بن مروان نے سنہ ۶۵ھ میں حجاج بن یوسف' عراق کے گورنر کو رسم‌الخط کی اصلاح کرنے کے لئے حکم دیا - نصر بن عاصم نے حجاج کی منشا کے مطابق حرفوں میں فرق کرے کے لئے نقطے وضع کئے اور یہ قاعدہ مقرر کیا کہ منقوطہ حروف پر سیاہ نقطے دئیے جائیں اور اعراب کے لئے قرمزی رنگ کے نقطے لگائے جائیں — اس طرح حروف منقولہ میں امتیاز ہوا - نقطوں کے ذریعہ اعراب لگانے کا طریقہ تقریباً تیس چالیس سال تک جاری رہا - پھر دوسری صدی ہجری میں عبدالرحمٰن بن احمد عروضی (متوفی سنہ ۱۷۰ھ) نے اعراب کی خاص شکلیں وضع کیں، جس کے بعد اعراب کے لئے قرمزی رنگ کے نقطوں کا استعمال ترک کر دیا گیا" - 1

شروع شروع میں سامی حروف کی طرح عربی میں بھی بائیس حروف تھے — ابجد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت سے ان کی ابتدائی ترتیب ظاہر ہوتی ہے یہی ترتیب فنیقی سے ماخوذ تمام خطوں میں ملتی ہے — رومن یا انگریزی میں بھی کسی حد تک یہ ترتیب محفوظ ہے -

۱— "فن تحریر کی تاریخ" (محمد اسحاق صدیقی) مطبوعہ "نگار" ستمبر سنہ ۵۴ء

ABCD ا ب ج د کے KLMN ک ل م ن کے اور QRST ق ر ش ت کے مقابل ھیں ۔ 1 عربوں کی کچھ مخصوص آوازوں کو رسم الخط میں سمونے کے لئے چھ حروف بعد میں وضع کر لئے گئے ۔ یعنی ث، خ، ذ، ض، ظ اور غ جن کا اظہار ''ثخذ'' اور ''ضظغ'' سے بھی کیا جاتا ھے، عربی ابجد میں یہ حروف آخر میں اسی ترتیب سے بڑھائے گئے تھے ۔ حروف کی یہ ترتیب، ''ترتیب ابجد'' کہلاتی ھے ۔ کلمات ابجد یعنی ابجد، ھوز، حطی، کلمن وغیرہ کا یہ قاعدہ بھی تھا کہ حروف بآسانی ترتیب کے ساتھ یاد رکھے جا سکتے تھے ۔ بعد میں عربی حروف کی ترتیب بدل دی گئی اور ایک طرح لکھے جانے والے حروف کو ساتھ ساتھ کر دیا گیا ۔ مندرجہ ذیل حروف کے نام، عبرانی میں تو مکمل با معنی الفاظ ھیں لیکن عربی میں مخفف ھوگئے:۔

''عبرانی:۔ بیت، جمل، دالط، زائیں، حیط، طیط، ید، لامد، صادے، ریش، تاؤ

عربی :۔ با ۔ دال ۔ زا ۔ ھا ۔ طا ۔ یا ۔ لام ۔ صاد ۔ را ۔ تا

آٹھ حروف کے نام وھی ھیں جو عبرانی میں تھے :۔

الف ۔ واؤ ۔ کاف ۔ میم ۔ نون ۔ عین ۔ صاد ۔ قاف ۔ شین

بارہ حروف کے نام Acrophoney کے قاعدے سے محض حرفی رہ گئے لیکن ان کے آخر میں ''ا'' لگا کر پڑھا جاتا ھے :۔ با ۔ ھا ۔ زا ۔ حا طا ۔ یا ۔ فا ۔ را ۔ تا ۔ ثا ۔ خا ۔ ظا انھیں فارسی میں بجائے ''ا'' کے ''ے'' پر توڑتے ھیں ۔ یعنی بے ۔ ھے ۔ زے ۔ یے ۔ فے ۔ رے تے ۔ ثے ۔ خے ۔ طوے ۔ ظوئے وغیرہ اور یہی صحیح معنوں میں حروف ھیں کیوں کہ حرف کی تعریف یہ ھے کہ نشان یا علامت جو کسی مفرد آواز کو ظاھر کرے ۔ بقیہ حروف مستقل الفاظ کی حیثیت

۱۔ ''فن تحریر کی تاریخ'' (محمد اسحاق صدیقی) مطبوعہ ''نگار'' ستمبر سنہ ۵۴ء

ر کہتے ہیں جیسے الف، جو تین مفرد آوازوں ا - ل اور ف سے مرکب ہے اور ان میں سے بعض کے معنی بھی ہیں الف (عبرانی میں) بیل—عین (ع) عربی میں آنکھ اور نون (ن). عربی میں مچھلی کو کہتے ہیں - پہلے حروف کی شکلوں اور معنوں میں پوری مطابقت تھی مثلاً الف کی ابتدائی شکل ∀ بھی بیل کے چہرے سے مشابہ تھی جس میں سینگ، کان اور منہ سب ہی نمایاں ہیں - بعد کو اس میں تبدیلی ہوتی گئی یہاں تک کہ وہ صرف ایک عمودی خط رہ گیا، اور یہی حال دوسرے حروف کا ہوا یعنی حروف کی شکلیں تو بدل گئیں مگر نام باقی رہ گئے 1

فارسی والوں نے عربی رسم الخط کو اپنایا تو ''پ'' ''ژ'' ''گ'' کا اضافہ کر لیا - سندھی اور پشتو میں اس رسم الخط کو اپنایا گیا تو اپنی مخصوص آوازوں کے لئے بھی نشانات وضع کر لئے گئے - عموماً یہ نشانات نقطوں کے اضافے سے بنائے گئے ہیں - سندھی میں نقطوں کے اضافے کی مثالیں بہت ملتی ہیں —

اردو میں عربی سے مستعار، فارسی رسم الخط اختیار کیا گیا ہے - لیکن فارسی کے حروف اردو کی تمام آوازوں کو ادا کرنے کے لئے کافی نہ تھے، کیوں کہ اس میں پراکرتوں اور آپ بھرنشوں سے ماخوذ بہت سے الفاظ بھی رائج تھے - ان آوازوں کی نمائندگی کے لئے کچھ حروف وضع کئے گئے - مثلاً ٹ، ڈ، ڑ - مخلوط بہ ھا آوازوں کے لئے حروف وضع نہ ہو سکے تو انہیں دو حرفوں یعنی وقفیہ اور ہائیہ کے ذریعہ سے ظاہر کیا گیا - مثلاً بھ، پھ، تھ، ٹھ، جھ، چھ، دھ، ڈھ، ڑھ، کھ، گھ - ''اردو میں رھ، لھ، مھ، نھ کی آوازیں بھی ہیں - ہندی میں ان آوازوں کے لئے حروف نہیں ہیں - مثالیں ان کی یہ ہیں - تیرھواں - کولھو -

---

۱ - ''فن تحریر کی تاریخ'' (محمد اسحاق صدیقی) مطبوعہ ''نگار'' ستمبر سنہ ۵۴ ع

تمھارا - ننھا - چوں کہ ان حروف میں پہلی سادہ آواز، ''ہ'' کی آواز کے ساتھ مل کر آتی ھے، اس لئے معمولی ''ہ'' سے امتیاز کرنے کے لئے دو چشمی ''ھ'' سے لکھتے ھیں - مثلاً ''کہا'' اور ''کھا'' دو علیحدہ لفظ ھیں، تلفظ میں بھی معنوں میں بھی - لہذا املا میں بھی فرق کرنا چاھئے — یہ امتیاز بہت ضروری ھے - اس حساب سے اردو زبانوں میں کل حروف تہجی پچاس ھوتے ھیں - 1

عربی، فارسی اور اردو کے اکثر حروف تہجی جب الفاظ میں لکھے جاتے ھیں تو محل استعمال کے اعتبار سے ان کی شکلیں بدل جاتی ھیں- لفظ کے شروع درمیان اور آخر میں ان کی صورتیں مختلف ھوتی ھیں — مثلاً مور، محمد، نام ان تینوں الفاظ میں ''میم'' کی صورتیں یکساں نہیں- ا - د - ذ - ر - ز - و شروع میں آتے ھیں تو لفظ کے بقیہ حروف میں ملا کر نہیں لکھے جاتے مثلاً انجم - دولت - ذرہ - راستہ - زرہ - ورق وغیرہ کوئی لفظ ان حروف پر مشتمل ھو، تو یہ حروف الگ الگ لکھے جاتے ھیں مثلاً دورہ — دروازہ — ذرا وغیرہ - تحریز کی ان خصوصیات کی وجہ سے عموماً حروف کی پوری پوری شکلیں نہیں بلکہ بالکل مختلف شکلیں لکھی جاتی ھیں اور اس طرح یہ رسم‌الخط جلدی لکھا جاتا ھے اور کم جگہ لیتا ھے گویا اس کی سب سے بڑی خصوصیت اختصار اور زود نویسی ھے —

حروف تہجی کے اعتبار سے اردو میں بڑی وسعت ھے - ھندی، عربی، فارسی، ترکی اور انگریزی وغیرہ سب کے مخارج کے حروف اور ان کی آوازیں اس میں موجود ھیں اور ان کی تعداد، ان تمام زبانوں کے حروف تہجی سے زیادہ ھے — اس کا ایک فائدہ یہ ھے کہ ان تمام زبانوں کے الفاظ اردو میں کھپ جاتے ھیں، اور ان کی شکل بگاڑنے کی، کم ضرورت پیش آتی ھے-

---

۱- ''قواعد اردو'' (مولوی عبدالحق مرحوم) صفحہ ۵

دوسرا یہ کہ اردو داں ان سب زبانوں کے حروف اور الفاظ کا صحیح تلفظ کر سکتے ھیں ـ اسکے بر خلاف مذکورہ بالا زبانیں بولنے والے اپنی زبان کے سوا دوسری زبان کے الفاظ کا صحیح تلفظ مشکل سے کر سکتے ھیں، گو اب تقریباً سب زبانوں میں دوسری زبانوں کی آوازوں کے لئے مرکب حروف بنا لئے گئے ھیں - لیکن اردو کے حروف تہجی کی کثرت اور رسم الخط کی وجہ سے اس کی تعلیم اور ٹائپ بنانے میں دشواریاں بھی پیدا ہو گئی ھیں''۔ [1] بعض حروف کی آوازیں بالکل ملتی جلتی ھیں مثلاً ز، ذ، ظ، ض، یا ت، ط یا ہ، ح یا ث، س، ص - عام طور پر لوگ بول چال میں ان کے عربی مخارج کا لحاظ نہیں رکھتے، اس لئے اردو میں یہ حروف ہم مخرج بھی سنائی دیتے ھیں ـ اکثر حالات میں التباس بھی ہو سکتا ہے اور املا کی غلطیاں بھی ـ لیکن چوں کہ عربی اور فارسی کے بہت سے کلمے اردو میں دخیل الفاظ کی حیثیت رکھتے ھیں، اس لئے املا کی صحت کے لئے ان تمام حروف کی ضرورت اور اہمیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ـ یہ بھی حقیقت ہے کہ اردو حروف تہجی کی کثرت اور حسب موقع حروف کی صوری تبدیلیوں کی وجہ سے ٹائپ اور طباعت میں بڑی دشواریاں پیش آتی ھیں، جن کا مضر اثر مطبوعات کی نشر و اشاعت پر لازماً پڑتا ہے ـ

فن تحریر کے سرسری جائزے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ دنیا کی کوئی زبان، اپنا رسم الخط ساتھ لے کر پیدا نہیں ہوئی ـ بلکہ فن تحریر خاصے طویل ارتقا کا مرہون منت ہے ـ کسی زبان میں اہل زبان نے آوازوں کے انضباط کے لئے تمام علامتیں خود وضع نہیں کیں بلکہ اکثر حالات میں یہ علامتیں دوسری زبانوں کے رسم الخط سے

۱- ''اردو کی لسانی اہمیت'' (شاہ معین الدین ندوی) ''معارف'' نمبر ٦ جلد ٦٩ صفحہ ۴۱٦

مستعار لی گئیں، مستعار لئے ہوئے رسم الخط میں حسب ضرورت تصرف بھی کیا گیا - لیکن کسی زبان کا رسم الخط انضباط اصوات کے اعتبار سے جامع و مانع نہیں کہلا سکتا - جن زبانوں میں حروف تہجی دوسری زبانوں سے لئے گئے، ان میں اس استفادے کے بعد بھی آوازوں کے اضافے ہوئے ہیں، اس کے برعکس بہت سے حروف بلا ضرورت بھی لے لئے گئے ہیں، اس لئے عملی ضرورتوں سے زیادہ حروف کا اجتماع ہو گیا - سنسکرت اور بعض زبانوں میں حروف تہجی عملی ضرورتوں سے زیادہ رہے ہیں - انگریزی میں بھی بعض حروف تہجی کا کوئی جواز نہیں ہے -

اس میں شک نہیں کہ رومن رسم الخط کو زیادہ سے زیادہ لچک دار بنا کر بین الاقوامی رسم الخط (I. P. A.) وضع کیا گیا ہے، جس کے علائم و رموز کی مدد سے دنیا کی بیشتر زبانوں کی آوازوں کی ترجمانی کا دعویٰ کیا جاتا ہے - لیکن بنی نوع انسان کی آوازوں کے تنوعات اور لطیف امتیازات کو چند علامتوں کے ذریعہ سے کما حقہ، ظاہر کرنا، عملاً ناممکن ہے - ہاں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کے مروجہ خطوں میں بین الاقوامی رسم الخط، زیادہ سے زیادہ جامعیت رکھتا ہے -

زبان کی طرح رسم الخط میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں، یہ تبدیلیاں زبان کے تغیرات کے برعکس شعوری اور مقصدی ہوتی ہیں لیکن جزوی، شاذ و نادر اور خاصی مدت میں ہوتی ہیں - آوازوں کی زیادہ سے زیادہ صحت کے ساتھ نمائندگی کا احساس اور تسہیل تحریر کا رجحان، ان تبدیلیوں کا موجب ہوتا رہا ہے، مثلاً امریکی انگریزی میں لفظ کی صحیح صوتی تصویر پیش کرنے یا املا کی صحت کے لئے بہت سے تصرفات و تغیرات کر لیے گئے ہیں اردو رسم الخط اور املا کی تاریخ میں بھی ایسی مثالیں مل جاتی ہیں - شروع شروع میں اردو میں سندھی، پشتو کی طرح عربی رسم الخط یا خط نسخ کا رواج تھا - عہد عالمگیری کے آخری ایام میں خط نستعلیق رائج ہونے لگا - خالص ہندی اصوات کے لئے عربی ہجا میں کوئی گنجائش نہ تھی،

اس لئے بعض حروف پر علاماتی اضافے کر کے، نئے حروف کا اضافہ کر لیا گیا - مثلاً تائے ہندی اور رائے ہندی (ٹ، ڑ) کے لئے ''ت'' پر بجائے دو نقطوں کے تین نقطے اور ''ر'' پر تین نقطے لگائے جاتے تھے - بعد میں ان نقطوں کی تعداد چار کر دی گئی، تخفیف و تسہیل کے خیال سے ان نقطوں کو عربی ہندسہ ۴ سے ظاہر کیا جانے لگا اور ''۴'' کی شکل بگڑ کر ''ط'' بن گئی - 1 اس طرح ٹ، ڈ، ڑ، ڑھ، ٹھ، وغیرہ کی مکتوبی صورت وجود میں آئی - گجرات میں بارھویں صدی ہجری کی ابتدا میں ان حروف پر ضرب کی علامت ''X'' لگائی جاتی تھی 2 ممکن ھے یہ علامات امتداد زمانہ سے ''ط'' بن گئی ہو ''د'' کے نیچے تین نقطے لگا کر بھی ''ڈ'' کا اظہار کیا جاتا رھا ھے - بہت دنوں تک زیر، زبر، پیش کے لئے حروف علت لکھے جاتے رھے ھیں مثلاً ادھر، کدھر وغیرہ کو ایدھر، کیدھر، اس، ادھر وغیرہ کو اوس، اودھر، لکھنے کا رواج تھا - ان الفاظ کی یہ مکتوبی صورتیں، ملفوظی صورتوں کے مطابق ھی تھیں اس لئے کہ انھیں اسی طرح بولا جاتاتھا - لیکن جب تلفظ کی تبدیلی ھوئی تو املا میں بھی تغیر کر لیا گیا - نویں صدی ہجری میں ''گ'' کے اظہار کے لئے ''ک'' کے نیچے تین نقطے لگائے جاتے تھے، بعد میں یہ نقطے اوپر لگائے جانے لگے اور آھستہ آھستہ نقطوں نے دوسرے ''مرکز'' کی حیثیت اختیار کر لی - ''اردو کا آخری الف لاحقہ فارسی کی تقلید میں ''ہ'' کی شکل میں لکھا جاتا تھا مثلاً چونہ، سہرہ، ھیزہ وغیرہ - عالمگیر کے عہد میں فضائل خان کے عرض کرنے پر کہ ہندی رسم الخط میں اسم اور کلمہ کے آخیر میں ''ہ'' نہیں آیا کرتی بلکہ ''الف'' ھوتا ھے، جیسے کانا کہا جاتا ھے اور الف ھی کی طرح

۱- مقدمہ ''پنجاب میں اردو'' (حافظ محمود شیرانی مرحوم)

۲- مقدمہ ''نوادر الفاظ'' (از ڈاکٹر سید عبداللہ)

تلفظ کیا جاتا ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایسے الفاظ کو ''الف'' کے ساتھ لکھا جائے۔ عالمگیر نے یہ تجویز پسند کی اور حکم دیا کہ آئندہ ایسے کلمے ''الف'' کے ساتھ لکھے جائیں یعنی مالوہ کو مالوا، بنگالہ کو بنگالا - وقس علی الھذا - اس فرمان کی تعمیل نہ صرف شاہی دفاتر اور ٹکسالوں میں ہوئی بلکہ اردو خواں لوگوں نے بھی یہی املا اختیار کر لیا، اور چونا، سہرا، ہیرا لکھا جانے لگا'' - 1

دور جدید میں بھی املا کی صحت کی طرف توجہ دی گئی ہے - انجمن ترقی اردو نے الفاظ کی مکتوبی شکلوں کو ملفوظی صورتوں کا صحیح ترجمان بنانے کی تحریک چلائی تھی - مثلاً علیحدہ کو، علاحدہ، اعلیٰ کو اعلا لکھنا، ''و'' معروف کو الٹے پیش سے ظاہر کرنا، ''و'' مجہول کو خالی رکھنا - لیکن اس تحریک کا خاطرخواہ اثر نہ ہوا - چناں چہ ''اردو'' املا اب بھی پوری طرح با اصول نہیں ہے -

صرف و نحو

قواعد نویسوں نے سہولت کے لئے زبانوں کے جملوں کو اجزاء میں تقسیم کر لیا ہے اور پھر ان اجزاء سے بحث کی ہے - اسی لئے انہوں نے گرامر سے بحث کرتے ہوئے ''ھجا'' کے مباحث کو پہلے چھیڑا ہے پھر ''صرف'' اور ''نحو'' کے ''علم ھجا'' کی اہمیت مسلم لیکن اگر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ بول چال، تحریر پر مقدم ہے۔ بول چال کا کم سے کم جزو، جملہ ہی ہو سکتا ہے کیوں کہ کوئی رکن تہجی یا کوئی لفظ جملے سے علیحدہ ابلاغ کا فرض ادا نہیں کر سکتا - جن موقعوں پر ایک ہی لفظ ابلاغ کے فرض سے عہدہ برآ ہوتا ہے، وہاں بھی جملہ مقدر ہوتا ہے - مثلاً یہ سوال کیا جائے کہ کیا کر رہے ہو؟ تو جواب میں ایک لفظ ''کام'' کافی ہوگا، لیکن

۱-مقدمہ ''پنجاب میں اردو''

اس جواب میں ''کر رہا ہوں'' مقدر ہے - اس لئے گرامر کے مطالعہ کا آغاز، جملے ہی سے ہونا چاہئیے - جملے کی تحلیل کے بعد الفاظ کی حیثیتوں سے بحث ہونی چاہئیے -

علم صرف کا موضوع الفاظ ہوتے ہیں - الفاظ، سیاق و سباق کے اعتبار سے ظاہری صورتیں بدلتے رہتے ہیں - ایک ہی لفظوں محل استعمال کے لحاظ سے متعدد روپ دھارتا ہے، نئی نئی شکلیں اختیار کرتا ہے - علم صرف کے ذیل میں ان تمام صورتوں سے بحث کی جاتی ہے - مناصب کے نقطہ نظر سے الفاظ کی تقسیم، تصریف و اشتقاق اور گردان، صرف کے مباحث ہیں - یہ تمام مباحث الفاظ کی ظاہری صورت سے تعلق رکھتے ہیں- اس لئے صرف کو ''صوریات'' بھی کہا جاتا ہے - الفاظ اور ان کے تغیرات سے بحث کرنے کی ایک اور صورت بھی ہوتی ہے - وہ معنی و مفہوم کے لحاظ سے ہوتی ہے - اس طریق مطالعہ کو نحو تفصیلی کہا جاتا ہے- جملوں کی ساخت کا تعلق، نحو ترکیبی سے ہے - مولوی عبدالحق مرحوم نے صرف و نحو سے متعلق یہ خوب لکھا ہے کہ ''الفاظ کا بھی ظاہر، باطن ہوتا ہے - ظاہر وہ ہے جس کا تعلق، صرف سے ہے یعنی میں صرف، صورت کی تبدیلی وغیرہ کا ذکر ہوتا ہے - اور لفظ کا باطن اس کا مفہوم اور معنی ہے اس کی بحث نحو' میں ہوتی ہے'' 1

اجزائے کلام کی روایتی تقسیم کا طریقہ ہند یوروپی خاندان السنہ کے مطالعہ کا نتیجہ ہے - بعض لوگوں نے اس کا اطلاق غیر ہند یوروپی زبانوں پر بھی کیا ہے - حالاں کے گرامر کا اقتضا یہ ہے کہ زبان کے لسانی مظاہر کے تجزئیے اور مطالعے سے اس کی صرفی و نحوی قاعدوں کا استنباط کیا جائے - ایک ہی خاندان کی مختلف زبانیں، صرفی تقسیم کے اعتبار سے بھی مغائرت رکھ سکتی ہیں، اس لئے اجزائے کلام کی تقسیم

۱- ''قواعد اردو'' صفحہ ۳

ایسی جامع و مانع نہیں ہو سکتی جس کا اطلاق ایک خاندان السنہ کی تمام زبانوں پر کیا جا سکے - ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ بعض بنیادی امور میں ہم آہنگی ہو سکتی ہے - مثلاً اسم، فعل، صفت وغیرہ کی تقسیم لیکن ان کے اقسام اور پھر ان کے منصرفات وغیرہ متغائر ہو سکتے ہیں اس لئے انگریزی صرف کا اطلاق، عربی پر یا ان میں سے کسی ایک کا اردو پر نہیں کیا جا سکتا - اقسام کلام میں سے بعض کے لوازم یا احکام ہوتے ہیں مثلاً جنس، عدد اور حالت - بعض زبانوں میں جنس کی تین قسمیں ملتی ہیں، مذکر، مونث اور بے جنس، بعض میں اول الذکر دو، اور کچھ میں مونث اور مذکر کا فرق بھی نہیں ہوتا - ''جدید ہند آریائی زبانوں میں سے مرہٹی، گجراتی اور سنیالی میں تینوں قسم کے اسماء پائے جاتے ہیں، اردو، راجستھانی، پنجابی اور سندھی میں صرف دو قسم کے، مذکر اور مونث - رہیں مشرقی زبانیں یعنی بنگالی، اڑیا اور آسامی، سو ان میں تذکیر و تانیث کا فرق روا نہیں رکھا جاتا'' - 1 اگر چہ بہت سی زبانوں میں اب ''تثنیہ'' کا صیغہ باقی نہیں رہا اور ''واحد'' ''جمع'' دو عددی صورتیں رہ گئی ہیں لیکن ان زبانوں میں واحد جمع کے منصرفات کے قاعدے ایک جیسے نہیں ہیں - بعض میں ایک ہی لفظ واحد بھی استعمال ہوتا ہے اور جمع بھی - مثلاً اردو میں ''آدمی آیا'' اور ''آدمی آئے'' - لیکن جب اسی لفظ کا جمع کا صیغہ محرف حالت میں ہو تو ''آدمیوں'' ہو جاتا ہے - ہر زبان میں تذکیر و تانیث اور واحد، جمع کے اپنے قاعدے ہیں، جنہیں بین اللسانی حیثیت نہیں دی جا سکتی - کم و بیش یہی حال، اسم کی ''حالت'' کا ہے - حالت، تالیفی بھی ہو سکتی ہے اور تحلیلی بھی - تالیفی حالت کا اظہار، اسم کی تالیفی حیثیت یا معمولی تغیر سے کی ہوئی

۱- ''اردو زبان کا ارتقا'' (ڈاکٹر شوکت سبزواری) صفحہ ۱۸۷

صورت سے ہوتا ہے۔ مثلاً سنسکرت، سندھی اور مرہٹی میں حروف علت کے لاحقے سے اسم کی نئی صورت وجود میں آجاتی ہے، جس سے اس کی ''حالت'' کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ یہ خصوصیت قدیم زبانوں میں عام تھی۔ جدید زبانوں میں سے معدودے چند اس خصوصیت سے متصف ہیں، زیادہ تر تحلیلی صورت پیش کرتی ہیں، تالیفی صورت سنسکرت کے ایک اسم ''دیوہ'' (خدا) کے منصرفات کی مثالوں سے واضح ہو سکتی ہے دیوہ۔ دیوم۔ دیوایا۔ دیواشیہ۔ دیومیا۔ دیوات۔ دیوے۔ دیوا، جن میں لفظ کی بنیادی حالت میں لاحقوں کے اضافے سے مفعولی، ظرفی، اضافی آلی، مجروری وغیرہ حالتوں کو ظاہر کیا جاتا تھا۔ تحلیلی صورت میں بنیادی لفظ کے منصرفات سے نہیں بلکہ اس کے بعد استعمال ہونے والے حروف معنوی سے حالت کا اظہار ہوتا ہے۔ مثلاً اردو میں حروف کا، کے، کی، سے، پر، تک، کو وغیرہ اسم یا ضمیر کی حالت کا اظہار کرتے ہیں۔ ''لڑکے کا قلم کہاں ہے''؟ ''لڑکے پر الزام آگیا''۔ ''لڑکے تک خبر پہنچا دو''۔ ''لڑکے کو کتاب دے دو''۔ وغیرہ جملوں سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اگرچہ لفظ ''لڑکا'' منصف ہو گیا، اس کی حیثیت قائم نہیں بلکہ محرف کی ہے، تاہم اس لفظ کی حالت کا اظہار حرف معنوی ہی سے ہوتا ہے۔

تمام زبانوں میں اعرابی حالتیں یکساں نہیں ہوتیں، اقسام کی تعداد اور نوعیت میں اختلاف ہوتا ہے۔ تعداد اقسام مستقل نہیں رہتی۔ مثلاً فنی اور بعض دوسری یورانی زبانوں میں بارہ حالتیں ملتی ہیں، سنسکرت میں آٹھ، جرمن میں چار۔ اردو میں حالتوں سے متعلق خلطمبحث ہے بعض صرفی فاعلی، مفعولی اور اضافی تین حالتیں بتاتے ہیں اور بعض پانچ یعنی فاعلی، مفعولی، اضافی، ظرفی اور ندائی ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے دو حالتیں قائم اور محرف بتائی ہیں، ان کی بتائی ہوئی حالتیں اسم کے صوری اعتبار سے ہیں۔ انہوں نے غیر منصرف کو قائم کے

ذیل میں اور منصرف کو محرف کے ماتحت رکھا ہے۔ مولوی عبدالحق مرحوم نے چھ حالتوں، یعنی فاعلی، مفعولی، ندائی، خبری، اضافی اور طوری کی نشان دہی کی ہے۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری آٹھ حالتیں فاعلی، مفعولی، ثانوی، آلی، مجروری، ظرفی، ندائی وغیرہ بتاتے ہیں۔

اسمای کی طرح ضمائر، صفات اور افعال کی درجہ بندی بھی کی جاتی ہے۔ بعض زبانوں میں صفات اور ضمائر، اسماء کے ذیل میں لائے جاتے ہیں، بعض میں صفات کو اسم کی اقسام بھی شمار کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر گل کرسٹ نے ضمائر کا ذکر اسم معرفہ کی نوع دوم کی حیثیت سے کیا ہے۔ عام طور پر ان کی تین قسمیں ہوتی ہیں، متکلم، حاضر اور غائب تفاعل، کے اعتبار سے ضمائر کو ضمیر فاعل، ضمیر مفعول اور ضمیر مضاف الیہ میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ بعض زبانوں میں ضمائر میں بھی تذکیر و تانیث کا فرق ہوتا ہے مثلاً انگریزی کی ضمیر غائب۔ بعض زبانوں کے ضمائر میں تذکیر و تانیث کا فرق نہیں مثلاً اردو میں۔ نحوی اعتبار سے ضمائر قائم ہوتے ہیں یا محرف۔ مثلاً اردو میں ضمیر ''میں'' کے منصرفات میرا، مجھے وغیرہ، ہیں۔ انگریزی میں he اور she کے منصرفات بالترتیب his، him اور her ہیں تثنیہ کے لئے کوئی صیغہ نہیں۔ اردو ضمائر کے اعرابی لاحقے اور صلے کم و بیش وہی ہیں جو دوسرے اسماء کے ہوتے ہیں۔ ضمیر کی طرح صفت کی حیثیت بھی نحوی اعتبار سے بنیادی نہیں ہوتی۔ عام طور پر اسے ذاتی، نسبتی، عددی، مقداری اور ضمیری کی حیثیت سے زیر بحث لایا جاتا ہے۔

عام طور پر زبانوں میں افعال کو بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ تفاعل کے اعتبار سے انہیں لازم، متعدی اور ناقص میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ چوں کہ تفاعل، تعلق زمانہ سے سمجھا جاتا ہے اس لئے اس کے ''زمانے'' بھی قرار پاتے ہیں۔ بقول بلوم فیلڈ [1] انگریزی میں زمانے دو ہیں،

۱۔ ''مطالعہ لسان'' (بلوم فیلڈ) صفحہ ۱۴۳

ماضی اور حال ـ بعض مغربی زبانوں میں تیسرا زمانہ مستقبل ہے ـ مثلاً لاطینی میں- Canto (میں گاتا ہوں) - Cantabem (میں نے گایا)- Cantabo (میں گاؤں گا)- انگریزی میں مستقبل کا عمل یا تفاعل Shall یا Will سے ظاہر کیا جاتا ہے اور مرکب کو زمانہ مستقبل قرار دیا جاتا ہے ـ حالاں کہ Shall اور Will مستقل الفاظ کی حیثیت رکھتے ہیں گویا فعل کا بنیادی لفظ تالیف سے یا منصرف ہو کر مستقبل کے معنی پیدا نہیں کرتا - یہی حال اردو کا ہے - انگریزی میں زمانہ حال بھی مستقبل کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے جیسے I shall go If he comes بعض زبانوں مثلاً چینی زبان میں ''زمانے'' کی تقسیم ناپید ہے ـ علائق زمانی کا اظہار مستقل الفاظ سے ہوتا ہے ـ افعال کی تقسیم تفاعل کے طریقوں پر بھی منحصر ہوتی ہے ـ بعض زبانوں میں ان طریقوں کا اظہار تحلیلی صورت میں ہوتا ہے مثلاً انگریزی میں ''I am writing'' اردو میں ''میں لکھ رہا ہوں'' وغیرہ میں استمرار کا اظہار تحلیلی صورتوں سے ہوا ہے ـ ''میں لکھا کرتا تھا'' میں اعادہ تفاعل بھی اسی طرح ظاہر ہوتا ہے ـ کچھ زبانوں میں ''فعل'' سے ہی طور تفاعل کا اظہار ہو جاتا ہے اور لفظ کے منصرفات، اطوار کا فرق واضح کر دیتے ہیں، مثلاً سلاوی زبانوں میں ''استمرار'' اور ''اعادہ'' کی الگ الگ تقسیم لفظ کی صوری حیثیت کو دیکھ کر ہو سکتی ہے ـ افعال کی تقسیم کی ایک اور بھی صورت ہے، جو فاعل اور فعل کے تعلق پر منحصر ہوتی ہے، جیسے ''Voice'' کہتے ہیں - سنسکرت میں اسے ''پریوگ'' کہا جاتا تھا ـ سنسکرت افعال کے استعمال کی تین صورتیں معروف، مجہول اور لازمی یا ذاتی بنائی جاتی ہیں - 1 بعض زبانوں میں یہ صورتیں پانچ ہیں معروف، مجہول،

۱-''اردو زبان کا ارتقا'' (ڈاکٹر شوکت سبزواری) صفحہ ۳۱.

میانہ، سببی اور اطلاقی - افعال کو حالتوں کے اعتبار سے بھی تقسیم کیا جاتا ھے - ان حالتوں کو اطوار افعال یا اوضاع زمانہ کہتے ھیں - قدیم یونانی میں تین اطوار ھوتے تھے بیانیہ، شرطیہ یا احتمالیہ اور تمنائی - ''امر'' کے طور کے لئے فعل امر کو ندائی طور پر استعمال کیا جاتا تھا - 1 جرمن زبان میں بھی کم و بیش یہی اوضاع زمانہ ملتے ھیں -

ڈاکٹر شوکت سبزواری نے ''اردو میں فعل کی چار صورتیں بتائی ھیں 2'' - خبر، شرط، امر اور دعا - تمنا' شرط میں داخل ھے - بعض عالموں نے دعا کو اس میں شامل کیا ھے - 3

ھر زبان میں فعل کی گردان کا اپنا قاعدہ ھے - کہیں مادہ اولیٰ میں لاحقوں کا انضمام ھوتا ھے اور کہیں صلات اعرابی لاحقوں کے منصرفات کا عمل دخل ھوتا ھے - بعض زبانوں میں فعل اور اس کے منصرفات میں تذکیر و تانیث کا فرق ھوتا ھے مثلاً اردو اور کچھ اور جدید ھند آریائی زبانیں بعض میں اس قسم کی کوئی تمیز نہیں ھوتی مثلاً انگریزی، فارسی، وغیرہ میں -

تقریباً تمام زبانوں میں لفظ کے صوتی تغیرات' معنوی تغیرات پیدا کرتے ھیں، ان تغیرات کا دار و مدار ماقبل یا ما بعد الفاظ پر ھوتا ھے - ان تمام تغیرات اور صوتی لاحقوں کی وجہ سے جو منصرفات وجود میں آتے ھیں ان سے صرفی تقسیم کے قاعدے منضبط کر لئے جاتے ھیں - ان کے تجزئیے اور اشتقاقیاتی مطالعے سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ھے کہ ان الفاظ کو مادہ اور تعمیری الفاظ میں تقسیم کیا جا سکتا ھے - مادہ اصلی یا اولیٰ حیثیت رکھتا ھے - سابقوں کی مدد سے نئے مادے بھی بن جاتے ھیں -

---

۱- ''مطالعہ لسان'' (بلوم فیلڈ)

۲- و ۳- ''اردو زبان کا ارتقا'' (ڈاکٹر شوکت سبزواری) صفحہ ۳۱۳

دوسری زبانوں کے زیر اثر وضعی و ثانوی مادے بھی تشکیل کر لئے جاتے ھیں - بعض زبانوں میں اصلی یا اولیٰ حیثیت رکھنے والے الفاظ ''افعال'' ھوتے ھیں بعض میں ''اسماء'' - پہلی قسم کی زبانوں کا محوری حصہ افعال سے تشکیل پاتا ھے اور دوسری کا اسماء سے - آریائی زبانیں، پہلی قسم کی نمائندگی کرتی ھیں اور گرین لینڈ کی زبان دوسری کی - اس زبان کا جملہ ''Tusa-Rp-a-Ra'' (میں اسے سنتا ھوں) میں کوئی لفظ فعل نہیں ھے،۔اس کا انگریزی ترجمہ یہ ھوگا Sounding-his-my - اسی طرح عربی کا جملہ زیدہ قائم میں دونوں الفاظ اسم ھیں -

زبانوں کے تجزیاتی مطالعے سے یہ منتج ھوتا ھے کہ زبان کے اجزاء مفرد، مرکب، اصلی، تعمیری، سابقے، لاحقے وغیرہ ھی میں شمار کئے جا سکتے ھیں - کچھ زبانوں میں ترکیب میں ایک طرح کا نظم ملتا ھے۔ جن زبانوں کے الفاظ صوریاتی یا صرفی اعتبار سے سیدھے سادے اور مفرد ھوتے ھیں - ان کے مقابلے پر اصلی الفاظ اور مشتقات پر مشتمل زبانیں زیادہ ترکیبی خصوصیات کی مظہر ھوتی ھیں - موخرالذکر زبانوں میں اخذو اشتقاق سے نئے نئے الفاظ، وضع کئے جاتے ھیں-الفاظ سازی کی مختلف نوعیتیں اورمنصرفات کی متنوع صورتیں ھوتی ھیں -منصرفات کی صورتیں ارتباطی، تالیفی، ترکیبی، اشتقاقی اور انضمامی ھوسکتی ھیں -تالیفی صورت میں اصلی اور تعمیری اجزاء واضح ھوتے ھیں، تعمیری اجزاء میں خفیف سی تبدیلی بھی ھو جاتی ھے تو بھی انہیں تمیز کر لینا مشکل نہیں ھوتا - ترکیبی اور اشتقاقی صورت میں اصلی اور تعمیری اجزاء صورت بدل کر اس طرح گھل مل جاتے ھیں کہ ان کی پہچان مشکل ھوتی ھے اور مشتق نیا لفظ نظر آتا ھے - سامی زبانوں میں اشتقاق اندرونی طور پر یعنی لفظ کے حرکات وسکنات کے تغیرات سے ھوتا ھے -انضمام کی صورت بھی اشتقاق کی طرح بالکل نئے لفظ کو وجود میں لاتی ھے - ان تمام صورتوں سے جو منصرفات ھوتے ھیں، وہ نت نئے اجزائے کلام کی تشکیل کا موجب ھوتے ھیں

اور حسب موقع جنس، تعداد، حالت وغیرہ بھی ظاھر کرتے ھیں - مثلاً لاطینی لفظ ''edo'' (میں کھاتا ھوں) میں مادے کے ساتھ فاعل، اس کی حالت، زمانہ، طور، جنس اور عدد کا اظہار ھوتا ھے - ''مادہ'' میں علامتی لاحقے یا ارتباطی اضافوں سے فعل کی مختلف صورتیں پیدا ھوتی ھیں - مثلاً مادہ ''کر'' سے کرنا، کرتا ھے - کر رھا ھے - کرتا تھا، کرتی ھے، کرتے ھیں، کرتی ھیں، کرے گا، کریں گے، کرو گے، کرلیا وغیرہ- سادہ مادوں میں سابقوں کے اضافے سے نئے مادے بن جاتے ھیں مثلاً ''شل'' میں لاحقہ ''ات'' بڑھایا گیا تو ''ات شل'' بنا، جو صوتی تغیرات سے ''اچھل'' بن گیا - ''شر'' میں ''نو'' کے اضافے سے ''شرنو'' اور پھر ''سن''وجود میں آیا - دوسری زبانوں سے اخذ و استفادہ کر کے بھی مادے اورمصدروضع کر لئے جاتے ھیں مثلاً اردو میں عربی اور فارسی کلموں سے بخشنا، خریدنا، رنگنا وغیرہ - حروف اور کلمات کے سابقی اور لاحقی اضافوں سے تصریف کی مثالیں اردو میں بکثرت ملتی ھیں - گردان اور تصریف سے قطع نظر، اخذ و اشتقاق اور مرکبات، وضع الفاظ یا لفظی تشکیل کے ماتحت بھی زیر بحث لائے جا سکتے ھیں - آریائی زبانوں میں سابقے، لاحقے، نیم سابقے، نیم لاحقے، سبقلاحی اضافے ''مرکبات'' کی تشکیل کا موجب ھوتے ھیں -

اکثر زبانوں میں جملوں کے دو اھم عناصر ھوتے ھیں، مبتدا اور خبر- ایسی بھی زبانیں ھیں جن میں مبتدا اور خبر کی نشاندھی ایک ھی لفظ میں کی جا سکتی ھے - مثلاً لاطینی لفظ ''Cantat'' (وہ گاتا ھے یا گاتی ھے) ایسے لفظ دراصل جملے ھوتے ھیں - جملہ کا مقصد بیان، انتساب یا تعلیل ھے، اس مقصد کے لئے الفاظ کو ترتیب دیا جاتا ھے، ان کی ترتیب سے ابلاغ کی غرض و غایت پوری ھوتی ھے - اس ترتیب کے تجزئیے سے الفاظ کے باھمی رشتے ظاھر ھوتے ھیں- اس طرح اجزائے کلام معنی ومفہوم کے اعتبار سے زیر بحث آجاتے ھیں - گویا صرف و نحو کے مباحث

کم و بیش ایک سے ہوتے ہیں - اسی لئے صرف و نحو تفصیلی میں حد فاصل کھینچنا خاصا دشوار ہو جاتا ہے ـ مبتدا، خبر اور ان کے متعلقات، ان سب کے وظائف معنوی تعلقات، جنس، عدد،حالت، طور وغیرہ، وہ منصرفات جن کے ذریعے معنی و مفہوم کی وضاحت ہوتی ہے- جملوں کی ساخت، ان کی نوعیت اور باہمی تعلق وغیرہ ''نحو'' کے مباحث ہیں - نحو ترکیبی میں مبتدا اور خبر کی تفصیل، ان کی توسیع، کلماتی مطابقت کے ساتھ ساتھ مفرد، رتبہ، تابع، اور مرکب جملوں، نیز ان کے اقسام سے بحث کی جاتی ہے ـ ہر زبان کا اپنا نحوی نظام ہوتا ہے، اس لئے کسی خاص زبان کی ''نحو'' کا اطلاق دوسری زبان پر نہیں کیا جا سکتا ـ ہاں یہ ممکن ہے کہ ایک زبان دوسری زبان سے ''صرفی'' استفادے کے ساتھ ساتھ تھوڑا بہت ''نحوی'' استفادہ بھی کر لے ـ

لغت و فرہنگ

کسی زبان کے بولے جانے والے تمام الفاظ کی فہرست حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کرنا اور ان کے تلفظ اور معنی کی وضاحت کرنا، لسانی تجزئیے کےلئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔لغت یافرہنگ کی وسعت زبان کی وسعت پر دلالت کرتی ہے ـ زبان کی فرہنگ میں بنیادی اور اصلی الفاظ کا سرمایہ ہو چند کم سہی، زبان کی نشو و نما اور ترقی میں ممد و معاون ہوتا ہے- نئے نئے الفاظ وضع کرنے میں اسی سے مدد ملتی ہے - سماجی تبدیلیوں، ثقافتی اور معاشی تغیرات، ذہنی اور علمی اکتسابات کے نتیجے میں زبان کے سرمایۂ الفاظ میں اضافے ہوتے رہتے ہیں، کچھ الفاظ متروک بھی قرار پاتے رہتے ہیں ''لغت و فرہنگ'' میں بھی یہ اضافے اور تغیرات جگہ پاتے ہیں ـ بنیادی الفاظ جن صدیوں میں جمع ہوتے ہیں، ثقافتی توارث کا ذریعہ اور الفاظ سازی اور وضع اصطلاحات کی بنیاد بنتے رہتے ہیں - اسی لئے ''لغت و فرہنگ'' کو خاصی اہمیت دی جاتی ہے - کہ لغت کا منصب، الفاظ کے تلفظ اور معنی کی وضاحت ہی نہیں بلکہ ان کے

ماخذ اشتقاقی صورتوں، دور به دور کی کیفیتوں، ان کے محل استعمال کی تشریح، الفاظ کے علاوہ صوتیوں اور صورياتی اکائیوں، قواعدی نکات، لب و لہجه، زور' صوتی سطح، امتداد، اور ان کے مضمرات وغیرہ کی تدوین بھی ھے - مغربی زبانوں میں سے بعض میں ''لغت و فرھنگ'' میں اشتقاقیاتی مباحث، کو بھی پیش کیا گیا ھے' صوتی اور صورياتی اکائیوں، لب و لہجه وغیرہ کی تدوین کی طرف توجه نہیں دی گئی — مشرقی زبانوں میں لغت و فرھنگ تلفظ و معنی سے آگے نہیں بڑھتیں —

اشتقاقیات

لسانیات کا جو شعبه الفاظ کے مآخذ اور اشتقاق سے بحث کرتا ھے' اشتقاقیات کہلاتا ھے - گراف، اشتقاقیات کو لسانیات کی ایسی شاخ قرار دیتا ھے' جو الفاظ کی ھئیتوں اور ان کے صوتی اور صورياتی رشتوں کا مطالعه اس غرض سے کرتی ھے که ان کے مآخذ کی نشان دھی کرسکے۔

کم و بیش ھر زبان کے الفاظ نے تغیر و تبدل کی کئی منزلیں طے کر کے موجودہ ملفوظی صورت اور دلالت اختیار کی ھے، یا وہ دوسری زبانوں سے ماخوذ و مستعار ھیں' - اپنی اصل زبانوں میں بھی وہ ڈھلے ڈھلائے یا ترشے ترشائے نه تھے بلکه خراد زمانه کی تراش خراش کانتیجه تھے - اس لئے یه کہنا غلط نه ھوگا که ھر لفظ کے اخذ واشتقاق کی تاریخ ھوتی ھے - اس کے عہد به عہد رونما ھونے والے صوری و معنوی تغیرات اور منزل به منزل روپ دھارنے اور بہروپ بھرنے کی نشان دھی' ارتقائی نقوش کی باز آفرینی اور وضاحت' اشتقاقیات کے مباحث ھیں —

الفاظ' کسی نظام لسان کے اجزائے ترکیبی ھونے کے ساتھ ساتھ اپنی منفرد حیثیت بھی رکھتے ھیں - ھر لفظ ایک خاص غرض و غایت کے ماتحت وضع کیا جاتا ھے اور لسانی زندگی کے نشیب و فراز اور تغیر و تبدل کے قانون کے ماتحت ھوتا ھے - وہ اپنی حیثیت' صلاحیت اور

استعمال کے اعتبار سے ترک و اختیار، ترمیم و تنسیخ اور تراش خراش کی متعدد منزلوں سے گزرتا ھے - لفظ کی ان تمام منزلوں کا مطالعہ، اس کی پوری تاریخ منظر عام پر لے آتا ھے - لفظوں کی تاریخ بڑی اھمیت رکھتی ھے - بقول مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم ''یہ تاریخ ھمارے لغت کا بڑا اھم باب ھے، لیکن افسوس ھے کہ اس کی طرف ابھی تک ھماری زبان کے لغت نویسوں نے توجہ نہیں کی ھے'' - 1 کم و بیش ھر لفظ تہذیبی سطح، ذھنی رحجانات و عصری میلانات، یا کسی تاریخی موڑ کی داستان زبان حال سے سناتا ھے - اس کے دامن میں اپنے بولنے والوں کے ماضی کی کوئی نہ کوئی امانت ضرور ھوتی ھے، قابل فخر یا باعث مذمت ڈاکٹر جانسن نے زبانوں کو قوموں کا نسب نامہ اور ان کی قدیم ترین یادگار قرار دیا ھے - تحریرات مختلف وجوہ کی بدولت صحت سے دور ھو سکتی ھیں لیکن زبان اور اس کا سرمایۂ الفاظ کبھی جھوٹ نہیں بولتے، وہ ھمیں دھوکا نہیں دیتے، شرط یہ ھے کہ ھمیں ان سے ٹھیک ٹھیک معلومات کرنے کا ھنر حاصل ھوجائے 2 مولانا سلیمان ندوی کے الفاظ میں ''قومیں اپنی تاریخوں میں کتنی ھی خیانت کریں، اور ان کے واقعات کو کتنا ھی الٹ پلٹ ڈالیں مگر زبان اور اس کے الفاظ کا ذخیرہ ایک سچے امانت دار کی طرح پچھلی روداد کا ریکارڈ یا مسل ھمارے لئے تیار رکھتا ھے، جس سے اس زبان کے محقق ضرورت کے وقت پوری طرح فائدہ اٹھا سکتے ھیں - چناں چہ اگر ھم یہ جاننا چاھیں کہ کسی قوم سے تعلقات اور رابطے دنیا کی کن کن قوموں سے رھے ھیں تو اس قوم کے لفظوں کے خزانے میں ھمارے لئے معلومات کا بڑا سرمایہ محفوظ ملے گا'' - 3 ''اشتقاقیات'' سے یہ بات آئینہ ھو جاتی ھے

۱- ''نقوش سلیمانی'' (سید سلیمان ندوی مرحوم) صفحہ ۲۹۲

۲- ''سرگزشت الفاظ'' (مولوی احمد دین) صفحہ ۱۲۵

۳- ''نقوش سلیمانی'' (سید سلیمان ندوی مرحوم) صفحہ ۲۹۲

کہ الفاظ کی ملفوظی صورتیں اور دلالتیں انسان کے تسہیلی رجحان کا بھی نتیجہ ھیں - الفاظ، اپنی زبان کے قدیم مواد سے مشتق ھوں یا غیر زبانوں سے مستعار و ماخوذ، ان کی تاریخ و تحقیق سے لسانی اور ثقافتی اخذ و استفادہ پر روشنی پڑتی ھے اور یہ معلوم ھوتا ھے کہ ایک قوم ثقافتی اعتبار سے کن اقوام کی مرھون منت رہ چکی ھے - دخیل الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ھیں کہ الفاظ مستعار لینے والی زبان نسبتاً کم سرمایہ رکھتی ھے اور اسے بولنے والی قوم ثقافتی اعتبار سے فروتر ھے' یا سیاسی حیثیت سے مغلوب - قدیم یونانی ثقافت کی برتری کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ھے کہ اس کے متعدد الفاظ، ان گنت قوموں کی زبانوں میں دخیل ھیں، ان کی وضع قطع بدلی ھوئی ھی سہی - اھل روما کی ثقافتی عظمت ان الفاظ سے ٹپکتی ھے، جو بہت سے زبان میں نت نئے روپ دھار کر جلوہ گر ھیں - مثلاً انگریزی لفظ ''Candidate'' (امیدوار) کا اشتقاقی مطالعہ یہ بتاتا ھے کہ یہ لفظ لاطینی کے مشتق فعل Candidare (سفید کرنا) کے معطوفہ Candidatus کا مخفف ھے، جو لاطینی اسم کیفیت Candidus (سفید) سے مشتق ھے - قدیم روما میں انتخابات کے امیدواروں کے لئے سفید لباس میں ملبوس ھونا لازمی تھا- امیدواری کے منصب کے لئے لفظ Candidati بھی اخذ کیا گیا- Candidus خود، فعل Candeo سے مشتق ھے، جس کے معنی ھیں چمکنا - مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم لفظ ''دام'' کا اشتقاقی مطالعہ اس طرح پیش کرتے ھیں کہ یونانیوں کے سیاسی غلبے کا اندازہ لگایا جا سکتا ھے - سید صاحب فرماتے ھیں کہ ''ھماری زبان کا ایک پامال لفظ دام ھے، ایک تو اس کے معنی قیمت کے ھیں اور دوسرے معنی ایک معمولی سکے کے ھیں، جس کی ایک ذلیل ترین صورت ھماری زبان میں چھدام کی ھے، جو ''چھے'' اور ''دام'' دو نقطوں سے بنا ھے - اس لفظ کی تاریخ کے لئے آج سے دو ھزار برس پہلے ھم کو

لوٹ کر جاتا ہے ۔ ایک زمانہ تھا کہ یونان کے کشور کشا اور سوداگر پورے ایشیا پر چھا گئے تھے - مصر و شام و عراق سے ایران اور ہندوستان تک کے ڈانڈے مل گئے تھے - ان ملکوں میں یونانی حکم اور یونانی سکے چلتے تھے اور ان کے یونانی نام زبانوں پر تھے -یونانیوں کے چاندی کے سب سے کم قیمت سکے کا نام ''درخم'' تھا، اس نے عربی میں ''درہم'' اور فارسی میں بیچ سے ایک حروف گرا کے ''درم'' کی صورت اختیار کی اور ہندوستان میں ایک حرف اورگر کو اس کی جگہ ایک لمبی آواز بڑھ کر ''دام'' ہو گیا - یہ حرف جس طرح سکے کو بتاتا تھا، سکے کے وزن کو بھی بتاتا تھا - چناں چہ طب میں دواؤں کا وزن درہم اور فارسی طب میں ''درم'' سے بتایا جاتا ہے - اسی لفظ نے جب فرنگستان کی ٹوپی پہنی تو ''ڈرام'' ہو گیا، جو اب ہمارے انگریزی طبی کالجوں، دواخانوں اور شفاخانوں میں ایک بیگانے کی حیثیت سے وارد ہے اور شاید اب کوئی پہچانے بھی نہیں کہ ''دام'' اور ''ڈرام'' دونوں کی ایک ہی شخصیت ہے - صرف آب و ہوا اور شکل و صورت کا فرق ہو گیا ہے [1] دام کی تصغیر سے ''دمڑی'' نے وجود پایا -

اشتقاقیاتی مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھی علم و حکمت یا تاریخ فطرت میں غلطیوں کا ارتکاب بھی بعض الفاظ کی تخلیق کا موجب ہو گیا ہے مثلاً انگریزی لفظ ''Lunantics'' آج بھی بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مخبوط الحواسی کا دارو مدار Luna یا چاند کی غلط گردش پر ہے - امریکی پرندے پیلو یا فیل مرغ کو اصولاً ''ترکی'' کا پرندہ سمجھ کر Turkey کہا جانے لگا ہے - امریکہ کے قدیم باشندوں کو انڈین کہنا بھی جغرافیائی کم علمی پر دلالت کرتا ہے ۔

---

۱ - ''نقوش سلیمانی'' صفحہ ۲۹۲

الفاظ کی تاریخی تحقیق سے سماجی کروٹوں، ثقافتی مضمرات اور سیاسی دھاروں ھی سے متعلق اشارات نہیں ملتے بلکہ لسانی تغیرات کی تمام نوعیتیں نظر کے سامنے آجاتی ھیں - اشتقاقیات کے آئینہ خانہ میں قوموں کے عروج و زوال، ذھنی اکتسابات' معاشری و اخلاق مدوجزر، استعداد و صلاحیت جذبات و احساسات ھی کا دھندلا سا عکس نظر نہیں آتا بلکہ زبانوں کے ابتدائی مدارج، ان کی ساخت، صرف و نحو وغیرہ کی جیتی جاگتی تصویریں بھی مل جاتی ھیں ۔ اشتقاقیات' تاریخی و تقابلی گرامر کے لئے مواد مہیا کرتی ھے - وھٹنے کے نزدیک اشتقاقیات، لسانی تحقیق کے ڈھانچے کے لئے بنیاد کی حیثیت رکھتی ھے - زبان کے عام اصول اور عمومی اطلاق اور اھمیت رکھنے والی صداقتیں، جن سے لسانیات کا تانا بانا تیار ھوتا ھے، الفاظ کے شجروں اور نسب ناموں کا سہارا لیتی ھیں اور اشتقاقیات ھی کی مرھون منت ھوتی ھیں - الفاظ ھی وہ شہادتیں ھیں، جن سے اشتقاقیات' لفظوں کی حیثیتوں ان سے ترکیب پانے والی زبان اور لسان انسانی کے لئے استناد اخذ کرتی ھے اور لسانی قاعدوں اور ضابطوں کی تعمیم کے لئے مفید مواد منظر عام پر لاتی ھے -

اٹھارویں صدی عیسوی میں اشتقاقیات کی بنیاد الفاظ کے صوتی و معنوی تشابہ پر تھی - چوں کہ شروع شروع میں عبرانی کو ام الالسنہ سمجھا جاتا تھا، اس لئے اپنی زبان کا تقدس ثابت کرنے کے لئے اس کا ناطہ عبرانی یا عہد نامہ' عتیق کی زبان سے جوڑنا ضروری تھا - چناں چہ جو لفظ بھی عبرانی کے کسی لفظ سے کسی قسم کی ظاھر مماثلت رکھتا تھا، اسے کھینچ تان کر عبرانی کا شاخسانہ ثابت کیا جانے لگا - ھم خاندان زبانوں میں اس قسم کی مماثلتوں کا ڈھونڈ نکالنا زیادہ مشکل نہ تھا ۔ غیر علمی بنیادوں اور قیاس آرائی کی وجہ سے مضحکہ خیز نتائج اخذ کئے جانے لگے - علمی حلقوں میں ان نتائج کا خاصا خاکہ اڑایا گیا - والٹر نے یہ فقرہ چست کیا کہ اشتقاقیات مصوتوں کو تو خاطر میں بھی نہیں لاتی

ھاں، مصمتوں کی مزاج پرسی کبھی کبھار کرلیتی ھے - جب انیسویں صدی میں علم اصوات کے ارتقاء نے یہ سمجھایا کہ بسیط آوازوں کی پوری تاریخ میکانکی اور عضویاتی اصولوں کے ذریعہ سے مرتب کی جا سکتی ھے تو، اشتقاقیات کو علم اصوات کا خوشہ چیں بنایا گیا اور یہ کہا جانے لگا کہ والٹیر کی بھتی اٹھارویں صدی کی نیم علمی اور قیاسی اشتقاقیات پر ھی صادق آسکتی ھے، جدید اشتقاقیات پر نہیں- جدید اشتقاقیات سائنس کا درجہ اختیار کرچکی ھے-وہ الفاظ کےمصوتوں اورمصمتوں نیز ان کے معنوں کی توجیہات کما حقہ، کر سکتی ھے - ایچ شرود میکس ملر اور وھٹنے نے جدید اشتقاقیات کے اکتسابات سے متعلق غلو سے کام لیا ھے - وھٹنے کے الفاظ میں ''جدید اشتقاقیات، اور قدیم اشتقاقیات میں بڑا فرق ھے - دونوں اپنے اپنے اخذ کردہ نتائج کی خاصیتوں ھی میں نہیں بلکہ شواھد کی خصوصیات میں بھی ایک دوسرے سے اختلاف کرتی ھیں - جدید اشتقاقیات ایسے دو الفاظ کا بھی مشترکہ ماخذ ڈھونڈ نکالتی ھے جن کی کوئی دو آوازیں بھی مشابہ نہ ھوں مثلاً فرانسیسی eveque اور انگریزی bishop اور یہ بتاتی ھے کہ دونوں الفاظ یونانی لفظ episkopos کے دو بھروپ ھیں - وہ یہ نتیجہ کبھی اخذ نہیں کرتی کہ دو زبانوں کے ھم معنی الفاظ صوتی مغائرت کے با وجود ھم اصل اور متحدالماخذ ھیں - اس کا طویق مطالعہ تاریخی ھوتا ھے، جس میں تمام ممکنا شواھد کو کام میں لانا، ان کے تمام مضمرات کی جانچ پڑتال کرنا اور نتائج اخذ کرنے میں پوری پوری احتیاط برتنا لازمی ھے- <u>1</u>

انیسویں صدی عیسوی کی اشتقاقیات میں الفاظ کی صوتی حیثیتوں کو بہت زیادہ اھمیت حاصل ھو گئی تھی، اس حد تک کہ پاٹ علم‌اصوات

۱-''لسانی مطالعہ لسان،'' (وھٹنے) صفحہ ۲۴۵

کو اشتقاقیات کی یقینی اور سب سے اہم کلید قرار دینے لگا - ماہرین لسانیات کے نزدیک صحیح اشتقاقی مطالعہ کا مطلب یہ ہو گیا کہ صوتی تشابہ کے مخصوص فارمولوں پر کار بند ہوا جائے۔ ''مادہ'' کے نظرئیے کی وجہ سے یہ خیال بھی عام ہو گیا تھا کہ زبان کی قدیم ترین صورت، یک جزی تھی-اس خیال کے ماتحت تقابلی اشتقاقیات کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ دی گئی اور ہند یوروپی ام‌الاسنہ کی تشکیل جدید بھی کی گئی - یہ توجیہات منظر عام پر آنے لگیں کہ ام‌الاسنہ کے یک جزے الفاظ کی تالیف سے سابقے اور لاحقے وجود میں آئے، اعرابی لاحقوں سے الفاظ کے باہمی رشتے متعین ہوئے اور آہستہ آہستہ زبان کا ہئیتی سرمایہ بڑھتا گیا-جب زبان زوال پذیر ہوئی تو سابقے اور لاحقے گھس گھسا کر اپنا وجود کھو بیٹھے یا مٹ گئے اور مرکب اور پیچیدہ منصرفات پھر یک جزے بنیادی الفاظ میں بٹ گئے اس طرح مختلف زبانوں کے الفاظ میں صوتی اختلافات پیدا ہوئے - ان کی تاریخی تحقیق ان کے متحد ماخذ تک پہنچا سکتی ہے - لیکن تشکیل جدید نے جن الفاظ کو پیش کیا ہے، ان کی صوتی و معنوی حیثیت سے سو فی صدی اتفاق ممکن نہیں - اس لئے ''نظریہ مادہ'' اور ہند یوروپی ام‌الاسنہ کی تشکیل جدید کی بدولت ''اشتقاقیات'' میں جو اکتسابات منظر عام پر آئے ہیں، ان پر زیادہ فخر نہیں کیا جا سکتا - میکس ملر کے زیر اثر یہ خیال بھی عام ہو گیا تھا کہ زبان اپنی ابتدائی منزلوں میں منظم اور با ترتیب رہی ہے، اس میں انحطاط ہوا تو ابتری اور بد نظمی پیدا ہو گئی - آج کی زبانوں میں جو کچھ معقولیت اور نظم و ترتیب ہے، وہ ابتدائی حالتوں کی معقولیت اور نظم و ترتیب کی یادگار ہے - چوں کہ زبان کا اولین مقصد ابلاغ رہا ہے، اس لئے شروع ہی سے اس کا ہر جزو با معنی اور معقول تھا ـ اس لئے ہر لفظ کا ماخذ اصل زبان کے اعتبار سے با معنی ہی ہونا چاہئیے''- اس خوش فہمی کا نتیجہ یہ ہوا کہ الفاظ کی

ظاہری مماثلت کو دیکھ کر ان کا ناطہ جوڑنے کے لئے دور کی کوڑی لائی جانے لگی - اگر ہم غور کریں تو محسوس ہوگا کہ زبان کے ابتدائی ادوار کے ہر جزو کو معقول اور با معنی سمجھنے کا کوئی قرینہ نہیں - زبان انسانی کاوشوں کا نتیجہ ہے، اس لئے اس کے مدلل اور مثالی ہونے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا - یہ بھی ممکن ہے کہ زبان کے بہت سے اجزاء ابلاغ کا کامیاب ذریعہ ثابت نہ ہوئے ہوں - یہ بھی بعید از قیاس نہیں کہ اس کے بعض اجزاء ابلاغی ضرورت سے فاضل بھی ثابت ہوئے ہوں گے اور ان کی حیثیت حشو و زائد کی سی ہوگی - آج بھی ہماری بات چیت کے بہت سے حصے بلا ضرورت یا عادةً وجود میں آتے رہتے ہیں- بول چال کے تجزئیے سے ثابت کیا جا سکتا ہے کہ بہت سے الفاظ اعلیٰ موقعوں کے اعتبار سے حشو و زائد کی حیثیت بھی رکھتے ہیں - یہ بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کہ زبانوں کی قدیم ترین صورتوں میں پیچیدگی، نا ہمواری، ابتری اور بد نظمی زیادہ ہوگی، اس لئے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ الفاظ کے قدیم ترین مآخذ صوری و معنوی اعتبار سے منظم حیثیت رکھتے تھے اور امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ انحطاط پذیر ہو کر مختلف زبانوں میں الگ الگ روپ میں ابھرے، سو فی صدی درست نہیں ہو سکتا -

جسپرسن نے اشتقاقیات کی غرض و غایت سے بحث کرتے ہوئے ایک ماہر اشتقاقیات والڈے کا حوالہ دیا ہے، جس کے نزدیک اشتقاقیات کا مقصد کسی لفظ کے صحیح معنی کا تعین ہے - جسپرسن اس خیال پر تنقید کرتے ہوئے رقمطراز ہے کہ ''اکثر الفاظ کے صحیح معنوں کا تعین، اشتقاقیات کی مدد کے بغیر بھی ممکن ہے - ہم سینکڑوں ایسے الفاظ کے صحیح معنی جانتے ہیں، جن کی اشتقاقی کیفیتوں کا ہمیں قطعاً علم نہیں - بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی نام کا ماخذ اس کے مسمی پر بالالتزام روشنی ڈالتا ہے - اور بعض الفاظ مثلاً ''مذہب''

یا ''تہذیب'' وغیرہ کی تعریف کرتے وقت ان ناموں کے حقیقی یا مفروضہ ماخذ کا تذکرہ تمہید کے طور پر ضرور کرتے ہیں - اس میں شک نہیں کہ اشتقاقیات کے لئے ''ایٹمولوجی'' کی اصطلاح وضع کرنے والوں کے پیش نظر یونانی لفظ etumon بمعنی ''صحیح'' رہا ہوگا - لیکن اب ''اشتقاقیات'' کا منصب الفاظ کی موجودہ دلالتوں کی توضیح و تشریح یا معنی کا تعین نہیں ہے ــ وہ ہمیں مدلول سے متعلق کچھ نہیں بتاتی - ہاں یہ ضرور ظاہر کرتی ہے کہ ایک خاص لفظ نے موجودہ روپ کس طرح پایا - وہ ہمیں یہ نہیں بتاتی کہ صحیح کیا ہے بلکہ یہ بتاتی ہے کہ صحیح کیا رہا ہے'' - 1

دو الفاظ کی اشتقاقی مماثلت ثابت کرنے کے لئے ٹکے بندھے اصولوں اور قاعدوں کا تعین دشوار ہے - یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ ان کے صوتی پہلو پر زیادہ زور دیا جائے یا معنوی پر - تاریخی علم اصوات کے ارتقاء نے یہ رجحان پیدا کر دیا ہے کہ صوتی مماثلت کو ترجیح دی جائے اور معنوی توازن جہاں تک ممکن ہو تلاش کر لیا جائے - اسکیٹ نے اشتقاقی تقابل کے ضمن میں مندرجہ ذیل اصول پیش کئے ہیں :-

(۱) الفاظ کی ابتدائی ہئیتوں اور مستعملات کا تعین کر لینے کے بعد ان کا تاریخی جائزہ لیا جائے -

(۲) سیاسی تاریخ اور جغرافیہ پر بھی نظر رکھی جائے کیوں کہ الفاظ کے دخیل ہونے کے اسباب دو مختلف زبانیں بولنے والوں کا خلط ملط، میل جول، یا سیاسی محکومی، ثقافتی اخذ و استفادہ وغیرہ ہوتے ہیں ــ

(۳) صوتی اصولوں کو ملحوظ رکھا جائے، بالخصوص آریائی زبانوں کے ضمن میں مصمتوں کی حیثیتوں ان کی صوتی نسبتوں کا لحاظ رکھنا

۱-''زبان کی ماہئیت - ارتقاء اور آغاز'' (جسپرسن) صفحہ ۳۱۶

اور مصوتوں کا تقابل ضروری ہے ۔

(۴) اگر ایک ہی زبان کے ایسے دو لفظوں کا تقابل ہو، جن میں سے ایک کے ارکان کم ہوں تو اسے نسبتاً زیادہ قدیم سمجھا جائے ۔

(۵) اگر ایسے دونوں الفاظ کے ارکان برابر ہوں تو قدیم تر لفظ کا تعین دونوں کے محوری اور خصوصی مصوتوں کے تقابل سے ہوسکتا ہے۔ کیوں کہ تمام مصوتے بہ یک وقت وجود میں نہیں آئے ہیں ۔

(٦) لفظ کے ایک ایک حرف کی توجیہ ضروری ہے، صوری تبدیلیوں کی سراغرسی میں صوتی اصولوں کی خلاف ورزی نہیں ہونی چاہئے یعنی تبادل اصوات، ''سندھی''، ''گن'' یا تعلیل و اشباع وغیرہ کی جو صورتیں زبان میں رائج ہیں، ان کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے ۔

(۷) غیر متعلقہ زبانوں کے صوری و معنوی مماثلت رکھنے والے الفاظ درخور اعتنا نہیں ۔ ہاں اگر ان میں سے کوئی لفظ دخیل ثابت ہو تو اسی حد تک نشان دہی ہو سکتی ہے ۔

(۸) اگر دو زبانوں کے دو لفظ ہر اعتبار سے گہری مماثلت رکھتے ہیں تو ان میں سے ایک یقیناً مستعار یا دخیل ہوگا ۔ سیاست اور ثقافت کے تقابلی مطالعہ سے دخیل لفظ کا تعین ممکن ہے ۔

ان اصولوں کو جامع و مانع تو نہیں کہا جا سکتا، تاہم ان کی پیروی کر کے جو نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں وہ صحت سے زیادہ قریب ہو سکتے ہیں ۔

اگرچہ ''اشتقاقیات'' کے اخذ کردہ نتائج ہمیشہ معقول نہیں رہے ہیں تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ''اشتقاقیات'' علم ثقافت کے لئے خاصا مواد مہیا کرتی رہی ہے ۔ تقابلی اشتقاقیات، تاریخی و تقابلی گرامر اور تقابلی لسانیات کی پیش خیمہ ثابت ہوئی اور اسے ان علوم میں محوری حیثیت حاصل رہی ''لسانیات'' کے نقطہ نظر سے اس کے بیشتر اکتسابات وقیع ہیں ۔

لسانیات اور دوسرے علوم

لسانیات کے مسائل و مباحث اور طریق مطالعه سے یه نتیجه نکالا جاتا رها هے که لسانیات، سائنس هے - سائنس کے دو شاخوں میں تقسیم کیا جاتا هے، طبعی اور تاریخی - نباتیات، حیاتیات، ارضیات وغیره طبعی اور معاشیات ، بشریات ، عمرانیات وغیره تاریخی سائنس سمجھی جاتی هیں- بوپ نے سب سے پهلے سائنسی حیثیت واضع کی - اس کے بعد شلیخر نے لسانیات کو مستقل طبعی سائنس قرار دیا هے - اس کے بعد اس موقف کا سب سے بڑا نمائنده میکس ملر هے، جس نے بڑے جوش و خروش سے اس موقف کی حمایت هی نهیں بلکه تبلیغ بھی کی هے - اس نے اپنے مضامین اور لکچروں میں بار بار اس بات پر زور دیا هے که ''لسانیات، طبعی سائنس هے - اس نے یه خیال ظاهر کیا هے که جب انسانی ذهن، مظاهر کائنات کی ایک هی نوع کی کثرت میں کسی عضویاتی نظام کی وحدت دریافت کرلیتا هے تو حقائق کی تجربی واقفیت اور معلومات، ان کے سائنسی علم کا درجه حاصل کرلیتی هیں - یه دریافت باهمی تقابل اور گروه بندی کے ذریعے سے هوتی هے - اگر تقابل اور گروه بندی کا کام باقاعدگی اور احتیاط کے ساتھ سرانجام پائے تو اس سے یه نتیجه اخذ هوتا هے که کائنات کی کسی چیز کا وجود محض اتفاق نهیں هے، بلکه اس کے پس پشت قانون علل کی کارفرمائی هے - موجودات کے هر

فرد کا تعلق کسی نہ کسی ''نوع'' سے ہے اور ہر ''نوع'' کا رشتہ کسی نہ کسی ''جینس'' سے - اور یہ سب کسی نہ کسی قانون کے ماتحت ہی وجود میں آتے ہیں، ان کے نمو پانے، زوج زوج پھلنے پھولنے، نئی نسلوں کو جنم دینے، اپنی بقا کو قائم رکھنے، زوال پذیر ہونے اور فنا ہوجانے کے قوانین ہیں، جن کا اطلاق ہر فرد، ہر''نوع'' اور ہر ''جینس'' پر ہوتا ہے'' 1 طبقات الارض، نباتات اور حیوانات کے مشاہدے اور جائزے کے بعد جب تقابل اور گروہ بندی کا کام دقت نظر، باریکی مشاہدہ، غور و فکر، حزم و احتیاط سے سرانجام پایا تو آہستہ آہستہ ''ارضیات ''، ''نباتات'' اور ''حیوانات'' نے فروغ پایا - ان علوم میں مطالعہ کی نہج ایک ہی ہے - ''لسانیات'' بھی کم و بیش اسی نہج کو اختیار کیا گیا، اسی لئے لسانیات اور ان علوم میں بڑی گہری مماثلت ہے- اصوات، الفاظ، زبانیں، زبانوں کے زمرے، گروہ، ذیلی خاندان، خاندان— ان کے باہمی رشتے، توارث، اخذ و استفادہ ماحول کے اثرات، الفاظ اور زبانوں کی تخلیق و تشکیل، ان کے نمو پانے کے طریقے، ان کے انحطاط کی صورتیں ان سے ضابطوں اور قاعدوں کا استنباط- یہ اور ایسے ہی دوسرے لسانی مسائل و مباحث، کم و بیش ویسے ہی ہیں، جیسے طبعی علوم کے- اس لئے ''لسانیات فی نفسہ ایک طبعی سائنس ہے -

کوئی بھی طبعی سائنس ہو، اس کے تین مدارج ہوتے ہیں تجربی، تقسیمی اور نظری - لسانیات کے بھی یہی تین مدارج ہیں - پہلے درجے میں یہ علم بھی تجربی حیثیت رکھتا تھا اور مختلف زبانوں کے تجزیاتی مطالع تک محدود رہا اس کے بعد زبانوں کی تقسیم اور گروہ بندی کے سلسلے میں صوریاتی تجزئیے، صوریاتی گروہ بندی، ارتقائے لسان کے مدارج سے بحث ہوتی رہی، پھر عام اصول اور نظرئیے مدون کرنے کی منزل آئی-

---

۱- ''سائنس'' (میکس ملر)

اس منزل پر دوسرے طبعی علوم کی طرح لسانیات میں بھی فلسفہ کا رنگ و آہنگ پیدا ہوا 1

وھٹنے، لسانیات کو تاریخی سائنس سمجھتا ہے۔ 2 اس نے لسانیات اور طبعی علوم کے تشابہ پر سیر حاصل بحث کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ ''لسانیات'' میں طریق مطالعہ کی نوعیت تاریخی ہوتی ہے۔ طبعی علوم سے ظاہری مماثلت کے باوجود اسے طبعی سائنس نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے دلائل کو یوں سمیٹا جا سکتا ہے۔

زبان ایک مخصوص روایت کے نسلاً در نسلاً منتقل اور متغیر ہوتے رہنے کا نتیجہ ہے۔ الفاظ، تراکیب، فقرے اور ان کی ساخت — غرض تمام اجزائے ترکیبی، ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتے رہتے ہیں، ان میں تحریف و تصرف، ترمیم و تبدل کا عمل جاری و ساری رہتا ہے، جس کی وجہ سے زبان کی قلب ماہئیت بھی ہو جاتی ہے۔ زبان، وھبی نہیں بلکہ اکتسابی ہوتی ہے۔ اسکے سیکھنے' سکھلانے اور زندہ رکھنے کے مناہج کا جائزہ لے کر یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اس کا وجود معروضی ہے اور ہئیت عضویاتی و نامیاتی، جس کے اپنے اصول نمو اور منازل ارتقاء ہیں۔ اسے ایک جسد نامی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ہم زبان کی زندگی، نئی زبانوں کی تشکیل و نمو اور پرانی زبانوں کی تنسیخ و فنا کے بارے میں کچھ نہ کچھ رائے زنی کرتے ہیں۔ لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئیے کہ زبان کے ضمن میں استعمال کئے جانے والے اس قسم کے اکثر فقرے مجازی معنوں ہی میں مستعمل ہوتے ہیں۔ ہر لفظ، اسی وقت تک زندہ سمجھا جاتا ہے جب تک

۱۔ ''سائنس'' (میکس ملر)

۲۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری، میکس ملر اور وھٹنے دونوں سے اختلاف کرتے ہیں اور لسانیات کو زبان کی تنقید قرار دیتے ہیں۔

وہ زبان زد رہتا ہے - سنا جاتا یا یاد رکھا جاتا ہے ــ زبان کا وجود ذہن، نطق اور سماعت تک محدود ہے - تحریری دستاویز بھی انھی کی مرہونِ منت ہیں - یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ زبان، افکار و خیالات اور جذبات و احساسات کی علامات ناطقہ پر مشتمل ہوتی ہے اور ان علامات میں سے ہر ایک علامات ذہنی تلازمے کے ذریعہ اس خیال، فکر یا جذبے سے وابستہ ہوتی ہے، جس کی ترجمانی کے لئے اسے وضع کیا جاتا ہے - وہ بولنے والوں کی شعوری کوشش سے وجود میں آتی ہے - اس کی اہمیت اور اس کے رواج کا دارومدار بولنے اور سننے والوں کی باہمی مفاہمت ہی پر ہوتا ہے - وہ انھی کے تسلط اور اختیار میں ہوتی ہے اور اس کا تحفظ، فروغ، ترمیم و تبدل، بلکہ نسخ بھی بولنے والوں کی باہمی مفاہمت اور فیصلوں پر منحصر ہے -

چوں کہ زبان ایک عضویاتی جسم کی طرح ہم رشتہ اور باہم ممد و معاون اجزاء سے ترکیب پاتی ہے، اس لئے اس کی ہئیت کو عضویاتی و نامیاتی قرار دیا جاتا ہے - مادے کے متجانس اور ہم نوع اجزاء کے نشوو نما سے جسم ارتقاء پزیر ہوتا ہے - موجود عضویات سے ایک معین غرض کے لئے نئے اضافوں کی تشکیل ہوتی رہتی ہے، تاکہ عضویاتی ہستی کے فطری وظائف کو مدد ملتی اور اس کی زندگی پروان چڑھتی رہے - کم و بیش یہی کیفیت زبان کی ہے - اس کے پرانے اجزاء سے نئے اجزاء نمو پاتے ہیں اور ان کا ادغام و انجزاب ہوتا رہتا ہے، وہ اس طرح شیر و شکر بھی ہو جاتے ہیں کہ فرق و امتیاز مشکل ہو جاتا ہے - زبان، اپنی داخلی کیفیات اور مزاج کے ارتقاء سے اپنے سرمائے میں اضافہ کرتی ہے اور اپنے بولنے والوں کے افکار و خیالات، جذبات و احساسات کی بہتر سے بہتر مظہر بنتی ہے - اس طرح اپنے وجود کی غرض و غایت پوری کرتی ہے - اس کے آغاز، و ماخذ، ارتقا، زوال اور نسخ کے کم و بیش وہی مدارج ہوتے ہیں جو ایک جسد نامی سے مختص ہیں -

بقائے لسان اور حیات حیوانی میں بڑی مشابہت ہے - ایک مخصوص نوع کے فرد میں وراثتاً ملنے والی نوعی خصوصیات کے ساتھ ساتھ، انوکھی انفرادیت بھی ہوتی ہے، جو اسے دوسرے افراد سے متمائز کرتی ہے۔ اس میں متغیر ہوتے رہنے اور نئی نوع کی تشکیل کا رجحان بھی ہوتا ہے۔ کم و بیش یہی حال ہر شخص کی بات چیت کا ہے - بولیوں، زبانوں، ان کے گروہوں، خاندانوں، لسانی سرمائے، ہئیت، ساخت وغیرہ کی تقسیم ایک ماہر حیاتیات کی درجہ بندی سے ملتی جلتی ہوتی ہے - حیاتیات کے عام مباحث - مخصوص و ممیز ماہئیت، انفرادی تغیرات، بقائے اصلح اور فطری انتخابیت سے انواع کا استنباط، حیات حیوانی کے منبع و ماخذ کی اکائی، وغیرہ ہی ہوتے ہیں - ان کے متوازی مباحث ماہر لسانیات کی توجہ کا مرکز بنتے ہیں -

علم ارضیات کے حقائق و مناہج اور مطالعہء لسان میں بھی نمایاں مماثلت نظر آتی ہے، بعض ماہرین تو لسانیات کو جدید ترین عہد یعنی عہد انسانی کی ارضیات کے نام سے موسوم کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے، اس لئے کہ اس علم میں اس عہد عتیق کے کرہ ارض اور اس پر بسنے والوں کے ارتقا کی تاریخ مدون کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، جس سے متعلق ارضیات کی دستاویز مہر بلب ہیں، جبکہ انسان شعور کی منزلیں طے کرنا شروع کر چکا تھا اور اس کی زبان اس کے اور اس کے اردگرد کی دنیا کے ارتقا کے شواہد پیش کرنے لگی تھی - قدیم ترین بولیوں کے باقیات ایسے ہی ہیں جیسے عہدگزشتہ کے جمع شدہ طبقات ارض، جن سے دور به دور زندگی کے مظاہر کا ثبوت ملتا ہے اور ان عوامل کا اندازہ ہوتا ہے، جن سے ان پر نت نئے اثرات مترتب ہوتے رہے ہیں - الفاظ کی حیثیت ان سنگریزوں کی سی ہے جو یادگار عتیق ہوں اور گھس گھسا کر سڈول ہوگئے ہوں - یا پھر انہیں طبقہء زمین سے نکلے ہوئے ایسے آثار کے مماثل سمجھ لیجئے جو قلب ماہئیت سے پتھر بن گئے ہوں،

اور جن کے مدارج، عضویاتی زندگی کے ارتقا کے مظاہر ہیں اور جن کی مشابہت اور باہمی رشتے سے طبقات ارض کی مطابقت اور تسلسل زمانی کی غمازی ہوتی ہے [1]

لیکن اس قسم کی مشابہت اور مماثلت لسانیات کی توضیح و تشریح کی حد تک ہی درست سمجھی جا سکتی ہے، اس سے کسی قسم کا منطقی نتیجہ یا مدلول اخذ کرنا صحیح نہیں - مطالعۂ لسان کے ضمن میں بولنے والوں کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔ ان کی افتاد طبع مزاج، رجحانات و میلانات، عقائد و توہمات، ذہنی سطح، ماحول وغیرہ سے بے نیازی نہیں برتی جا سکتی - جب تک زبان کی تشکیل و تخلیق کرنے والے عوامل اور ان کی ماہئیت کا جائزہ صحت کے ساتھ نہ لیا جائے، اس وقت تک تاریخ لسانیات کی صحیح تفہیم ممکن ہی نہیں - زبان کی حیثیت ایک ادارے کی سی ہے - وہ ایک سماجی عمل ہے، ان افراد کا، جن کی ضرورتیں اس سے پوری ہوتی ہیں - وہ کلیتہً ان کے عطیہ، اختیار میں ہوتی ہے - اس کا ہر جزو نتیجہ ہے' ان طویل اور مسلسل تغیرات کا جو بولنے والوں کی قوت ارادی، باہمی رضا و مفاہمت کی بدولت وجود میں آتے رہتے ہیں اور زبان کے بولنے والوں کی قوت ارادی اور باہمی مفاہمت کے پس پشت -، تاریخی جبریت، محرکات غرض و غایت، طبائع انسانی وغیرہ کار فرما رہے ہیں - یہ سب باتیں علمی تحقیقات کے لئے عمدہ موضوعات فراہم کردیتی ہیں -

''اس بحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ لسانیات اساساً تاریخی حیثیت رکھتی ہے [2] اور انسانی نسل اور اداروں کی تاریخ کی ایک ضمنی شاخ ہے - اسے مختلف علوم سے بھی مدد لینی پڑتی ہے ــ

۱-''لسان مطالعہ، لسان'' (وھٹنے)

۲-''لسان مطالعہ، لسان'' (وھٹنے)

معانی و مفاہیم کے ارتقاء کی تہ میں کار فرما تلازمات، فکر کے ضوابط، علائق اور باہمی رشتوں کے وہ عمومی اصول جن سے گرامر کا خاکہ متعین ہوتا ہے - ان سب کی توجیہ کے لئے لسانیات فلسفے کا سہارا ڈھونڈتی ہے - اعضائے گفتگو کی ساخت کی تشریح اور آواز کے ان طبیعاتی رشتوں کی، جن سے تغیرات اصوات عمل میں آتے ہیں، توضیح کے لئے علم عضویات سے رجوع کرنا پڑتا ہے - یہی نہیں زبان کے ارتقا پر اثر انداز ہونے والے حالات اور موسمی پہلوؤں کا جائزہ لینے کے لئے طبیعی جغرافیہ اور موسمیات کے سہارے کی بھی ضرورت پیش آتی ہے - 1

طبیعاتی علوم کے مطالعے کا تعلق مادے سے ہے، جس پر مادی قوتوں کا عمل، رد عمل نفوذ و اثر ہوتا رہتا ہے- طبقات ارض کی تشکیل میں مادے کے اصول و ضوابط ہی قطعی اور قابل ادراک ذریعہ، علت یا فعالیت ہوتے ہیں اور معلول و نتیجہ غیر ذی حس مادہ ہی ہوتا ہے - حیاتیات، علم تشریح اور عضویات میں سائنس داں کے پیش نظر مادی ڈھانچے ہوتے ہیں، جن کی تشکیل کا دارو مدار ان قوانین و ضوابط پر ہوتا ہے، جو مادے میں خلقی ہوتے ہیں اور اختیاری عمل سے ماورا وہ اس کے برعکس لسانیات میں ذریعہ یا فعالیت اندھی قوتیں یا قوانین نہیں، ذی عقل ہستیاں ہوتی ہیں - موضوع بحث وہ آواز ہی نہیں جو طبیعاتی نتیجہ ہے بلکہ مقدم طور پر وہ آواز ہے جو افکار و خیالات، جذبات و احساسات یا مافی الضمیر کی مظہر ہو، جس کا تسلسل معنی خیز اور نسل انسانی کے شعور، تجربے اور ادراک کا ترجمان ہو -

اس میں کوئی شک نہیں کہ زبان، انسان کی شعوری کوشش کا نتیجہ ہے - لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئیے کہ لسانیاتی تحقیق کا

۱- ''لسان مطالعہ لسان'' (وھٹنے)

موضوع زبان ہے اور صرف زبان، وہ مواد نہیں جسے شعوری طور پر زبان کے ذریعے پیش کیا جاتا ہے - زبان کی تخلیق، حک و اصلاح اور تراش خراش کے سلسلے کا ہر جزو ہنگامی ضرورت پوری کرتا ہے - وقت کی مخصوص ضرورت اس کی متقاضی اور اس کی تخلیق آسان ابلاغ کے عملی مقصد کے ماتحت ہوئی تھی - اس سے سماجی تقاضے پورے ہوتے رہے اس لئے اسے قبول عام حاصل ہو گیا - الفاظ گھڑنے والے اس امر سے بے نیاز رہتے ہیں کہ نظام لسان کے اجزا کی حیثیت سے ان کلمات کی قدر و قیمت اور تاریخی اہمیت کیا ہے ، - وہ ایک خاص مقصد کے لئے، فوری ضرورت پوری کرنے کی غرض سے، ابلاغ کی نیت سے، روایت کا سہارا لیکر لفظ گھڑتے اور استعمال کرتے رہے ہیں - زبان ایک باعظمت نظام کی حیثیت رکھتی ہے، جس کی ساخت پیچیدہ بھی ہے اور متناسب بھی - اس کا ہر جزو شعور و ارادہ کا مرہون منت ہے لیکن وہ بہ حیثیت مجموعی وجدانی بے ساختگی کی پیداوار ہے - نظام لسان کی وحدت اور اس کا تناسب اس انسانی ذہن کی کوشش کا غیر شعوری نتیجہ ہے جو انفس و آفاق کے حقائق سے دو چار ہوتا رہتا ہے اور یہ نتیجے کو گرفت میں لاکر ''نطق'' میں محفوظ کر لیتا ہے - انہی محفوظات سے وجود میں آنے والا نظام نطق ہی اصل زبان ہے - اسی کو زندہ اور فطری زبان قرار دیا جاتا ہے - یہ زبان فلسفیانہ موشگافیوں، تکلف و تصنع کے لوث سے پاک ہوتی ہے - پر تکلف اور مصنوعی زبان ہر چند علم و ادب کے دربار میں رسائی حاصل کرلے، غذائے متعاد کی محتاج ہی رہتی ہے، جو میسر نہ آئے تو پھلنا پھولنا اور پھننا نا ممکن ہو جائے اور زبان کتابوں میں نظر بند ہوکر غرابت کا شکار ہوجائے - یہ غذائے متعاد مروجہ اور بول چال کی زبان ہی ہے - جو متغیر ہوتے رہنے کے با وجود اپنی اساسی خصوصیت کبھی نہیں کھوتی - زبان کا یہ تغیر معنوی بھی ہوتا ہے اور صوتی بھی - عموماً معنوی تغیرات بہت ہی

خفیف ہوتے ہیں اور کافی مدت میں کبھی کبھار عمل میں آتے ہیں - صوتی تغیرات زیادہ دور رس ہوتے ہیں - ان کی بدولت کلمات کی قلب ماہیت بھی ہو جاتی ہے - لیکن یہ تغیرات بھی ان رجحانات کے اضطراری عمل کا نتیجہ ہوتے ہیں جنہیں افراد محسوس بھی نہیں کر پاتے- صوتی تغیرات عام طور پر انسانی طبائع، تسہیلی رجحان اور بعض خارجی عوامل کے اثرات کا نتیجہ ہوتے ہیں - ان میں بولنے والوں کے ارادے اور شعور کو دخل نہیں ہوتا - زبان میں تاریخی حالات، انسانی معلومات، تجربات، معاشری مدو جزر اور ثقافت کا انعکاس بھی انسان کی شعوری کوششوں کا کارنامہ نہیں ہے بلکہ ہنگامی تقاضوں اور ضرورتوں کا نتیجہ ہے - اسی لئے لسانی حقائق میں اختیاری اور ارادی عمل کے نتیجے کے طور پر جن موضوعی خصوصیات کا امکان ہو سکتا تھا، ان کا شائبہ بھی نہیں ہوتا - ایک ماہر لسانیات یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے موضوعات بحث انسانی مصنوعات نہیں ہیں - جہاں تک ان سے مستنبط نتائج اور ان مقاصد کا تعلق ہے جن کے لئے ان حقائق کی جانچ پڑتال کی جاتی ہے، یہ کہنا کافی ہے کہ یہ بھی انسان کے کارنامے نہیں قرار پا سکتے - انہیں تو محض انسانی مزاج اورتاریخ کا دھندلا سا لیکن صحیح اور مستند آئینہ سمجھئے، جس کا انعکاس انسانی صناعی کا کرشمہ نہیں ہے - 1

لسانیات کی بنیاد وسیع مشاہدے اور مخصوص لسانی حقائق کی جانچ پڑتال پر استوار ہوتی ہے - وہ استقراء، مقابلہ و موازنہ، ترتیب و تبویب، درجہ بندی و تقسیم اور باہمی رشتوں کی سراغرسی سے ایک مخصوص و مکمل نظام کی نشاندہی، عمومی و آفاقی اصول وقواعد کا استخراج کرتی ہے اور مخصوص حقائق کی بوقلمونی و تنوع اور باہمی تضاد کے پس پردہ، نیز زبانوں کے آغاز، ماخذ، ارتقا،

۱-"لسان مطالعۂ لسان" (وھٹنے)

غرض و غایت، طریق کار و مناهج میں ایک همه وقت موجود رهنے والی وحدت ڈھونڈ نکالتی ھے - اس کی جولان گاہ بے شمار زبانوں اور ان گنت بولیوں پر مشتمل ھے، خواہ ان زبانوں اور بولیوں کا تعلق متمدن اقوام سے ھو یا وحشیوں سے - ان زبانوں کی مہیا کردہ تفاصیل، جن میں سے ھر ایک تاریخ انسانی کا آئینہ ھے، اس کے دائرہ بحث میں آجاتی ھیں - سرمایہ السنہ بعینہ ایسا ھی ھے جیسے مملکت حیوانی کا سرمایۂ انواع - ان کے رشتے اور علائق، اس انسانی مزاج کی وحدت میں مضمر ھیں، جو ضرورت اور طلب کے مواقع پر صلاحیت، اهلیت، جذباتی رد عمل، فطانت وغیرہ کی قوس قزح کے ذریعہ رونما ھوتا ھے - یہ علائق و پیوند موجودات عالم اور ان کے رشتوں سے متعلق علم انسانی کی وحدت میں پوشیدہ ھیں، جن کا تعقل ذھن سے ھوتا ھے اور اظہار نطق سے - مطالعہ کی اتنی وسیع جولان گاہ میں آجانے والے رنگا رنگ، متنوع اور بوقلموں حقائق، ان کی تہ میں ایک مخصوص وحدت کی کار فرمائی باھمی رشتوں کی بنیاد پر درجہ بندی، گروھوں اور خاندانوں میں تقسیم، اخذ کردہ نتائج کی قدر و قیمت، مستخرج صداقت — یہ سب لسانیات کو علم کی سطح پر لے آتی ھیں —

”لسانیات کے اخذ کردہ نتائج، تاریخ انسانی نیز انسانی ذھن، ثقافت اور نسلی رشتوں کی تاریخ اور خود حضرت انسان کو سمجھنے کے لئے بڑے کار آمد اور دل چسپ ثابت ھوتے ھیں - دوسرے علوم کے مستنبط نتائج سے ان کا تقابل بے سود ھے - صرف اتنا کہہ دینا کافی ھے کہ تمام علوم کی غرض و غایت حق و صداقت کی دریافت اور نشاندھی ھے اور صداقت جہاں بھی ھو قدر و قیمت رکھتی ھے - وہ صداقت جو انسانی مزاج اور تاریخ انسانی سے گہرا تعلق رکھتی ھو، کسی طرح بھی ماحول سے متعلقہ صداقت سے کم قابل قدر نہیں - طبیعاتی علوم، ماحول سے متعلقہ صداقت کی دریافت، ترجمانی اور تفسیر پر توجہ مرکوز کرتے ھیں

اور لسانیات، انسانی مزاج اور تاریخ انسانی سے متعلق صداقت پر- اس لئے اسے طبیعاتی علوم سے کم تر نہیں سمجھا جا سکتا'' - 1

لسانیات اور عمرانی علوم

مطالعہ لسان، عام علم بشریات کا ایک حصہ ھی ہے اور مقصد اور طریق بحث کے لحاظ سے اس علم کے دوسرے شعبوں کے مشابہ بھی - انسان کی ھستی کے دو رخ ھیں، فطری اور اکتسابی یا تربیت یافتہ - استعداد، خواھشات، جسم اور ذھن کی نعمتوں کے اعتبار سے وہ فطرت کی تخلیق ہے اور اکتسابات کے لحاظ سے وہ ان معاشری عادات، معلومات اور فنون وغیرہ کا نتیجہ ہے، جنہیں اس کے اسلاف سالہا سال کے تجربوں کے بعد وجود میں لا چکے تھے - بشریات کے موضوعات، نسلی و ثقافتی تقسیم کے علاوہ یہ ھیں کہ فطری انسان مہذب کس طرح بنا ؟ جن اکتسابات کی بدولت انسان، موجودہ تہذیبی سطح پر پہنچا ہے، ان کے اعمال و کیفیات کا آغاز کیسے ھوا ھوگا ؟ ان اعمال و کیفیات کو کیوں کر جاری رکھا گیا ھوگا ؟ — انسان کے تجربوں اور اس کی کاوشوں کے نتائج، خواہ وہ زبان ھی سے متعلق کیوں نہ ھوں، جبلت کی حیثیت سے وراثتاً منتقل نہیں ھوئے ھیں - مہذب ترین سوسائٹی کے نو مولود بچے کو انسانوں سے الگ تھلگ، تن تنہا رکھے، اس طرح کہ نہ کوئی تربیت دینے والا ھو اور نہ کوئی جیتی جاگتی مثال جس کی وہ نقل اتار سکے یا تقلید کر سکے، بس قوت لایموت کا معقول انتظام ھی ھو، پھر دیکھئے کہ اباو اجداد کی زبان بولنا درکنار، وہ گویائی سے یکسر محروم ھوگا - نہ اس کی کوئی زبان ھوگی نہ معلومات - اسے اکتسابات کے لئے کم و بیش وھی اعمال و طریق اختیار کرنے پڑیں گے، جو قدیم ترین انسانوں نے اختیار کئے ھونگے - انسان کی معلومات، اس کے

۱- ''لسان مطالعہ لسان'' (وھٹنے)

عقائد، علم و فنون، یہ سب اور اسی قسم کے دوسرے اکتسابات، مسلسل تجربوں کا نتیجہ ھیں اور بتدریج ارتقا پاتے رہے ھیں - خواھشات کی تحریک یا خارجی محرکات کی وجہ سے تجربوں کی سمتیں بدلتی رھی ھیں اور ماحول کے زیر اثر اور حسب اقتضا ان اکتسابات میں تغیرات بھی ھوتے رہے ھیں، ایجابی بھی اور سلبی بھی - چناں چہ زبان کا ارتقا بھی عبارت ہے تغیر وتبدل اور ترمیم و تصرف سے - زبان، قدیم ھو یا جدید، اپنے بولنے والوں ھی کے ذریعہ سے بدلتی رھی ہے - مختلف زبانوں کی بقا اور ان کے ارتقا کی تاریخ سے یہ استنباط کیا جا سکتا ہے کہ زبان کے بار آور درخت کی پیک کیوں کر پھوٹی ھوگی - اس اجمالی بحث سے یہ منتج ھوتا ہے کہ مطالعۂ لسان مطالعۂ بشریات کے سلسلے کی ایک کڑی ہے -

ماھرین بشریات، بنی نوع انسان کا مطالعہ، تین عنوانوں، نسل، زبان اور ثقافت، کے ماتحت کرتے ھیں - وہ ان نقطہ ھائے نظر سے کرۂ ارض کے نقشے مرتب کرتے ھیں - ان نقشوں سے یہ معلوم ھوتا ہے کہ حیاتیاتی لحاظ سے نوع انسانی کو کیوں کر تقسیم کیا جا سکتا ہے؟ (مثلاً جنوبی افریقہ کی سیاہ فام، یورپ کی سفید، مشرق بعید کی ذرد نسلوں کی تقسیم)- لسانی تقسیم اور ان کی مزیدگروہ بندی کیسے ھو سکتی ہے؟ (مثلاً شمالی افریقہ کی ھامی، جنوبی افریقہ کی بانتو، مشرق وسطیٰ کی سامی اور یوریشیا کی آریائی، مشرق بعید کی ھند چینی زبانیں) - انسانوں کو ثقافتی اکائیوں میں کس طرح منقسم کیا جا سکتا ہے (مثلاً شمالی افریقہ اور مشرق وسطیٰ کی اسلامی تہذیب، جنوبی افریقہ کی غیر زرعی تہذیب، یورپ کی مسیحی تہذیب وغیرہ) - عام آدمی بھی اپنا رشتہ ناطہ کسی نہ کسی قومیت، ثقافت یا نسل سے ضرور جوڑتا ہے - بقول ایڈورڈ ساپر ھر زبان کا ایک خاص ماحول اور چند مخصوص لوازم ھوتے ھیں - اس کے بولنے والے کسی مخصوص

خدو خال اور خصوصی جسمانی ساخت والے انسانی گروہ یا نسل سے تعلق رکھتے ہیں - وہ کسی ثقافت یا ان متوارث روایات اور عقائد سے، جن سے زندگی کے تار و پود عبارت ہیں، بالکل الگ تھلگ اپنا وجود نہیں رکھتی - لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا بنی نوع انسان کی نسلی، لسانی اور ثقافتی تقسیم ایک دوسرے سے ہم آہنگ بھی ہوتی ہیں؟ مورخین اور ماہرین بشریات اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ نسلوں، زبانوں اور ثقافتوں کی تقسیم میں ہم آہنگی نہیں ہوتی بلکہ ان میں خلط ملط ہوتا رہتا ہے - ان میں سے ہر ایک کی تاریخ خصوصی نہج رکھتی ہے - نسلوں کا اختلاط، زبانوں کے میل جول سے بہت مختلف ہوتا ہے - زبان اپنے اصلی بولنے والوں تک محدود نہیں رہتی بلکہ دوسری نسلوں اور ثقافتوں پر بھی تسلط پا سکتی ہے - ایک زبان اپنے مرزبوم میں مٹ سکتی ہے اور ان اقوام میں بھی پنپ سکتی ہے، جو اس کے اصل بولنے والوں کے خون کی پیاسی رہ چکی ہوں - تاریخی جبریت اور سیاسی انقلابات، ثقافت کے نسلی اور جغرافیائی حدود میں ردو بدل کر سکتے ہیں، - اس قسم کے ردوبدل سے لسانی حد بندیاں بدل بھی سکتی ہیں اور جوں کی توں برقرار بھی رہ سکتی ہیں - ساپر کے نزدیک زبان اور فعل میں کوئی لازمی تعلق نہیں - انگریزی بولنے والوں کا تعلق کسی مخصوص نسل سے نہیں ہے - امریکہ کے لاکھوں حبشی اور ریڈانڈین انگریزی کے سوا کوئی اور زبان نہیں بول سکتے - انگریزی ہی ان کی مادری زبان ہے - امریکہ کے سفید فام باشندے بھی کسی ایک نسل کی اولاد نہیں-خود انگلستان میں انگریزی بولنے والوں کی رگوں میں بھانت بھانت کی ذیلی نسلوں مثلاً اینگلو سیکسن یا شمالی جرمانی، نارمن، فرانسیسی، اسکینڈی نیوی، کیلٹک، ما قبل کیلٹک، کے خون کی آمیزش ہے - جن قوموں کی مادری زبان انگریزی ہے، ان کا تعلق، مختلف نسلوں سے ہے - یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ انگریزی زبان

اپنے بولنے والوں کی نسل کی مظہو نہیں ہے - ساپر کے برعکس اس کا ہم عصر بلوم فیلڈ یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ زبان میں قواعدی تقسیم، آوازوں کی ترکیبوں کے مناہج، انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی، قومی اور نسلی خصائص کا کرشمہ ہیں - انہی کے ماتحت آوازوں کے مخارج متعین ہوتے ہیں، اسی لئے ایک قوم کے مخارج دوسری قوم سے خاصے مختلف ملتے ہیں - بلوم فیلڈ کے نزدیک لسانیات، نسلیات کے مواد کو بھی کام میں لا سکتی ہے اور اس کی مدد سے کسی زبان کی قواعدی تقسیم اور آوازوں کے مخارج کا تجزیہ کر سکتی ہے - وھٹنے ان دونوں (ساپر اور بلوم فیلڈ) سے پہلے یہ رائے ظاہر کرچکا تھا کہ زبان میں نسلی شواهد موجود رہتے ہیں اور زبانوں سے مختلف نسلوں کے ارتباط، باھمی تعلقات وغیرہ پر روشنی پڑتی ہے - لسانی رشتے، خونی رشتوں سے بے تعلق نہیں ہوتے - داریوس کے کتبوں سے قدیم ایرانیوں کی نسلی حیثیت متعین کرنے میں مدد ملتی ہے کیوں کہ ان کی زبان سے یہ معلوم ہوتا ہے وہ سنسکرت سے برائے نام مختلف ہے - عراق کے قدیم آثار میں جو تحویریں ملی ہیں، وہ تین مختلف نوعیتوں کی ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ دجلہ و فرات کی وادی تین مختلف نسلوں اور ثقافتوں کی آماج گاہ تھی - زبانیں، نسلوں سے متعلق وہ کچھ بتا دیتی ہیں، جو کسی اور ذریعہ سے معلوم نہیں ہو سکتا - [1] وھٹنے نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ زبان کی مدد سے ہم بنی نوع انسان کے مختلف گروھوں اور قبیلوں کے باھمی رشتوں، ان کی نوعت اور حقیقت کا اندازہ لگا سکتے ہیں اور دور تاریخ کے آغاز ھی سے نسل انسانی کے مختلف افراد میں ثقافتی بعد، مغائرت پانے کے با وجود، ان کی عایلاتی تقسیم کر سکتے ہیں، بعض حالات میں اس طرح کہ ان میں سے اکثر

۱- ''لسان مطالعہ لسان'' (وھٹنے)

ایک مشترکہ اصل، مشترکہ خصائص اور مشترکہ ثقافت کے بکھرے ہوئے دانے محسوس ہو سکیں۔ وھٹنی نے ہندیوروپی زبانیں بولنے والی قوموں میں نسلی مشارکت کی نشاندھی بھی کی ہے اور یہ کہا ہے کہ قدیم ترین ہند یوروپی نسل، ھجرت کر کے پھیلتی اور دوسری نسلوں کو اپنے آپ میں مد غم کرتی گئی، اس کی زبان میں بھی دوسری زبانوں کی پرچھائیاں پڑتی گئیں - اشتقاقیاتی مطالعہ سے یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ ان زبانوں کے بولنے والوں کی نسلی اور لسانی اصل، شاخ در شاخ تقسیم ہوتی رھی ہے - زبان اور نسل یا لسانیات اور نسلیات سے متعلق وھٹنی ساپر اور بلوم فیلڈ کی رائیں حرف آخر کی حیثیت تو نہیں رکھتیں لیکن ان سے ان موضوعات کے باھمی تعلق پر خاصی روشنی پڑتی ہے اور وہ فکر انگیز ثابت ہوتی ھیں -

ساپر کے نزدیک زبان اور ثقافت میں بھی کوئی باطنی ربط، التزامی تعلق اور منطقی رشتہ نہیں ہوتا - بالکل غیر متعلقہ زبانیں بھی ایک ھی ثقافت میں دخیل ہو سکتی ھیں اور متعلقہ زبانیں یا ایک ھی زبان مختلف ثقافتوں کی آئینہ دار ہو سکتی ہے۔ قدیم امریکی اتھا باسکن زبانیں بولنے والے چار متمائز ثقافتوں سے تعلق رکھتے ھیں، ۔ امریکی اور برطانوی اپنی زبان (انگریزی) کی وحدت کے باوجود ثقافتی طور پر ایک دوسرے سے ممتاز کئے جا سکتے ھیں۔ اس میں شک نہیں کہ بعض زبانیں اس لحاظ سے نمایاں نظر آتی ھیں کہ انہیں بولنے والی قومیں ثقافتی اور نسلی لحاظ سے بھی شناخت کی جاتی ھیں گویا ان کی زبان، ثقافت اور نسل کی تقسیموں میں ہم آھنگی ملتی ہے، مثلاً پولی نیشی ان زبانیں اور اسکیمو زبانیں بولنے والے ثقافت اور نسل کے اعتبار سے بھی مخصوص کئے جا سکتے ھیں - لیکن اس طرح کی مثالوں سے یہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ زبان، ثقافت اور نسل میں کوئی منطقی رشتہ ہوتا ہے۔ ساپر کی رائے میں لغات یا الفاظ ثقافت کے کچھ نہ کچھ آئینہ دار ضرور ہوتے ھیں

لیکن محض لغات کو زبان نہیں کہتے - ان دونوں میں فرق کرناچاھئیے- بلوم فیلڈ کا یہ خیال ھے کہ زبان، بالکل ابتدائی ثقافتی عمل ھے اور اپنی تالیفی و ترکیبی ھئیتوں، نیز لغات کے ذریعہ سے ثقافتی اکتسابات کی مظہر ھوتی ھے - اشتقاقیات، جب معنوی تغیرات اور دخیل الفاظ کا جائزہ پیش کرتی ھے تو زبان کے ثقافتی اجزا منظر عام پر آتے ھیں - غرض یہ رائے کہ زبان، ثقافت کا جزو ترکیبی ھے، متنازعہ فیہ ھے - اس بحث میں الجھے بغیر یہ ضرور کہا جا سکتا ھے کہ زبان، اپنی ماھئیت اور مباحث کے لحاظ سے ثقافتی حیثیت رکھتی ھے - عموماً ثقافت کے فروغ کا دارومدار قومی ھجرت یا دوسری ثقافتوں سے استفادہ پر ھوتا ھے - اس فروغ کی تفصیل اور ارتقائی منزلیں معلوم کرنے کے بہت سے ذرائع ھوتے ھیں - ان ذرائع میں لسانی حقائق کو سب سے زیادہ اھمیت حاصل ھے، کیوں کہ وہ زیادہ قابل اعتماد ھوتے ھیں - اس میں کوئی شک نہیں کہ زبان کے بعض اجزاء دوسری زبانوں سے ماخوذ ومستعار ھوتے ھیں اور اس میں دخیل الفاظ کی کثرت ھو سکتی ھے، لیکن یہ بھی حقیقت ھے کہ ثقافت کے دوسرے پہلوؤں کے تقلیدی ھونے کا زیادہ امکان ھوتا ھے - اسی لئے ان پر ثقافتی تجزئیے اور تحقیق کے سلسلے میں زیادہ بھروسہ نہیں کیا جا سکتا - کسی ثقافت سے تعلق رکھنے والے افراد، شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ محسوس کرتے ھیں کہ ان کی زبان، ان کی ثقافت کی نشان دھی کرتی ھے - یہی نہیں بلکہ بول چال، لب و لہجہ کا فرق و امتیاز کا احساس دوسروں کو غیرشعوری طور پر ثقافتی لحاظ سے حقیر سمجھنا سکھا دیتا ھے - لسانی عصبیت عمرانی تعلقات میں رخنہ انداز بھی ھوتی ھے -

عمرانی مسائل حل کرنے اور معاملات پر قابو پانے کے لئے معاشرہ زبان ھی کو کام میں لاتا ھے - روز مرہ کی بول چال، بحث و تمحیص، خطبات، تقاریر اور عمومی ابلاغ کے دوسرے گونا گوں طریقے، سب

ایک معیاری زبان پر ھی منحصر ہوتے ھیں اور یہ معیاری زبان، وقت کے تقاضوں اور عمرانی مفاھمت کی تراش خراش اور ترمیم و تنسیخ کا نتیجہ ھی ہوتی ھے - گویا زبان کی حیثیت عمرانی ھے - اس لحاظ سے مطالعۂ السنہ عمرانی علوم سے بے تعلق نہیں -

لسانیات کے تاریخی جائزے میں یہ بیان کیا جا چکا ھے کہ لسانیات کا آغاز ان تحریروں اور دستاویزوں کے مطالعہ سے ہوا، جو اپنی مذہبی یا جمالیاتی اقدار کی وجہ سے محفوظ رہ گئی تھیں - لسانی قدامت کی وجہ سے ان کے متن کی تفہیم دشوار تھی، اس لئے ان کی تفسیر و توضیح ضروری سمجھی گئی اور اس ضمن میں زبانوں کی ساخت پر بھی تھوڑی بہت توجہ دی گئی - بتدریج اجزائے زبان کی حیثیتیں متعین ہوئیں، ان کے رشتوں کو سمجھا گیا، قواعدی تقسیم کا آغاز ہوا - ان دستاویزوں کے مطالعہ سے قومی ثقافتوں کے مطالعہ کا رواج ہوا اور ضمنی طور پر گرامر کا مطالعہ بھی ہونے لگا - ثقافتی روایات کے مطالعہ کو ''فیلولوجی'' کہا جانے لگا - ''جرمن فیلولوجی''، ''فرنچ فیلولوجی'' جیسی ترکیبیں عام ہوگئیں - بنیادی طور پر فیلولوجی (علم ثقافت) کسی قوم کی ثقافتی روایات کے مطالعہ کا نام تھا لیکن آھستہ آھستہ اس میں ادب اور زبان کا ضمنی مطالعہ بھی شامل ہوتا گیا - یہی اصطلاح زبانوں کے تقابلی مطالعہ کے لئے بھی استعمال کی جانے لگی - اس طرح لسانیات کا آغاز ''علم ثقافت'' سے ہوا - اب بھی انگلستان کے بعض عالم لسانیات کو، فیلولوجی ھی کہتے ھیں - انیسویں صدی کے آغاز تک لسانیات، علم ثقافت کی طفیلی معلوم ہوتی تھی - ریسک، بوپ، گرم ھمبولٹ بنیادی طور پر ماھرین علم ثقافت تھے، اول الذکر تین عالموں کی بدولت اصوات کی اھمیت بھی ابھری اور تقابلی و تاریخی گرامر کو فروغ ہوا اور لسانیات اور علم ثقافت کا فرق واضح ہوتا گیا - آھستہ آھستہ تقابلی لسانیات اور علم اصوات نے لسانیات کی علیحدہ حیثیت متعین کردی -

علم ثقافت میں قوموں کی زبانوں اور ان کی تحریروں کو بڑی اھمیت حاصل ھوتی ھے - اگر قوم کی ثقافتی تاریخ طویل ھو تو وہ زبان کی مختلف ارتقائی منزلوں کو بھی اپنے دامن میں سمیٹ لیتی ھے، اس طرح لسانی تاریخ کا مطالعہ بھی ناگزیر ھوجاتا ھے - لیکن علم ثقافت میں یہ مطالعہ، مقصود بالذات نہیں ھوتا - علم ثقافت اور لسانیات، دونوں کا واسطہ زبان سے پڑتا ھے لیکن اول الذکر میں زبان محض ایک ذریعہ کی حیثیت رکھتی ھے اور موخرالذکر میں مقصد کی - علم ثقافت میں ثقافت اور ضمنی طور پر ادب سے متعلق معلومات زبان کے ذریعہ سے حاصل کی جاتی ھیں لیکن لسانیات کا مطمح نظر، ادب اور ثقافت نہیں، وہ تو ان زبانوں کو بھی اھم قرار دیتی ھے جو ادبیات سے محروم ھیں، لیکن جو زبان کی زندگی اور اس کی ھئیتوں پر کچھ روشنی ڈال سکتی ھیں - ایک ماھر علم ثقافت، بائبل کے مطالعہ کے لئے اس کے قدیم ترین نسخے کی ولفلا گاتھک زبان سیکھنے کی ضرورت نہ سمجھے گا کیوں کہ وہ اپنا مقصد یعنی اس عہد کی ثقافت کا علم، اس کے تراجم کے ذریعہ سے حاصل کر سکتا ھے - اس کے برعکس ایک ماھر لسانیات کے لئے اس زبان کا مطالعہ خاصی اھمیت رکھتا ھے - ان دونوں علوم کے فرق و امتیاز کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ جن عالموں نے لسانیات کو سائنسی حیثیت دی، وہ بنیادی طور پر ماھرین علم ثقافت تھے - ان کے اجتہاد اور کاوشوں سے علم ثقافت اور لسانیات دونوں کے سرمایوں میں بیش بہا اضافے ھوئے - بقول ڈاکٹر محی الدین قادری زور مرحوم ”ماھرین عمرانیات و بشریات کو لسانات سے اس لئے دل چسپی پیدا ھوئی کہ انسانوں کی اجتماعی خصوصیتوں اور مدنیتوں کے سمجھنے کے لئے لسانی مسئلہ سب سے پہلے قابل غور سمجھا جاتا ھے - اسی سلسلے میں بی مالینووسکی کے وہ خیالات زیادہ قابل قدر ھیں جو ابتدائی انسانوں کے لسانی اظہار اور اشاروں سے متعلق ھیں - اجتماعیات کے علماء،

زبان کی قدر و قیمت اس لئے بھی زیادہ کرنے لگے ھیں کہ وہ اجتماعی گروھوں کے اشاریہ یا نمائندہ کی حیثیت رکھتی ھے'' - 1

کسی ثقافت کے آثار کا تذکرہ، اس کے نظام لسان کے ذکر کے بغیر نا مکمل ھی رھتا ھے - علم ثقافت کا ماھر تکنیکی طور پر ماھر لسانیات تو نہیں ھوتا لیکن جس قوم کی ثقافت پر وہ تحقیق کرنا چاھتا ھے، اس کی زبان سمجھنا، اس کے لئے ناگزیر ھے - اگر کوئی ماھر لسانیات اس زبان پر تحقیقی کام کر چکا ھو تو ماھر علم ثقافت اس سے استفادہ کر سکتا ھے اور لسانیاتی نتائج و معلومات کا اطلاق اپنی علمی تحقیق پر بھی کر سکتا ھے ـ اکثر علماء نے ابتدائی آریوں یا قدیم ترین ہند یوروپی قوم کی ثقافت کا اندازہ، لسانیات ھی کی مدد سے لگایا ھے - علماء لسانیات نے ہند یوروپی زبانوں کے صوتی رجحانات اور ان کے تقابل کی مدد سے ہند یوروپی ام السنہ کی تشکیل جدید کی کوششیں بھی کی تھیں ـ اس تشکیل جدید کی بدولت بہت سے ایسے الفاظ منظر عام پر آئے، جن سے اس زبان کے بولنے والوں کی ثقافت کے بعض پہلو معلوم کئے جا سکتے تھے - چناں چہ تشکیل جدید میں ملنے والے لسانی حقائق سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ غیر منقسم ہند یوروپی قوم دور حجز سے آگے نکل چکی تھی، مکان، دروازہ، چوکھٹ، کلھاڑا، مویشی، بھیڑ، بیل، ھل، جوتنے وغیرہ کے ھم معنی الفاظ کے وجود سے یہ ثابت ھوتا ھے کہ یہ قوم خانہ بدوش نہ تھی، بلکہ مکان بنا کز رھتی تھی ـ مویشی پالنا، کھیتی باڑی، اس کے خاص پیشے تھے ـ بعض علماء نے کاتنے اور بننے کے لئے الفاظ کی نشان دھی کر کے یہ استنباط کیا ھے کہ وہ لوگ کپڑا بننا بھی جانتے تھے - ماں، باپ، بیٹا، بیٹی، بھائی، بہن کے رشتوں کے لئے بھی ناموں کا ثبوت مہیا کیا جاتا اور یہ کہا جاتا رھا ھے کہ وہ لوگ ان رشتوں کو

۱- ''ھندوستانی لسانیات'' (محی الدین قادری زور مرحوم)

محسوس کرنے لگے تھے اور ان میں خاندان کا تصور پیدا ہو چکا تھا - پیڈرسن نے یہ رائے قائم کی ہے کہ تشکیل جدید کے بعض لسانی حقائق، غیر منقسم ہند یوروپی قوم کی ہجرت اور ذیلی تقسیم سے پہلے، دور حجر کے اواخر سے تعلق رکھتے ہیں - ہند یوروپی خاندان السنہ میں دھاتوں کے جو مشترک یا مشابہ نام ملتے ہیں، وہ دخیل الفاظ ہیں، یا قوم کی ذیلی تقسیم کے بعد ابھرنے والی بولیوں میں جنم لینے والے - اکثر زبانوں میں بعض دھاتوں کے مشابہ ناموں کی نشان‌دہی کی جاتی ہے لیکن ام‌السنہ میں ان کا وجود ثابت نہیں ہوتا - ھا تانبے کے متعلق یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس کا پتہ، ابتدائی ہند یوروپی دور میں چل چکا تھا - پیڈرسن یہ نتیجہ بھی اخذ کرتا ہے کہ قدیم ہند یوروپی قوم، دھاتوں کو برائے نام جانتی تھی، جس ایک آدھ دھات کو جانتی تھی، اس کے مصرف سے بالکل نابلد تھی - لسانی تقابل سے ان کی صناعی کا بھی صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا -

زبان کی ساخت، اور الفاظ و معنی میں دور بہ دور کی ثقافت کے آثار سے کوئی نہ کوئی نسبت ضرور ملتی ہے - قدیم ترین ثقافتوں کا ورثہ بے جان الفاظ کے سوا اور کچھ نہیں — ان بے جان الفاظ کی تہ میں خیالات ، احساسات اور جذبات کی ایک دنیا آسودہ ہے ، جو لسانیات کے طفیل منکشف ہوتی ہے - جان — بی — کیرول نے زبان اور علم ثقافت کی نسبت یہ رائے ظاہر کی ہے کہ وہ دن دور نہیں جب کسی قدیم معاشرے کی زبان کی مدد کے بغیر اس کی ثقافت پر عبور پانے کی کوشش ایسی ہی رائیگاں سمجھی جائے گی، جیسی کہ کسی ایسے مورخ کی سمجھی جاتی ہے، جو قدیم ترین نوادر اور مخطوطات سے بے نیاز رہ کر کسی تمدن کی تاریخ لکھنا چاہتا ہو - گرین برگ کے نزدیک کسی نظام لسان کے معنوی اجزائے ترکیبی کی توضیح و تشریح، ثقافتی حقائق کی روشنی میں کی جا سکتی ہے، اس لئے فرہنگ ولغت کی

تدوین میں ماہر لسانیات اور ماہر علم ثقافت کا باہمی تعاون ضروری ہے ۱ زبان کے معنوی تجزئیے سے ثقافت کے تمام مظاہر کی تفصیلی فہرست مہیا ہو جاتی ہے، جو علم ثقافت نیز بشریات کے لئے بڑی کارآمد ہے - غرض لسانیات، بشریات اور علم ثقافت کے باہمی استفادے اور افادے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

انسان کے قدیم ترین کارناموں، اکتسابات اور اس کے کوائف سے متعلق کارآمد تحقیق کے لئے اہم ذرائع، زبان ہی مہیا کرتی ہے - زبان میں ایسے شواہد موجود ہوتے ہیں جو اس کے بولنے والوں کے ذہنی و اخلاقی خصائص، اہلیت و استعداد، تہذیبی سطح، علم و حکمت، عقائد و توہمات - بلکہ طبیعی ماحول کی بھی کچھ نہ کچھ غمازی ضرور کرتے ہیں اور ان شواہد کی نشان دہی لسانیات کی بدولت ہوتی ہے- تنقید و تاریخ کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی ازمنۂ قدیم ترین کے حالات دریافت کر لینا مشکل ہے لیکن لسانیات اس عقدے کی گرہ کشائی کرتی ہے - تاریخ جس منزل کو طے کرنے سے قاصر رہتی ہے، لسانیات اس تک ہماری رہنمائی کرتی ہے اور وہ راہ دکھاتی ہے جسے اختیار کرکے عہد عتیق کے حالات معلوم کئے جا سکتے ہیں - قدیم آریوں کے مرزبوم کی تحقیق کے لئے لسانی حقائق سے مدد لی جاتی رہی ہے - پودوں، حیوانات وغیرہ کے مشترک ہند یوروپی ناموں سے اس مفروضہ مرزبوم کی آب و ہوا اور جغرافیائی ماحول کا اندازہ لگانے کی کوششیں بھی کی گئی ہیں - لیکن مشترک الفاظ سے اس قسم کے اکثر قیاسات قابل قبول نہیں ہو سکتے - یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مشترک نام، دخیل و ماخوذ بھی ہو سکتے ہیں یہ بھی ممکن ہے کہ بعض پودوں اور حیوانوں کے نام مشترک رہے ہوں لیکن کسی وجہ سے کچھ زبانوں میں، یا سب

۱-بحوالہ ''مطالعہ لسان'' (کیوول)

میں ناپید ہو چکے ہوں۔ یہ بھی قرین قیاس ہے کہ خود ہند یوروپی ام السنہ میں کسی دوسرے خاندان السنہ کے کچھ الفاظ، دخیل ہو چکے ہوں۔ جونس شمٹ نے سنہ ۱۸۹۰ء میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ ہند یوروپی ام السنہ، سمیریوں کے زیر اثر بھی رہ چکی ہے، اس نے اس کی تشکیل جدید میں آشوری الفاظ کی نشان دہی بھی کی ہے۔

ڈاکٹر زور مرحوم نے تاریخی تحقیقات میں لسانیات کی اہمیت اس طرح واضح کی ہے کہ ''قدیم قوموں کے عادات و اطوار اور رسم و رواج کی نسبت معلومات حاصل کرنے کا واحد ذریعہ قدیم زبان ہے، جس کے پراگندہ نمونے ان قوموں کے باقی ماندہ افراد کے میںوں میں صدیوں بعد تک محفوظ رہتے ہیں اور جو لسانیات کی مدد سے منضبط اور منظم ہو کر تشریح حاصل کرتے ہیں—مختلف قوموں کی تاریخ اور ما قبل تاریخی حالات کا اندازہ کرنے میں لسانیات سے زیادہ مفید کوئی اور علم ثابت نہیں ہوا۔ مثال کے طور پر مقامات کے ناموں کی تشریح و تجزیہ ہی کر لیجئے، جس کی مدد سے آج یورپ اور مغربی ایشیا کی قدیم ترین تاریخیں مرتب کی جا رہی ہیں''۔ 1

لسانیات اور نفسیات

لسانیات اور نفسیات کا تعلق اس بنیادی حیثیت میں مضمر ہے جو موخرالذکر کو ذہنی علوم میں حاصل ہے۔ ذہنی علوم، انسان کے مختلف اعمال و کوائف کے مطالعہ میں نفسیاتی تفسیر کے مقتضی ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک ماہر لسانیات زبان کے تمثیلی یا معنوی تغیرات کی توجیہ کرتے ہوئے ان کا موجب ہونے والے رجحان، و میلان اور ذہنی کیفیت کے لوازم و شرائط کا خاکہ بھی پیش کرتے ہیں، اگر وہ علمی نفسیات کا سہارا نہیں لے سکتے تو نیم علمی نفسیات کا سہارا لیتے ہیں اور

۱۔ ''ہندوستانی لسانیات'' صفحہ ۲۱

اس طرح کی توجیہات کرتے ہیں کہ ان تغیرات یا نئی ہیئتوں کی ضرورت، بیان میں صفائی اور سہولت کے لئے پیش آئی ہیں - چوں کہ زبان کی ہئیتیں مجموعی اعتبار سے اور دوسرے علوم کے مقابلے پر نسبتاً غیرارادی اور غیر شعوری طور پر وجود میں آتی ہیں، اس لئے اس کے مطالعہ کے لئے علمی نفسیات کا سہارا لینا لازمی ہے -

نفسیات بھی، لسانیات کے مستنبط نتائج کو کام میں لاتی ہے -جدید نفسیات میں علم کے ذرائع دو ہیں - ان میں سے ایک ہے مشاہدۂ نفس کا تجزیہ، جو ان آلات کے ذریعہ کیا جاتا ہے، جن میں ذہنی کیفیات کے طبیعی متعلقات کا اندراج، ہو جاتا ہے - اس طرح حاصل کی ہوئی معلومات ایک فرد کے ذہنی اعمال و کیفیات سے متعلق ہوتی ہیں - یہ اعمال ماضی کے تجربوں سے ملزوم ہوتے ہیں - اور ماضی کے تجربے دوسرے افراد کے ذہنی اعمال کے نتائج ہوتے ہیں - کسی شخص کی بول چال کی جو صورت اور زبان کی جو ہئیتیں ہیں، وہ اس لئے ہیں کہ وہ شخص بچپن سے انہیں سنتا رہا ہے - ہر شخص بول چال کی عادت اپنے بزرگوں، رشتہ داروں، وغیرہ سے سیکھتا ہے - گویا زبان، ایک مدت کے ذہنی اعمال کے تسلسل کا نتیجہ قرار پا سکتی ہے، لیکن وہ کسی فرد کے یا کچھ افراد کے نہیں بلکہ پوری جماعت، گروہ یا قوم کے ذہنی اعمال کا نتیجہ ہے - دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ زبان میں سماجی نفسیات کی کار فرمائی ہوتی ہے —

بعض لسانی مظاہر کی توضیح کے لئے علم نفسیات سے رجوع کرنا نا گزیر ہے - کردار لسانی کا مطالعہ بہ جائے خود بڑی اہمیت رکھتا ہے - اس قسم کے مطالعے کے لئے لسانیات کے مضمرات کی پڑتال ضروری ہے — اس ضمن میں نفسیات کی تعریف، وسعت و حدود، طریق کار اور نتائج کی طرف توجہ مبزول کرانا اور چند حقائق کی طرف اشارہ کرنا بے محل نہ ہوگا —

نفسیات ایک مثبت اور تجربی علم ہے، جس کا تعلق شعور، تحت الشعور اور لاشعور یا ذہنی اعمال و کیفیات کے مطالعے سے ہے - لیکن چوں کہ ان اعمال و کیفیات کا اندازہ، بیشتر حالات میں، جوابی افعال، رد عمل اور تطابق سے ہوتا ہے، اس لئے نفسیات کی حیثیت علم کردار کی بھی ہو جاتی ہے - بلکہ اسے اساسی طور پر علم کردار سمجھنا بے جا بھی نہیں - ماہر نفسیات، انسانی کردار کے عام اصول و قوانین دریافت کرنے کی کوشش کرتا ہے - نفسیات کے مخصوص موضوعات، علم، غایت، ادراک، احساس، آموزش، استعداد وغیرہ ہیں - ان کے مطالعے کے سلسلے میں زیر مطالعہ کردار میں مضمر عام قوانین پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے اور نفس کردار پر کم - ماہر نفسیات کے نزدیک لسانی جوابی افعال، جو علم اللسان کا خاص موضوع ہے، زیر مطالعہ جوابی افعال میں سے صرف ایک ہے، جسے اوروں کے مقابلے پر زیادہ اہمیت نہیں دی جا سکتی - تاہم لسانی جوابی افعال، مطالعۂ نفسیات کا ایک موضوع ضرور ہے، جسے نفسیات کا ایک شعبہ قرار دے کر نفسیات لسان یا لسانیاتی نفسیات کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے - لسانی جوابی افعال کا مکمل نظریہ وہی ہو سکتا ہے جو کسی مخصوص جوابی فعل پر، یا کسی جوابی فعل کے ادراک اور مزید جوابی فعل پر مترتب ہونے والے اثرات اور کار فرما ہونے والے عوامل کو محیط ہوں - یہ گوناگوں اثرات اور متنوع عوامل، عضویاتی عناصر، نظام لسان کے متعلقہ اجزاء، موقع و محل وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں - یہ سب، لسانیاتی نفسیات کے موضوعات مطالعہ ہیں - صرف لسانی جوابی افعال کے بیان، توضیح اور پیش گوئی ہی پر اکتفا نہیں کی جاتی بلکہ فرد کی سرگرمیوں اور اعمال پر لسانی کردار کے جو اثرات مترتب ہو سکتے ہیں، ان سب سے بحث کی جاتی ہے - اس اعتبار سے لسانیاتی نفسیات میں نفسیات کے دوسرے شعبوں کے لئے اشارئیے مل جاتے ہیں - لسانی نفسیات کا تاریخی جائزہ

لینے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نظریاتی مباحث کم و بیش وہی ہیں جو عام نفسیات کے ہیں - **بورنگ** نے تاریخی جائزے کے ذریعے ذہن، فکر، خیال اور شعور کی ماہئیت جیسے مباحث سے متعلق فکری طریق کار و مناہج کا خاکہ پیش کیا ہے- جدید نقطہء نظر سے ان نازک مسائل و مباحث کی پڑتال ضروری ہے -

نفسیات کے سائنسی دور سے پہلے ذہن اور جسم کی فلسفیانہ ثنویت پر بہت زور دیا جاتا تھا اور نفسیات پر مابعد الطبیعاتی رنگ غالب تھا - جدید نفسیات کی علمی حیثیت کا اقتضا یہ ہے کہ اسے مابعد الطبیعاتی فلسفیانہ سوالات سے بالا تر رکھا جائے - پھر بھی ماضی کی فلسفیانہ نفسیات کی روایت، ثنویت کے فلسفیانہ مسئلے اور صریحی و قابل مشاہدہ کردار یا بیوہار سے ممیز موضوعی و مضمر کردار کی نفسیاتی بحث کے مابین خلط مبحث اور الجھاؤ کی صورت رونما ہو جاتی ہے - غالباً یہ الجھاؤ اس رائے سے پیدا ہوتا ہے کہ موضوعی کردار کا مطالعہ بعینہ ایسا ہے جیسے ذہن کو ایک جداگانہ اور غیر جسدی ہستی قرار دے کر اس کا مطالعہ کرنا - بعض ماہرین اپنی انتہا پسندی سے نفسیات کی علمی حیثیت کو صریحی و قابل مشاہدہ کردار کے مطالعے تک محدود کر کے اور کچھ نظریۂ ذہنیات کے موضوعی نقطہ نظر کے مخالفین اپنے انتہا پسند معروضی نقطہ نظر کی رو میں بہہ کر وقوع موضوعی کو نفسیات کے دائرہ بحث سے خارج کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے، حالاں کہ وقوع موضوعی، کردار یا بیوہار کے بہت سے منتجات میں اہم رول ادا کرتے ہیں - انہیں کرداری یا بیوہاری قرار دینا غلط نہ ہوگا - کسی نفسیاتی سیاق و سباق میں ان کی طرف توجہ مبذول کرنے سے لازماً فلسفیانہ ثنویت کی پرچھائیں نہ پڑ جائے گی - وقوع موضوعی کے قابل مشاہدہ اشاریے بھی ہوتے ہیں، لسانی کردار انھی اشاریوں میں سے ایک ہے - وقوع موضوعی بھی ان قوانین کے پابند ہوتے ہیں جن کے قابل مشاہدہ وقوع، خواہ وہ حرکی

جوابی افعال ہوں یا غدودی و عضلاتی - ہاں یہ ضرور ہے کہ بعض مخصوص حالات میں وقوع موضوعی کے اشارئیے قابل اعتماد نہیں ہوتے- لیکن صرف اس بنیاد پر وقوع موضوعی کو یک قلم نظر انداز کردینا مناسب نہیں - 1

''نو کرداریت'' نفسیات میں خاصی مقبول ہوچکی ہے-اکثر ماہرین نفسیات کا بیوہار اس مفروضے پر ہے کہ ''وقوع موضوعی'' عمل میں آتے اور واقع ہوتے ہیں-وہ فکر، تصور، خواب اور ادراک کو وقوع اور اعمال قرار دیتے ہیں حالتیں نہیں - اس لئے انتہائی معروضی خصوصیت کے تجربات میں موضوعی کردار کے مشاہدہ، باطن سے مفروضات منتج کرنے کا امکان بعید نہیں ہوتا - ''شعور'' کی بات نکل آئے تو موضوعی کردار کا مبحث نازک ہوجاتا ہے - یہ بیان کہ شعور میں کوئی ایسی چیز وقوع پذیر ہوتی ہے ، جو صریحی اور خارجی کردار کی رہنمائی و ہدایت کرتی ہے، فلسفیانہ ثنویت کا پہلو بھی پیدا کر دیتا ہے - اس طرح موضوعی کردار کی بحث میں ''شعور'' کا ذکر خطرے سے خالی نہیں - لیکن اگر ہم موضوعی کردار کو جوابی افعال کا ایک سلسلہ و تواتر سمجھ لیں تو ''شعور'' کی بات چھڑنے کا سوال پیدا نہ ہوگا - بعض ماہرین کے یہاں موضوعی کردار کے باطنی مشاہدے کی صداقت پر اندھا دھند اعتقاد اور اس سے عمومی قاعدے وضع کرنے کا رجحان بھی ملتا ہے - ''امیجری'' - ''فکر بے تمثال'' اور ایسے ہی دوسرے مباحث و مسائل کے مطالعے سے کچھ ماہرین نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ نفسیات کے ان مباحث میں، جن میں توجہ، موضوعی کردار پر مرکوز ہوتی ہے'باطنی مشاہدے کا جواز اور اس کی تعمیم قابل اعتراض ہے، کیوں کہ اس طرح متبادل مشاہدات کی گنجائش نہیں رہ جاتی اور مفروضہ

---

۱ - ''مطالعہ لسان'' (جان-بی- کیرول)

تعمیم سے خارجی کردار کا صحت مند مطالعہ نا ممکن ہوجاتا ہے۔ 1

لسانیاتی نفسیات کی تاریخ دل چسپ بھی ہے اور معلومات افزا بھی۔ اس سے زبان کے کچھ مضمرات سے متعلق ماہرین کے روئے اور علم اللسان کے ایک مخصوص شعبے کے مباحث پر روشنی پڑتی ہے - چناں چہ اس کا اجمالی جائزہ بے محل نہ ہوگا۔

برطانیہ کے تجربی دبستان کے نمائندوں، جیمس مل اور جان اسٹورٹ مل، کی رائے میں سیدھے سادے خیالات اور ادراکات ایک قسم کی ذہنی کیمیا کے ذریعے ترکیب پا کر، پیچیدہ فکر کی صورت میں رونما ہوتے ہیں - لیکن چوں کہ الفاظ، خیالات کے مظاہر ہوتے ہیں اور انہی الفاظ کی ترکیب، تصریف یا اشتقاق سے پیچیدہ افکار کی ترجمانی ہوتی ہے، اس لئے ان کی ترکیبی، تصریفی یا اشتقاقی صورتیں درپردہ ان معمولی خیالات و تصورات کے باہمی رشتوں کی غمازی کرتی ہیں، جن کا اظہار ان الفاظ کی مفرد اور ابتدائی صورتوں سے ہوا کرتا ہے۔ چناں چہ محولہ بالا رائے میں جیمس مل اور جان اسٹورٹ مل کے مشاہدہء مظاہر لسان کی پرچھائیں محسوس کی جا سکتی ہے - جان اسٹورٹ مل نے اپنے رسالے ''نظام منطق'' کے پہلے باب میں عقلی افعال کے مطالعے کے لئے زبان کے تجزئیے کی ضرورت پر زور دیا ہے اور نام دی جانے والی اشیاء کو، احساسات اور شعور، ذہن اور جسم کی حالتوں، نیز تواتر و وجودیت میں منقسم کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ مل کی یہ تفسیر و تقسیم، ماہئیت لسان کے وقوف پر نہیں بلکہ ماہرین علم قواعد کے وضع کردہ اجزائے صرف و نحو مثلاً فاعل، مفعول، مسند، صفات، مبتدا وغیرہ پر مبنی ہے - ولہم ونٹ جرمن ماہر نفسیات، جس نے سب سے پہلی نفسیاتی تجربہ گاہ سنہ ۱۸۷۴ء میں لیپزگ یونی ورسٹی میں

۱- ''مطالعہ لسان'' (جان - بی - کیرول)

قائم کی تھی، نفسیات لسان کا بھی پیش رو ہے - اس کے بعض رسائل نفسیات لسان کے لئے مختص ہیں ــ ان رسائل میں زبان کے بیوھار یا کردار لسان مثلاً جملوں کی ساخت، تراکیب الفاظ، مرکبات سازی، ادراک گفتگو وغیرہ سے متعلق فکر انگیز مباحث ملتے ہیں-ہاں یہ ضرورہے کہ ونٹ کے مشاہدات بہت کچھ باطنی ہی ہیں ـ ونٹ کے زیراثر بعض ماہرین نے ''فکر'' سے متعلق ایک نئی دریافت کی ــ وہ ہے فکر بے تمثال، جو ایک طرح کا موضوعی کردار ہے، جسے فکری کیفیت سے ابھارا جا سکتا ہے، اور جسے نہ احساس قرار دے سکتے ہیں اور نہ ادراک ــ یہ لوگ فکر کو تصورات میں تحویل نہیں کرتے بلکہ اسے قابل مشاہدہ عمل قرار دیتے ہیں ــ ان ماہرین کا یہ موقف خاصا متنازعہ فیہ رہا ہے ــ تاہم ان کارناموں کے بعض پہلو نفسیات لسان کے لئے مفید ہو سکتے ہیں - مثلاً وہ پہلو جن سے ان معین و محدود کرنے والے میلانات، شعوری رویے وغیرہ کی نشان دہی ہوتی ہے، جو تفکر منضبط ایتلاف، اور لسانی کردار کی تقریباً سبھی صورتوں میں اہم رول ادا کرتے ہیں - کار اور کچھ دوسرے ماہرین نے نفسیات کا ایک نیا نقطۂ نظر پیش کیا، جس کی رو سے وقوف لزوم و شرائط کے نئے مواد سے منکشف ہونے والی ذہنی زندگی اور کردار کے حرکی پہلو پر زیادہ زور دیا جانے لگا ــ اس نظرئیے کے زیر اثر نظریہ کرداریت کی تشکیل ہوئی- کرداریت کے علم بردار واٹسن نے ذہن کے محض کرداری پہلو ہی کو نفسیات کی اساس قرار دیا اور شعور و ذہن کے اعمال و کیفیات کو یکسر نظر انداز کر دیا - نظریۂ کرداریت نے کردار لسان کو ایک مشروط جوابی فعل قرار دے کر، اس توجہ سے محروم کردیا جس کا وہ مستحق تھا - یہی نہیں بلکہ اس نے نظریاتی نفسیات کی توجہ، مطالعۂ لسان سے ہٹا کران مسائل کی طرف مبذول کرادی، جو اس وقت زیادہ بنیادی معلوم ہوتے تھے - نتیجہ یہ ہوا کہ لسانیاتی نفسیات کا

مطالعہ زیادہ مقبول نہ رہ سکا - تاہم کچھ ماہرین نے کردار لسان میں نظریاتی طور پر تھوڑی بہت دل چسپی ضرور لی - انھوں نے بجائے تجزیہءالسنہ کے اس بات پر توجہ دی کہ لسانیاتی جوابی افعال کا اکتساب کس طرح ہوتا ہے اور عضویات کے کلی کردار میں ان کا کیا حصہ ہے - سنہ ۱۹۲۵ء میں ایسپر نے لسانیاتی تغیر کی نفسیاتی تعبیر کے سلسلے میں کچھ دل چسپ تجربے بھی کئے - سنہ ۱۹۳۶ء میں کینٹر نے اپنے رسالے ''گرامر کی معروضی نفسیات'' میں نفسیات لسان کی مفصل تاریخ اور مختلف ماہرین کے نظریات کا تنقیدی جائزہ پیش کیا - اس نے اس ''علاماتی نظرئیے'' پر ''کہ زبان، افکارخیالات احساسات اور تصورات کے اظہار کا محض ایک آلہ ہے'' جارحانہ اعتراض کیا ہے - اس کے نزدیک معروضی نفسیات میں ایسے نظرئیے کے لئے کوئی گنجائش نہیں - اس کی یہ رائے ہے کہ لسانیاتی معانی کا مطالعہ، قائل کے حسب موقع تطابق کے مطالعے کے سوا کچھ اور نہیں - زبان، باہم ہمکلام ہونے والوں کا تطابقی کردار ہی تو ہے - اس لئے اس کا مطالعہ دراصل تطابقی کردار کا مطالعہ ہے - اس نے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ علم اللسان نے اس حقیقت سے غفلت برتی ہے - اس کے شاگرد پرونکو نے سنہ ۱۹۴۶ء میں اپنے مضمون ''لسان اور لسانیاتی نفسیات'' میں اس کے نقطۂ نظر کی مزید وضاحت کی ہے - اس مضمون میں پرونکو نے سبیوک پر کڑی تنقید بھی کی ہے - سبیوک نے سنہ ۴۳ء میں سنتالی زبان کے صوتی نظام کی تدوین کی تھی - پرونکو نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس صوتی نظام کی تدوین گرامر کی ایک کتاب اور لوک کہانیوں کی بنیاد پر کی گئی ہے - یہ کارنامہ کردار لسانی اور صوتی اکائیوں کے طلبہ کے موضوعات اور مباحث کے اختلاف کی عمدہ مثال قرار پا سکتا ہے - صوتی اکائیوں کا طالب علم، کتابی مواد سے بحث کرتا ہے اور اس میں ترتیب، بتویب اور تنظیم پیدا کرتا ہے لیکن کردار لسانی کا طالب علم

ان عضویات کا عمل بیان کرتا ہے جو اپنے مخصوص انداز میں کسی سے کسی امر کے متعلق مصروف گفتگو ہوں - پرونکو کے اس خیال پر یہ نکتہ چینی بجا طور پر کی جا سکتی ہے کہ علم لسانیات کو محض کتابی مواد کی بحث، ترتیب، بتویب اور تنظیم سے مختص کرنے سے غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے - اس کے علاوہ ماہر لسان جس کتابی مواد سے کام لیتا ہے، وہ فی‌الواقع کردار لسان کے مشاہدوں کی دستاویز ہی تو ہوتا ہے - علم اللسان کا تعلق کسی قوم کے مروجہ لسانی جوابی افعال کے نظام کے تجزئیے ہی سے ہوتا ہے - ماہر لسان کتابی مواد استعمال کرے یا گردونۂ صوتی (فونو گراف ریکارڈ) یا ذاتی مشاہدے کے نتائج، اس کے طریق کار اور مناہج میں کوئی فرق نہیں پڑتا - 1

کینٹر نے ''گرامر کی معروضی نفسیات'' میں لسانیات کے مختلف مباحث مثلاً صوتیات، صرف، نحو، معانی، ضمائر شخصی، جنس، حالت، زمانہ، طور فعل، نہی وغیرہ کا تنقیدی جائزہ بھی لیا ہے - اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے مشتبہ اور قیاسی باتوں کا سد باب کر دیا ہے، جنھیں بعض ماہرین، لسانیاتی مظاہر کی نفسیاتی تعبیر و توجیہ کے طور پر پیش کرتے رہے ہیں - اس نے گرامر کی بین کرداری تفسیر و تعبیر کے بہت سے دل چسپ مفروضے بھی تجویز کئے ہیں - وہ بار بار یہی جتلاتا ہے کہ نفسیاتی گرامر، در اصل اس بات کا مطالعہ ہے کہ زبان کے تصرفات واقعتہً کس طرح عمل میں آتے ہیں - نظریاتی بحث میں اس نے مطالعہ لسان کے ضمن میں ''نظریۂ ذہنیات'' کے استعمال پر خاصی لے دے کی ہے، اور رچرڈس اور گارڈنر کے علاماتی اظہار کے نظریوں پر بحث کرتے ہوئے ان کے دلائل یا مدلول پر نہیں بلکہ ان کی اصطلاحات مثلاً خیال، فکر، معانی وغیرہ پر تنقید کی ہے - اس کے

۱- ''مطالعہ لسان'' (کیرول)

نزدیک وقت گفتگو، قائل کا تخلیقی و برجستہ ابلاغی کردار ہی زبان ہے۔ لیکن وہ شب بخیر، یا شکریہ جیسے الفاظ کو تخلیقی و برجستہ ابلاغی کردار نہیں کہتا، اسی لئے انہیں لسانیاتی تطابق بھی نہیں سمجھتا۔ اس نے اس قسم کے الفاظ کو غیر لسانیاتی قرار دیا ہے۔

نفسیات جدید میں ''تطابق'' کے بجائے ایک نئی اصطلاح ''تقویت'' استعمال کی جاتی ہے اور اس کا یہ جواز پیش کیا جاتا ہے کہ لسانی جوابی فعل کی بنیادی خصوصیت ''تطابق'' نہیں ''تقویت'' ہے، کیوں کہ وہ مسکت ہوتا ہے یا مزید جوابی فعل کا محرک۔ اس نئی اصطلاح میں جوابی فعل کی نوعیتوں کی طرف اشاریہ بھی مضمر ہے۔ یہ نوعیتیں ایجابی ہوتی ہیں یا سلبی۔ ان سے مزید جوابی افعال کی تحریک ہوتی ہے۔ اور سلسلہ گفتگو دراز تر ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں گویا جوابی فعل کی ''جزا'' ہوتی ہے۔ اس نوعیت کو ایجابی کہہ لیجئے۔ دوسری صورت میں جوابی فعل مزید جوابی افعال کا محرک نہیں بلکہ مسکت ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسے سلبی نوعیت کہہ لیجئے۔ چناں چہ اب ہمیں جوابی افعال کے تطابق پر نظر رکھنے کے بجائے یہ سوال پیش نظر رکھنا چاہئیے کہ آیا لسانی جوابی افعال کی نوعیت کیا ہے، تقویت ایجابی ہے یا سلبی، وہ ''جزا'' کی سزاوار ٹھرتی ہے یا ''سزا'' کی۔ 1

لسانی کردار کے متعلق اسکنر، کیرول اور جی۔اے۔ملر کا نقطہ نظر اور رویہ کینٹر سے بالکل مختلف ہے۔ اسکنر نے پہلی بار کردار کی ایک نئی نوعیت، ''معمول'' کی نوعیت اور ''وساطتی آموزش'' کا تصور سنہ ۱۹۳۸ء میں پیش کیا۔ اس کے نزدیک لسانی جوابی فعل، کردار کی اسی نوعیت کا ترجمان ہے۔ کردار کی اس نوعیت سے اس کی مراد وہ برجستہ کردار ہے، جو وساطتی لزوم و شرائط سے تقویت پاتا ہے۔

۱۔ ''مطالعہ لسان'' (کیرول)

مثلاً کبوتر کے چگنے کا جوابی فعل - اس فعل کی ''جزا'' کے ذریعہ، اسے ''معمول'' یا ' وساطتی جوابی فعل'' بنایا جا سکتا ہے - اگر کبوتر کے سامنے دانہ ڈالتے رہیں تو ٹھونگیں مارنے کا برجستہ کردار ظاہر ہوگا- پھر کبوتو ٹھونگیں مار مار کر بھوک کا اظہار کرنے لگتا ہے -یہ فعل، وساطتی جوابی فعل ہے، جو ''آموزش'' کا مرہون منت ہے - بچے کے لسانی کردار کی بھی کم و بیش یہی کیفیت ہے- ہاں یہ ضرور ہے کہ اس صورت میں ''تقویت'' کی حیثیت سماجی ہوتی ہے - اس طرح بچہ بھوک کے اظہار کے لئے تتلا تتلا کر ٹوٹا پھوٹا لفظ کہنے لگ جاتا ہے اور جب اس کے نتیجے میں دودھ مل جاتا ہے تو اس لفظ کے معنے بھی اس کے ذہن میں واضح ہوتے جاتے ہیں، اور اسم اور مسمی کا تلازمہ ذہن نشین ہو جاتا ہے - رفتہ رفتہ وہ صحیح لفظ بھی سیکھ لیتا ہے- لسانی کردار کی اس توجیہ کا اطلاق دوسرے لسانیاتی مظاہر پر بھی ہو سکتا ہے - کیرول کی رائے میں لسانی کردار کی مختلف قسموں کی اکائیوں کے فرق و امتیاز کے ضمن میں علم اللسان کے مستنبط نتائج کا سہارا لیا جا سکتا ہے - اسکنر اور کیرول دونوں کا یہ خیال ہے کہ لسانی کردار اور معانی کے مباحث دراصل لسانی جوابی افعال کے اس ''مخفی زور'' کے مباحث ہی ہیں، جو حسب موقع محرکاتی اسباب وشرائط کے ماتحت پیدا ہوتا ہے - اس کا اطلاق قائل پر بھی ہو سکتا ہے اور سامع پر بھی —

لسانی کردار اور شخصیت کے مابین جو علائق بھی ہو سکتے ہیں، ان سب پر ایف - ایچ - سینفورڈ نے تفصیلی بحث کی ہے - اس کا مقالہ ''گفتگو اور شخصیت'' جو سنہ ۱۹۴۲ء میں شائع ہوا تھا بڑا دل چسپ ہے اور اختلاف الیہ بھی - اس نے اپنے مضمون کی ابتدا ہی میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ''زبان کو روایتی طور پر فکر و خیال کا آلۂ اظہار ہی سمجھا جاتا رہا ہے - آلۂ اظہار کے مقابلے میں مافیہ پر زیادہ توجہ

مرکوز کی جاتی رہی ہے - لیکن بعض لوگ توجہ کی اس روایتی تقسیم پر اس لئے نکتہ چینی کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک آلۂ اظہار اور مافیہ دونوں کی باقاعدہ تنقیح لازمی ہے ۔ ان کا خیال ہے کہ اگر خیالات و افکار پر کلیتہً توجہ مبذول کرنے کے بجائے لسانیاتی عمل اور رد عمل کو زیر نظر رکھا جائے تو علم اللسان فی الواقع علمی حیثیت حاصل کر سکتا ہے۔ جن ماہرین نفسیات کی توجہ ''شخصیت'' کے مباحث پر مرکوز ہوتی ہے، وہ زبان کی اس معروضی تعبیر کو نتیجہ خیز پائیں گے اور یہ محسوس کریں گے کہ صحیح و موزوں لسانیاتی مقدمات سے لسانیاتی قاعدوں کے وضع کرنے ہی میں مدد نہیں ملتی بلکہ زبان کے بولنے والوں کا مزاج دان بننا بھی ممکن ہے'' - 1

سینفورڈ نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ زبان، فکر و خیال کے ساتھ ساتھ شخصیت کی بھی مظہر ہوتی ہے، کیوں کہ قائل، اسلوب اور مافیہ دونوں کے ذریعہ محسوسات کا بھی اظہار کرتا ہے اور اپنی شخصیت کا بھی۔ غالباً فاضل مصنف کو یہ یاد نہیں رہا کہ گفتگو رسمی اور سماجی تقاضوں کی مرہون منت بھی ہوتی ہے اور ذاتی رجحان، افتاد طبع، مزاج شخصیت کے پیدا کردہ اسلوب کی مظہر بھی - ان کے درمیان حد فاصل قائم کرنا اور پھر شخصیت کو ''بین السطور'' دیکھنا بہت دشوار ہے -

لسانیاتی نفسیات کے اس طائرانہ جائزے سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ''علمائے نفسیات زبان کے تجزیے کی طرف خاص احتیاط و توجہ سے مائل ہوتے رہے ہیں تا کہ انسان کی عادت، روایات، مہیجات اور عملی تطابق وغیرہ پر کامیابی کے ساتھ روشنی ڈالی جا سکے'' - 2

۱- ''مطالعہ لسان'' (کیرول)

۲- ''ہندوستانی لسانیات'' (ڈاکٹر محی الدین قادری زور مرحوم) صفحہ ۲۰

لسانیات اور فلسفہ

فلسفیوں نے بھی زبان اور ابلاغ کے مباحث کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی ہے ۔ ہمارے بیشتر تجربات حیات ان لسانی عادتوں کے مرہون منت ہیں، جن کے بغیر ہم زندگی نہیں گزار سکتے ۔ فلسفہ کے پیچیدہ مباحث کے تعلق علم انسانی کی ماہئیت اور قدر و قیمت سے ہے ۔ کائنات سے متعلق ہمارا نقطۂ نظر موضوعی ہو یا معروضی، اس کا بیان زبان ہی کا مرہون منت ہوتا ہے ۔

منطق کا تنقیدی مواد زبان پر ہی منحصر ہوتا ہے ۔ ایک مدت تک گرامر کو منطق کا ضمیمہ ہی سمجھا جاتا رہا ہے ۔ ''منطقی گرامر'' کچھ علماء کا موضوع بحث بنی رہی ہے ۔ جان اسٹیورٹ مل کی رائے میں گرامر، منطق کا بالکل ابتدائی حصہ ہے ۔ اسے فکر کے اعمال و کوائف کے تجزیہ کا حرف آغاز قرار دیا جا سکتا ہے ۔ گرامر کے اصول اور قواعد ہی وہ ذرائع ہیں، جن سے زبان کی ہئیتوں کی، فکر کی آفاقی ہئیتوں سے تطبیق کی جاتی ہے ۔ مختلف اجزائے کلام، اسماء کی اعرابی حالتوں افعال کے طور وغیرہ کے امتیازات محض لفظی نہیں بلکہ افکار و خیالات کے امتیازات ہیں ۔ ہر جملے کی ساخت حقیقتاً منطق کا ایک درس ہے ۔ ان خصوصیات کے اعتبار سے کلاسیکی زبانوں کو جدید زبانوں پر ترجیح حاصل ہے ۔

تاریخی اعتبار سے منطقی ہئیتیں، زبان کے ساتھ ساتھ ارتقا پاتی ہیں ۔ ہمارے مجرد تصورات ہی نہیں بلکہ خصائص و اعمال کے تصورات بھی لسانیاتی ہئیتوں کے موضوعی پہلو ہیں، جو امتداد وقت کے ساتھ ساتھ ارتقا پذیر ہوئے ہیں ۔

مباحث فلسفہ میں زبان کی ماہئیت خصوصاً اس کے مستعمل علائم و رموز پر خصوصی توجہ مرکوز کی جاتی رہی ہے ۔ افلاطون اور اس کے بعد کے متکلمین، نیز برطانوی دبستان تجربیت المانوی عقلیت پسندی اور دور جدید کی منطقی بتویب کے حامیوں نے زبان کے علائم و رموز سے وابستہ تصورات کی ماہئیت اور زبان و خیال کے باہمی تعلق سے گہری

دل‌چسپی کا اظہار کیا ہے - ہر مکتبۂ فکر کے علماء نے یہ تسلیم کیا ہے کہ فلسفہ پر زبان کا گہرا اثر ہے -

رسل کے نزدیک زبان کا فلسفیانہ مطالعہ، دراصل فلسفیانہ گرامر کی تشکیل کے مترادف ہے - شروع شروع میں تو رسل اسے مبادی الٰہیات قرار دیتا تھا - فیلسوف علمائے لسانیات، اس حقیقت کی ماہئیت کی تفہیم کے لئے راہیں ہموار کرنا چاہتے ہیں، جو علمائے الٰہیات کا منتہائے نظر ہے - ان کا یہ خیال بھی رہا ہے کہ زبان کی خصوصیات، کائنات کی ساخت کی تفہیم میں ممد و معاون ہو سکتی ہیں - فلسفۂ لسان کو زبان کے رسمی نظام کی جانچ پڑتال یا غیر شعوری ابہام سے احتراز کے فن تک محدود نہیں کیا جا سکتا - اس کے لئے منطق، نفسیات، تجربی لسانیات سے مواد اخذ کرلا، فلسفیانہ تحقیق کے مناہج وضع کرنا اور الٰہیات کی وسعت و جامعیت سے متعلق مدلل فیصلوں کی تشکیل کرنا بھی ضروری ہے - رسل کے لسانی مباحث میں ان امور کو نمایاں حیثیت حاصل ہے - اس کے فلسفۂ لسان میں تین باتیں نمایاں نظر آتی ہیں (۱) ٹائپ کا نظریہ (۲) زبان کے ذریعہ دنیا کے اساسی اجزائے ترکیبی کی جستجو اور (۳) مثالی زبان - ان پر تبصرہ کرتے ہوئے میکس بلیک رقم طراز ہے کہ ''یہ تینوں باتیں فلسفۂ لسان کے ضمن میں رسل کے اجتہادات کا احاطہ کر لیتی ہیں - نحو سے دنیا کی ساخت سے متعلق غلط آرا کا استقرا کیا جاتا ہے، لغات و کلمات سے دنیا کے مافیہ سے متعلق غلط اعتقادات و خیالات کو فروغ ہوتا ہے، اور اس طرح زبان کے اضطراری لیکن بلیغ اجزا کو مابعدالطبیعاتی حیثیت دی جانے لگتی ہے - زبان کے التزامات کی جستجو میں، عام زبان کی کوتاہیاں کھٹکتی ہیں اور ''مثالی زبان'' کا تصور اور اس کے صحیح الٰہیاتی مضمرات سامنے آتے ہیں'' - 1

۱- ''زبان اور فلسفہ'' (میکس بلیک) صفحہ ۱۱۳

بعض فلسفیوں نے زبان کے ہر ادعا کو مبتدا اور خبر کے کوزوں میں نظر بند کیا ہے - رسل نے ان کی تردید میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان کا طریق بحث متناقض ہے - علائق کی نئی منطق، جس کا منصب یہ تھا کہ قیاسی منطق سے نظر انداز ہونے والی ہئیتوں کی پیچیدگیوں کی توجیہ و توضیح کرے، ریاضیاتی اور منطقی اقوال محال کے تناقضات کے زیر اثر آگئی - رسل نے اپنی کتاب ''ریاضیاتی اصول'' میں ٹائپ کے نظرئیے سے اس کا ازالہ کرنا چاہا ہے - اس کے نزدیک جن موجودات کے رموز و علائم کا الحاق ایک ہی سیاق میں کیا جا سکے، وہ سب ایک ''ٹائپ'' میں شمار کی جانی چاہئیے - گویا وہ اس طرح موجودات کو علیحدہ علیحدہ کرکے، ان میں منطقی طور پر درجہ‌وار ترتیب رکھنا چاہتا ہے - جن قضایا کے لئے ''ٹائپ کے نظرئیے'' سے بات نہیں بنتی، وہ نظریۂ تعریف یا زبان کے ذریعہ دلیا کے اساسی اجزائے ترکیبی کی جستجو کا سہارا لیتا ہے، اور اس طرح ''مثالی زبان'' کے تصور تک پہنچتا ہے - اس کے نزدیک ''مثالی زبان'' ہی فلسفۂ لسان کا مقصود ہے - مثالی زبان سے اس کی مراد ایسی اشاریت ہے جو عام زبانوں میں ملنے والی کوتاہیوں (بہ اعتبار فلسفہ) سے پاک ہو - جس کا ہر ''سمبل'' منطقی طور پر اسم علم ہو اور جانی بوجھی چیزوں کو ظاہر کرے - جس میں ہر مفرد چیز کے لئے صرف ایک لفظ ہو، جو چیز مفرد نہ ہو، اس کے اظہار کے لئے الفاظ کے مجموعے استعمال کئے جائیں - ظاہر ہے ''مثالی زبان'' کا یہ خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا کہ زبان کی تشکیل کا مقصد ابلاغ ہے، منطق کی پیروی نہیں -

فلسفہ، میں تحقیق لسان کی اہمیت کو فروغ دینے والا دوسرا قابل ذکر عالم، Wittgeenstein ہے، جس کے نزدیک فلسفہ، تنقید لسان ہے، اور فلسفہ کا مطالعہ، تحقیق لسان ہی ہے - کم و بیش یہی خیال منطقی ثبوتیت کے علم‌بردار کارنپ نے ظاہر کیا ہے -

اس کی رائے میں جب فلسفہ کو غیر سائنسی عناصر سے پاک کردیا جائے تو، سائنس کی منطق رہ جائے گی - ''سائنس کی منطق'' سے اس کی مراد، سائنس کی زبان کی نحو ہے -

امریکی فلسفی سی - ایس - پیئرس نے انیسویں صدی کے آخر میں علائم کی ماہئیت پر سیر حاصل بحث کی ہے - اس نے علامت کی درجہ بندی مختلف طریقوں سے کی ہے، جن میں سے ایک کے لحاظ سے علامات کی تین قسمیں ہوتی ہیں (۱) شبیہی علامات (۲) اشاری علامات (۳) رمزی یا ایمائی علامات - پہلی قسم کی علامات، مشارو،الیہ سے مشابہہ اور مماثل ہوتی ہیں، دوسری مشارو، الیہ پر دلالت کرتی ہیں اور تیسری متفق الیہ قرار پا کر مشارو، الیہ سے مستلزم ہو جاتی ہیں -

سی - ڈبلیو - مارس نے اپنی تصنیف ''نظریہء علامات کی اساس'' (سنہ ۱۹۳۸ء) میں پیئرس سے استفادہ کر کے علم علامات پر مبسوط بحث کی ہے - اس نے علم علامات کے تین شعبے قرار دئیے ہیں (۱) نحو (۲) معنویات اور (۳)عملیت — ان شعبوں پر غور کرنے سے لسانیات، فلسفہ اور نفسیات کے باہمی تعلق کا اندازہ ہوتا ہے - فلسفہ، ان تینوں شعبوں پر حاوی ہے - نفسیات کو ''عملیت'' اور ''معنویات'' سے تعلق ہے اور لسانیات کو مقدماً طور پر شعبہء ''نحو'' سے - مارس کے نزدیک ''نحو'' جملوں کی ساخت اور ترتیب کے مطالعہ تک محدود نہیں، بلکہ زبان کے تمام علائم، ان کی ساخت اور ترتیب کا مطالعہ بھی اس میں شامل ہے - گویا وہ ''صوتیات'' یا صوتیے کے نظرئیے کو بھی ''نحو'' کا ایک شعبہ قرار دیتا ہے -

ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئیے کہ فلسفہ کے ذیل میں لفظ ''زبان'' کا مفہوم، ''لسانیات'' میں مراد لئے جانے والے مفہوم سے زیادہ وسیع ہے، اس میں ریاضیات اور ایمائی منطق کے تحریری علائم و رموز بھی راہ پا لیتے ہیں -

مختلف فلسفیوں نے لسانیات اور فلسفہ کے تعلق سے متعلق جو مباحث پیش کئے ہیں، ان کے جائزے سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ان میں زبان کے معنوی پہلو ہی کو اہمیت حاصل ہے - الٰہیات اور منطق میں لسانی مسائل سے متعلق جو نقطہ ہائے نظر اختیار کئے گئے ہیں، ان کا بہت کچھ دارو مدار فلسفیوں کے ''بیوہار'' پر رہا ہے - اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ فلسفہء لسان کے مسائل کی توجیہ و توضیح کے لئیے نفسیات سے رجوع کرنا ناگزیر ہے -

آخر میں سائنس کی وحدت کے مطالعہ کی تحریک کی طرف اشارہ بے محل نہ ہوگا - اس تحریک کی اساس یہ مقدمہ ہے کہ سائنس بنیادی طور پر کائنات سے متعلق مصدقہ دعوں کے سلسلہء متواتر پر مشتمل ہوتی ہے - اس سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا گیا ہے کہ ان دعووں کی منطقی ساخت اور ان کے باہمی رشتوں کے مطالعہ سے سائنس میں وحدت پیدا کی جا سکتی ہے - غالباً اسی لئے بلوم فیلڈ نے مختلف علوم میں ''لسانیات'' کا درجہ متعین کرنے کے لیے یہ رائے بھی ظاہر کی ہے کہ زبان ایک طرح کی تکثیری سائنس یا ام‌العلوم ہے، کیوں کہ سائنسی دعووں کا وسیلہ وہی ہوتی ہے -

حواشی

مصنفین :

ایسکولی ـ (سنہ ۱۸۲۹ء) Ascoli, Griziadio Isaia

یہودی النسل، اطالوی عالم لسانیات - گوارز (اٹلی) میں پیدا ہوا - اطالوی لسانیات کا مستند ترین عالم تسلیم کیا جاتا ہے ـ

بلوم فیلڈ Bloomfield, Leonard

مشہور امریکی لسانیات - پیدائش یکم اپریل سنہ ۱۸۸۷ء وفات ۱۸ اپریل سنہ ۱۹۴۹ء - سنہ ۱۹۰۶ء میں هارورڈ یونیورسٹی سے گریجویٹ ھوا سنہ ۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۴ء تک لیپزگ یونیورسٹی میں جرمن زبان کی تحصیل کی - مختلف یونیورسٹیوں میں جرمن زبان کی تدریس کے فرائض انجام دیتا رہا - ایلی نولیس یونیورسٹی میں جرمن زبان اور تقابلی لسالیات کی پروفیسری کے عہدے پر مامور ھوا - سنہ ۱۹۲۷ء میں شکاگو یونیورسٹی میں جرمانی لسانیات کا پروفیسر پھر سنہ ۱۹۴۰ء میں یل یونیورسٹی میں اسی عہدے پر فائز ھوا - امریکہ میں لسالیات کو فروغ دینے کا سہرا بلوم فیلڈ اور ساپر ھی کے سر ہے - مشہور تصانیف ''زبان'' (سنہ ۱۹۳۳ء) اور ''مطالعہ لسان کی مبادیات'' ھیں -

بروگ مین Brugmann, Friedrich Karl

جرمن عالم لسانیات - پیدائش ۱۶ مارچ سنہ ۱۹۴۹ء وفات ۲۹ جون

سنہ ۱۹۱۹ء - ہالے اور لیپزگ میں تحصیل علم کی - سنہ ۱۸۷۷ء میں لیپزگ یونیورسٹی میں لکچرار مقرر ہوا - سنہ ۱۸۸۲ء میں تقابلی لسانیات کی پروفیسری کے عہدے پر فائز ہوا - سنہ ۱۸۸۴ میں کرٹی اس کے بعد فری برگ یونیورسٹی میں اسی عہدے پر مامور ہوا - جدید (نو گرامری) دبستان کا سب سے بڑا علم بردار قرار دیا جاتا ہے - کَرٹی اس کے ساتھ مل کر ''یونانی و لاطینی گرامر'' تالیف کی بعد میں کرٹی اس پر کڑی نکتہ چینی کرتا رہا - مشہور تصنیف، ''ہند جرمانی زبانوں کی گرامر کا خاکہ'' جس کا انگریزی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے -

Curtius, George

کرٹی اس

جرمن عالم لسانیات - ۱۶ اپریل سنہ ۱۸۲۰ء کو پیدا ہوا، ۱۲ اگست سنہ ۱۹۸۵ء کو وفات پائی - سنہ ۱۸۴۹ء میں پراگ یونیورسٹی میں کلاسیکی علم ثقافت کا استاد مقرر ہوا، - پھر کیل یونیورسٹی میں صدر شعبہ، سنہ ۱۸۶۱ء میں لیپزگ یونیورسٹی میں پروفیسر ہوا - اس عہد کے بیشتر علماء لسانیات نے اس کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا تھا -

Fick, August

فک

(پیدائش ۵ مئی سنہ ۱۸۳۳ء، وفات ۲۴ مارچ سنہ ۱۹۱۶ء) جرمن عالم لسالیات - گوتنگن یونیورسٹی میں سنہ ۱۸۵۲ء سے سنہ ۱۸۵۷ء تک تعلیم پائی - سنہ ۱۸۷۲ء میں وھیں تقابلی لسانیات کا پروفیسر مقرر ہوا - سنہ ۱۸۸۸ء میں بریسلو میں شعبہ تقابلی لسانیات کا صدر ہوا - اسے قدیم ہند جرمانی زبانوں اور یونانی علم ثقافت کی سند سمجھا جاتا ہے - متعدد تصانیف یادگار ھیں -

Grimm, Jacob

گرم

جرمن عالم لسانیات - سنہ ۱۸۷۵ء میں پیدا ھوا - قانون کی تعلیم

سیوینی سے حاصل کی۔ قانون کے ضمن میں تحقیقات کی بدولت ثقافتی سرمائے اور اشتقاقیات سے شغف ہوا۔ لائبریرین بننے کے بعد پہلی تصنیف سنہ ۱۸۱۱ء میں شائع کی۔ اپنے بھائی ولہم گرم کے ساتھ مل کر لوک گیتوں کی تدوین کی اور علم ثقافت کی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ اے۔ ڈبلیو۔ شلیگل نے اس کی اشتقاقیاتی کوششوں پر بڑی نکتہ چینی کی، تو اس نکتہ چینی کی وجہ سے کچھ ریسک کے زیر اثر، اس میں صحیح لسانیاتی نقطہ نظر پیدا ہوتا گیا۔ جرمانی زبانوں کے تبادل اصوات سے متعلق اس کا فارمولا، ''گرم کا قانون'' کے نام سے مشہور ہے۔ تاریخ اصوات پر اس کا گہرا اثر ہے۔ اس کی مشہور ترین تصنیف ''جرمانی زبانوں کی گرامر'' ہے۔

ہرڈر Herder Johnn Gottfried Von

جرمن نقاد اور شاعر۔ پیدائش ۲۵ اگست سنہ ۱۷۴۴ء وفات ۱۸ دسمبر ۱۸۰۳ء معمولی سکول ماسٹر کا لڑکا تھا لیکن اتنی علمی قابلیت حاصل کرلی کہ فریڈرک کالج میں استاد ہو گیا۔ سنہ ۱۷۶۹ء میں پیرس گیا۔ واپسی پر گوئٹے سے ملاقات ہوئی۔ سنہ ۱۷۷۶ء میں ماہر دینیات کی حیثیت سے ابھرا۔ ضمنی طور پر زبان سے متعلق بھی مختلف آراء کا اظہار کیا ہے۔

ہمبولٹ Humboldt, Karl Wilhelm, Baron Von

جرمن سیاستدان اور ماہر لسانیات۔ پیدائش ۲۲ جون سنہ ۱۷۶۷ء وفات ۸ اپریل سنہ ۱۸۳۵ء برلن میں قانون کی تعلیم حاصل کی۔ آثار قدیمہ، جمالیات اور کانٹ کے فلسفہ سے خاص شغف تھا۔ سنہ ۱۷۸۹، ۱۷۹۰ کے دوران شلر سے دوستی ہوئی۔ مختلف سیاسی اور انتظامی عہدوں پر فائز رہا۔ انیسویں صدی کے ماہرین لسانیات میں ریسک، بوپ اور گرم کے بعد اسے بھی خاصی اہمیت دی جاتی ہے۔

Ihre, John **ایہورے** (سنہ ۱۷۰۷ء — سنہ ۱۷۸۰ء)

سویڈن کا عالم لسانیات ـ اتسلا یونیورسٹی میں تعلیم پائی - تحصیل علم کے سلسلے میں فرانس اور برطانیہ کا سفر اختیار کیا - سویڈش اکیڈیمی آف سائنس میں اسسٹنٹ لائبریرین مقرر ہوا - سنہ ۱۷۴۸ء میں معاشیات کا پروفیسر مامور ہوا - عام طور پر اسے سویڈش لسانیات کا بانی قرار دیا جاتا ہے ـ

Jesperson, Jens, Otto Harrif **جسپرسن**

(امریکی اور بین‌الاقوامی رومن کی رو سے یسپرسن)

ڈنمارک کا مشہور عالم لسانیات - پیدائش سنہ ۱۸۶۰ء، وفات سنہ ۱۹۴۳ء - کوپن ہیگن یونیورسٹی میں تعلیم پائی - سنہ ۱۸۹۳ء میں انگریزی کا پروفیسر مقرر ہوا - مشہور تصانیف ''گرامر کا فلسفہ'' - ''زبان - اس کی ماہئیت، ارتقا اور آغاز'' - ''جدید انگریزی گرامر'' - ''بین‌الاقوامی زبان'' -

Jones, Sir William **جونس**

مشہور برطانوی مستشرق - پیدائش لندن ۲۸ ستمبر سنہ ۱۷۴۶ء، وفات کلکتہ ۲۷ اپریل سنہ ۱۷۹۴ء ہےرو اور آکسفورڈ میں تعلیم پائی- عبرانی، عربی، فارسی، جرمنی، اطالوی، فرانسیسی، ہسپانوی، پرتگیزی زبانوں میں مہارت حاصل کی - سنہ ۱۷۷۰ء میں نادر شاہ کی سوالح‌عمری کا فارسی سے انگریزی میں ترجمہ کیا - کلکتہ میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی قائم، جس کی عملی خدمات، بڑی وقیع ہیں - سنہ ۱۷۸۴ء میں ''شکنتلا'' کا ترجمہ کیا - اہل یوروپ کو سنسکرت سے حقیقی معنوں میں روشناس کرانے مستشرقین میں سر ولیم جونس کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے ـ

Leibnitz, Gottfried Wilhelm Von **لیبنیز**

مشہور جرمن سائنس دان - ۲۱ جون سنہ ۱۶۴۶ء کو پیدا ہوا،

۱۴ نومبر سنہ ۱۷۱٦ء کو وفات پائی - لیپزگ یونیورسٹی میں تعلیم پائی اور قانون میں ''ڈاکٹر'' کی ڈگری حاصل کی -

Madvig, John Nikolai
میڈوگ

ڈنمارک کا عالم لسانیات - پیدائش سنہ ۱۸۲۹ء، وفات سنہ ۱۸۷۹ء- کوپن ہیگن یونیورسٹی میں تعلیم پائی، وہیں لاطینی کا پروفیسر مقرر ہوا- وزارت تعلیم و معارف بھی تفویض ہوئی - لاطینی گرامر اور لاطینی کلاسیکی ادب پر داد تحقیق دیتا رہا -

Mill, John Stuart
مل

پیدائش ۲۰ مئی سنہ ۱۸۰٦ء، وفات ۸ مئی سنہ ۱۸۷۳ء - مشہور برطانوی مفکر ماہر معاشیات سماجی اور سیاسی مصلح - مشہور برطانوی بیرون جیمس مل کا بیٹا تھا - تین سال کی عمر میں یونانی اور سات سال کی عمر میں لاطینی سیکھ لی تھی - منطق، فلسفہ، معاشیات اور عمرانیات پر متعدد کتابیں تصنیف کیں -

Muller Friedrich Max
میکس ملر

پیدائش جرمنی ٦ دسمبر سنہ ۱۸۲۳ء، وفات آکسفورڈ سنہ ۱۹۰۰ء- سنہ ۱۸۴۱ء میں لیپزگ یونیورسٹی میں داخلہ لیا - ہرمین بروخساس کی نگرانی میں سنسکرت کی تحصیل کی - برلن میں فرانز بوپ کے ماتحت لسانیات پر اور شیلنگ کے ماتحت فلسفہ پر تحقیقی کام کئے - سنہ ۱۸۴۵ء میں پیرس اور سنہ ۱۸۴٦ء میں برطانیہ کا سفر کیا - سنہ ۱۸۴۸ء میں دوبارہ پیرس پہنچا - اسی سال آکسفورڈ میں اقامت گزیں ہوگیا - فلسفہ، علم الاصنام اور مذہب پر بھی کتابیں تصنیف کیں - لسانیات پر بھی خصوصی توجہ دی - مشہور تصنیف ''زبان کی سائنس'' (سنہ ٦۳-۱۸٦۱ء) ''زبان و ادب اور الفاظ کی سرگزشت'' اس کے لکچروں اور مضامین کے انداز بیان کی شگفتگی اور انشا پردازی کی بدولت انگریزی داں طبقے میں لسانیات سے عام دل چسپی پیدا ہوئی -

اسکے اشتقاقی مباحث سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اسے علم الاصوات پر دسترس نہ تھی -

Panini
پانینی

مشہور سنسکرت نحوی اور دنیا کا پہلا عالم لسانیات اور گرامر کا مدون پیدائش سلاقرا (اٹک پنجاب) چوتھی صدی قبل مسیح - حالات زندگی قعرگمنامی میں ہیں - اس کی گرامر ۸ کتابوں پر مشتمل ہے، جو ابواب میں منقسم ہیں اور جن میں ۳۹۹۶ قاعدے پیش کئے ہیں - اس نے گرامر کے ایسے لسانی اصول مدون کئے جنہیں اجزائے کلام، اسماء، افعال، وغیرہ سے ممتاز کیا جا سکتا ہے - نحو پر توجہ نہیں دی - مختلف قواعد کے ذیل میں اشتقاق پر بھی تبصرہ کیا ہے - پانینی کا سب سے بڑا نقاد پتنجلی ہے -

Rask, Rasmus Christian
ریسک

دنمارک کا مشہور عالم لسانیات - ۲۲ نومبر سنہ ۱۷۸۷ء کو پیدا ہوا، ۱۴ نومبر سنہ ۱۸۳۲ء کو وفات پائی - کوپن ہیگن یونیورسٹی میں تعلیم پائی - شمالی زبانوں کے مطالعہ کے لئے سویڈن اور روس کا سفر کیا - آئس لینڈ میں دو سال گزارنے کے بعد کوپن ہیگن اکیڈیمک لائبریری میں اسسٹنٹ لائبریرین ہو گیا - جدید لسانیات کے بانیوں میں شمار کیا جاتا ہے - مشہور تصانیف ''قدیم آئس لینڈی زبان کی گرامر'' ''اینگلوسیکسن زبان'' ''قدیم آئس لینڈی یا نارس کا آغاز'' - ''ژندو اوستا کی قدامت'' (دو جلدیں) - ان کے علاوہ چھ مختلف زبانوں کی گرامر پر کتابیں لکھیں - سنہ ۱۸۲۲ء میں کوپن ہیگن یونیورسٹی میں تاریخ کا استاد مقرر ہوا -

Rousseo, Jean-Jacques
روسو

فرانس کا عہد آفرین مفکر اور مصلح - ۲۸ جون سنہ ۱۷۱۲ء کو پیدا ہوا، ۲ جولائی سنہ ۱۷۷۸ء کو وفات پائی - فلسفہ اور ادبیات سے

خصوصی شغف تھا - اس کی تحریروں نے انقلاب فرانس کے لئے فضا ہموار کر دی تھی -

Russel, Berfrand (Arthur William) رسل

پیدائش ۱۸ مئی سنہ ۱۸۷۲ء مشہور برطانوی مفکر، لارڈ جان رسل کا پوتا - ٹرنٹی کالج آکسفورڈ میں تعلیم پائی - وہیں فیلو اور لکچرار مقرر ہوا - آکسفورڈ اور ہارورڈ میں بھی لکچر دیتا رہا - سنہ ۱۹۱۵ء میں کولمبیا یونیورسٹی نے بٹلر گولڈ میڈل انعام دیا - سنہ ۱۹۱۹ء میں کولمبیا یونیورسٹی میں فلسفہ کا استاد مقرر ہوا - ریاضیاتی منطق کا مستند عالم سمجھا جاتا ہے - فلسفہ اور منطق کی متعدد کتابوں کا مصنف ہے -

Sapir, Edward (سنہ ۱۸۸۴ء — سنہ ۱۹۳۹ء) ساپر

مشہور امریکی عالم لسانیات اور ماہر بشریات، جس نے امریکن انڈین زبانوں کی تحقیقات سے سرمایہء لسانیات میں معتدبہ اضافہ کیا ہے- سنہ ۱۹۰۹ء میں کولمبیا یونیورسٹی سے پی- ایچ- ڈی کیا - سنہ ۱۹۱۰ء میں کناڈا کے نیشنل میوزیم میں شعبہ بشریات کا سربراہ مقرر ہوا - سنہ ۱۹۲۵ء میں شکاگو یونیورسٹی میں اور سنہ ۱۹۲۷ء میں ییل یونیورسٹی میں (جس کے شعبہ لسانیات کی شہرت محتاج بیان نہیں) پروفیسر کے عہدہ پر مامور ہوا - ساپر، فرانز بوپ سے بہت زیادہ متاثر رہا-

Shmidt, Johannes شمٹ

جرمن عالم لسانیات - پیدائش ۲۹ جولائی سنہ ۱۸۴۳ء، وفات ۴ جولائی سنہ ۱۹۰۱ء- بون یونیورسٹی میں تعلیم پائی اور سنہ ۱۸۷۳ء میں وہیں پروفیسر کے عہدے پر مامور ہوگیا - سنہ ۱۸۸۴ء میں پروشین اکیڈیمی آف سائنس کا رکن منتخب ہوا - ہند یوروپی زبانوں کی گرامر پر اتنی گہری نظر تھی کہ اس کے دور کے کسی عالم کو اس کا ہم سر نہیں کہا جا سکتا -

شلیگل Schlegel, Karl Wilhelm Friedrich Von

(سنہ ۱۷۷۲ء — سنہ ۱۸۲۹ء)

جرمن شاعر، نقاد اور ماہر لسانیات — اے۔ ڈبلیو شلیگل کا چھوٹا بھائی —

شلیگل Schlegel, August-Wilhelm Von

(سنہ ۱۷۶۷ء — سنہ ۱۸۴۵ء)

جرمن شاعر، نقاد، مترجم اور ماہر لسالیات -

شلیخر Schleicher, August

(بعض لوگ شلیہر بھی کہتے ھیں)

جرمن عالم لسانیات - ۱۹ فروری سنہ ۱۸۲۱ء کو پیدا ھوا، ۶ دسمبر سنہ ۱۸۶۸ء کو وفات پائی - دینیات اور مشرق زبانوں سے خصوصی شغف تھا - سنہ ۱۸۴۶ء میں بون یونیورسٹی سے فلسفہ میں پی - ایچ - ڈی کی ڈگری لی - لسانیات کی تدریسی سند حاصل کی - پراگ پھنچ کر سلاوی زبانوں کا مطالعہ کیا - اسے انیسویں صدی کے علماءلسانیات میں ممتاز حیثیت دی جاتی ھے —

ورنر Verner, Karl Adolph

ڈنمارک کا عالم لسانیات - پیدائش ۷ مارچ سنہ ۱۸۴۶ء وفات ۵ نومبر سنہ ۱۸۹۶ء - کوپن ھیگن یونیورسٹی میں تعلیم پائی - وھیں سنہ ۱۸۸۳ء میں سلاوی زبانوں کی تدریس پر مامور ھوا۔ علم اصوات پر گھری نظر تھی اس نے ''گرم کے قانون'' پر تنقید اور ترمیم کی ھے - اس ترمیم کو ''ورنر کا قانون'' کھا جاتا ھے —

وھٹنے Whitney William Dwight

پھلا امریکی عالم لسانیات - پیدائش ۹ فروری سنہ ۱۸۲۷ء وفات ۹ جون سنہ ۱۸۹۴ء - ۱۸۵۰ء میں یل یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ھو کر جرمنی گیا، جھاں ''لسانیات'' اور سنسکرت کا خصوصی مطالعہ کیا۔

سنہ ۱۸۵۴ء میں یل یونیورسٹی میں سنسکرت کا پروفیسر ہوا ـ سنہ ۱۸۷۰ء میں شعبۂ تقابلی لسانیات کا صدر نامزد ہوا - برلن اکیڈیمی سے ''بوپ میڈل'' بھی انعام میں پایا ـ مشہور تصانیف ''لسان مطالعہ لسان'' (سنہ ۱۸۶۷ء) - ''جرمن گرامر'' (سنہ ۱۸۶۹ء) ـ ''حیات و نموئے لسان'' (سنہ ۱۸۷۵ء) ''انگریزی گرامر کے لوازم'' (سنہ ۱۸۷۷ء) ''سنسکرت میں مادہ، فعل اور ابتدائی اشتقاق'' ـ ''سنسکرت گرامر'' - وغیرہ -

وُنٹ Wundt, Wilhelm Max

جرمن ماہر عضویات، ماہر نفسیات اور فلسفی - پیدائش ۱۶ اگست سنہ ۱۸۳۲ء، وفات ۳۱ اگست سنہ ۱۹۲۰ء - اپنے دور کا جدید افلاطون بھی کہلاتا ہے ـ سنہ ۱۸۶۴ء میں ہائیڈل بوگ میں عضویات کا پروفیسر اور سنہ ۱۸۷۴ء زیوریخ میں فلسفہ کا پروفیسر مقرر ہوا - سنہ ۱۸۷۹ء میں پہلا نفسیاتی معمل قائم کیا -

---

اصطلاحات :ـ

اختتامیہ	وہ لاحقہ جو کسی نحوی رشتہ کا مظہر ہو -
اشتقاق	تعمیری کلمہ کا وہ تغیر جو نحوی مرموزیت کی غرض سے کیا جائے -
اشتقاقی یا تصریفی زبان	وہ زبان جس میں مادہ میں اجزائے الفاظ ملا کر نئے الفاظ وضع کئے جا سکیں - اور مشتقات نئی معنوی ضرورتیں پوری کریں - الحاقی اجزاء یا منصرفات نحوی رشتوں کے مظہر ہوتے ہیں - اکثر ہند یوروپی اور سامی زبانیں اشتقاقی ہیں ـ
اصل کلمہ	مشتق کا وہ جزو جو معنوی و صوتی اعتبار سے بنیادی حیثیت رکھتا ہو -

انفرادی یا یک لفظی زبان	جس زبان کے الفاظ اپنی جگہ پر ایسی مکمل حیثیت رکھتے ہوں کہ ان میں تغیر یا اشتقاق بالکل نہ ہو سکے- ان الفاظ کی گردان ممکن نہیں - ان سے نحوی رشتوں کا اظہار بھی نہیں ہوتا - ''چینی زبان'' کو مثال میں پیش کیا جا سکتا ہے ــ
ایفری کیٹ	مصمتی ترکیب جس میں دھماکے دار اور سریع آوازیں متحد ہو کر آواز کی ایک اکائی بن جائیں -
تالیفی یا اتصالی زبان	جس زبان میں مادہ نمایاں ہو اور تعمیری کلمے، لاحقے کے طور پر مادوں کے آخر میں جوڑ دئیے جائیں - ایسی زبان کو میکس ملر ''اختتامی زبان'' زبان کہتا ہے -
تحلیلی زبان	جس زبان میں مشتق اجزاء، اصل کلمات میں اس طرح گھل مل جائیں کہ ان میں تمیز نہ کی جا سکے ــ
تعمیری کلمہ	کسی مشتق لفظ کا وہ جزو جو اصل کلمہ پر محض صوتی و معنوی اضافے کی حیثیت رکھتا ہو ــ
حنکی یا تالوئی	وہ آواز جس کی ادائیگی میں زبان سخت تالو کی طرف مڑ جائے ــ
دو لبی	وہ آواز جس کے ادا کرنے کے لئے دونوں ہونٹوں کو قریب تر کر دیا جائے یا ملا دیا جائے ــ
دھماکے دار	بعض اعضائے نطق کی درمیانی تنگ گزرگاہ میں مرتعش ہوا کے دباؤ سے جو ''دھماکا'' سا ہوتا ہے، اسے دھماکے دار آواز کہتے ہیں ــ
سماعتی بنیاد	وہ بنیاد جس سے زبان کے بولنے والے مختلف سماعتی پہلوؤں کی شناخت اور غیر اہم تغیر پذیر پہلو اور معنوی و اساسی تفریق میں تمیز کر لیتے ہیں -
سماعتی نقطہء نظر	بہ نقطہء نظر کہ آغاز زبان کا راز اعضائے نطق میں

نہیں بلکہ سماعتی نقالی میں مضمر ہے ـ

سینڈھی — دو آوازوں کے اتصال سے، ان میں ادغام یا انضمام ہو جانا یا دو حروف کا مدغم ہو کر تیسری حرکت یا حرف کی شکل اختیار کرنا ـ

سیال — ''ل'' اور ''ر'' کی آوازیں -

شدیدہ — غیر مصیت وقفیہ ـ یا وہ وقفیہ جس میں صوت (Voice) نہ ہو -

صفیریہ — سیٹی کی سی آواز والے حروف ـ

صوریات — گرامر کی وہ شاخ یا لسانیات کا وہ شعبہ جس میں الفاظ کی صوری حیثیتوں سے بحث کی جائے ـ

صوتیات — اصوات کا اطلاقی علم جس میں زبان کی آوازوں کو اکائیوں یا صوتیوں میں تقسیم کر لیا جاتا ہے -

صوتی قانون — زبانوں کی صوتی تاریخ میں جو باقاعدہ تشابہ دریافت ہوا، اس کے لئے صوتی قانون کی اصطلاح وضع ہوئی اور پھر اس کو نفس الامر میں قانون کی حیثیت حاصل ہو گئی - اب اس سے مراد یہ ہے کہ ایک زبان میں مخصوص آوازیں، مخصوص صوتی لزوم کے ماتحت بدل جاتی ہیں ـ اسے تبادل صوتی کا قاعدہ کہا جا سکتا ہے ـ

علم اصوات — نظام لسان میں استعمال ہونے والی آوازوں کی سائنس -

غیر مصیت — وہ حروف جس کی ادائیگی میں صوت نہ ہو -

قیاس تمثیلی — دو یا زیادہ لسانی اکائیوں میں کسی لحاظ سے مماثلت، جو کسی اور اعتبار سے تشابہ کا نتیجہ ہو - مثلاً صوتی تشابہ کے نتیجے میں معنوی تشابہ -

گردان — معنوی تغیرات کے لئے فعل کی ہئیت میں تغیر و تبدل-

لائیہ	''ل'' کی آواز -
لب دندانی	جس آواز کے ادا کرنے کے لئے اوپر یا نیچے کے دانتوں کو اوپر یا نیچے کے ھونٹوں سے ملایا جائے -
مادہ	اساسی اور مستقل اکائی جو کسی زبان کے معروف الفاظ اور ھئیتوں میں مشترک ھو -
مصمتہ	حرف صحیح - سرعت یا دھماکے سے پیدا ھونے والی آواز جو صوت سے عاری ھو اور اگر صوت سے عاری نہ ھو تو اس میں سرعت یا دھماکے کا غلبہ ھو -
مصیت	جس حرف کی ادائیگی صوت سے ھو -
مصوتہ	حرف علت -
نظام لسان	کسی زبان کی بول چال کی تجریہ سے حاصل ھونے والے معنوی و صوتی سانچے اور نفسیاتی تنظیم کو نظام لسان کہتے ھیں -
ھیرو غلیفی	قدیم مصریوں کا تصویری رسم الخط -

کتابیات

اردو کتب :-

۱- قواعد زبان اردو ... ڈاکٹر گل کرسٹ

۲- دریائے لطافت ... انشاءاللہ خان انشا

۳- بحر الفصاحت ... مولوی نجم الغنی رامپوری

۴- قواعد اردو ... مولوی عبدالحق

۵- کیفیہ ... پنڈت برج موھن دتاتریہ کیفی

۶- منشورات ... ,, ,, ,,

۷- نظام اردو ... آرزو لکھنوی

۸- نوادرالالفاظ ... (خان آرزو) مرتبہ ڈاکٹر سید عبداللہ

۹- پنجاب میں اردو ... حافظ محمود شیرانی

۱۰- ھندوستانی لسانیات ... ڈاکٹر محی الدین قادری زور

۱۱- لسان و مطالعہ لسان ... مترجم حمیداللہ یوسفزئی

۱۲- سرگزشت الفاظ ... مولوی احمد دین

۱۳- لسانی مسائل ... ڈاکٹر شوکت سبزواری

۱۴- اردو زبان کا ارتقاء ... ,, ,,

۱۵- اردو زبان اور اسالیب ... مخمور اکبرآبادی

۱۶- رسالہ ''نگار'' ... مختلف شمارے

۱۷- رسالہ ''اردو نامہ'' ... مختلف شمارے

انگریزی کتب :-

۱- لسان مطالعہ لسان ... وھٹنے

۲- حیات و نموئے لسان ... ,,

۳- زبان کی سائنس ... میکس ملر

۴- لکچر ... ,,

۵- زبان۔ اسکی ماھیت ارتقا اور آغاز ... آٹو جسپرسن

٦- گرامر کا فلسفہ ... آٹو جسپرسن
۷- لسانیات—انیسویں صدی میں ... پیڈرسن، انگریزی ترجمہ از سپارگو
۸- زبان اور زبانیں ... ولہم ایل — گراف
۹- زبان اور فلسفہ ... میکس بلیک
۱۰- پال کے اصول لسان ... اسٹرانگ
۱۱- لسان ... ایڈورڈ ساپر
۱۲- لسان ... لیونارڈ بلوم فیلڈ
۱۳- مبادیٔ مطالعہ لسان ... ,, ,,
۱۴- مطالعۂ لسان ... جان - بی- کیرول

اشاریہ

(مصنفین)

(زبانیں)

(موضوعات)

صحت نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
5	13	تقدیم	تقدم
7	9	مشرقی ادبیات	لسانیات
7	9	علم معانی	معنویات
10	1	عام	عالم
17	6	ظاهر	ظاهری
17	18	ترکیبیں	ترکیبی
22	2	اجزائے کلمات پر	اجزائے کلمات
23	2	دستاویز	دستاویزوں
28	11	Lebnez	Leibnitz
29	25	بحینه	بعینه
31	15	اراده	ارادۂ
32	3	لگایا گیا ہوگا	لگایا ہوگا
34	13	مقاطعے	مقاطع
42	22	معنوں علم	معنوں میں علم
42	23	تقدیم	تقدم
43	12	واضع	واضح
45	15	مرامر	گرامر
46	24	مصحتوں	مصمتوں
47	4	مصحتوں	مصمتوں
49	12	صوتیات	علم اصوات
49	13	مصحتوں	مصمتوں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
51	2	شائد	شاید
55	3	سلیت	تثلیث
57	9	استعال	استعمال
62	12	صوتیات	علم اصوات
64	13	بریڈس ڈورف	بریسڈورف
66	10	ماهر صوتیات	ماهر علم اصوات
66	20	صوتیات	علم اصوات
68	9	گروه کی طرف	گروه سے
68	9	لیکن	اور
74	25	جس	جس میں
76	4	صوتیات	علم اصوات
78	4	صوتیات	علم اصوات
79	21	صوتیات	علم اصوات
86	5	مستنط	مستنبط
86	19	صوتیات	علم اصوات
86	20	صوتیات	علم اصوات
89	5	اعیٰ	اعلیٰ
91	2	جولھی	جوں ھی
93	21	اصوات کا	اصوات کے
94	10	چاهیں	چاهئیں
105	18	وھٹنے	میکس ملر
109	17	شمدٹ	شمٹ
115	21	چھپ لیا	چھپ گیا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
115	25	شمدٹ	شمٹ
119	18	صاحل	حاصل
119	19	اکھٹا	اکٹھا
128	23	اسود گی	آسودگی
129	21	مہج	مہیج
131	14	یھی	یہی
133	21	نوخرئے	نرخرے
136	18	کہ	کھہ
145	3	ماھول	ماحول
145	9	طاھر	ظاھر
145	18	ھرکات لطقی	حرکات لطقی
152	22	صنجرے	حنجرے
152	23	گریحونٹ	گریمولٹ
152	25	صنجرلے	حنجرے
153	2	ھٹتا	گھٹتا
154	15	استھفام	استفہام
154	16	استھفام	استفہام
156	23	مطاھو	مظاھر
157	12	ماھول	ماحول
161	1	براہ است	براہ راست
162	13	اذدیاد	ازدیاد
165	19	دیتا ھے	دیتے ھیں
165	20	ھو سکتا ھے	ھو سکتے ھیں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
168	6	نوعت	نوعیت
169	4	نحو	نمو
169	10	اضطرار	اضطراری
173	6	نظرآئی ہے	نظر آتی ہے
180	12	چستم	چشم
182	15	ہیکانی	پیکانی
182	20	Aocophony	Acrophoney
185	11	کے	کہ
187	7	قران مجید	قرآن مجید
187	14	منقولہ	منقوطہ
190	5	زبانوں	زبان
191	6	تعلیم	تدریس
195	5	لفظوں	لفظ
203	22	جن	جو
208	24	والٹر	والٹیر
209	19	ممکنا	ممکنہ
215	10	لسانیات	لسانیات میں
217	19	انجزاب	انجذاب
221	23	متعاد	معتاد
224	20	اباواجداد	آباواجداد
225	17	ذرد	زرد
227	20	نوعت	نوعیت
231	21	لسانات	لسانیات

صفحه	سطر	غلط	صحیح
233	8	ها	هاں
236	2	ضوورت	ضرورت
236	24	مبزول	مبذول
240	3	روئے	روپے
247	34	منطقی بتویب	منطقی ثبوتیت
257	5	سلاقرا	سلاقرا

ہماری دیگر مطبوعات

تاریخ مذاہب
رشید احمد

اردو میں تاریخ مذاہب پر یہ پہلی کتاب ہے ۔ جس میں زمانۂ قبل تاریخ سے اسلام تک تمام مذاہب سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے - قومی اور بین الاقوامی مذاہب پر الگ الگ باب وقف کیگئے ہیں ۔ جس سے یہ اندازہ لگانا آسان ہو جاتا ہے کہ انسان کن مراحل سے گزر کر توحید سے روشناس ہوا ۔ پھر دیگر مذاہب پر اسلام کو جو فوقیت حاصل ہے وہ بھی اس کتاب کے مطالعہ سے ذہن نشین ہو جاتی ہے ۔ اس کتاب کا مطالعہ تمام مذاہب کے پیروؤں کیلئے مفید ہے اور مسلمانوں کیلئے اشد ضروری ہے -

قیمت : 10.00

دھنک
مرتبہ مرکز ادب

کوئٹہ قلات ڈویژن کے اردو شعرا کے کلام کا انتخاب۔

قیمت : 2.00

بلوچوں کے رومان لوک کہانیاں
انجم قزلباش

یہ کتاب بلوچ کلچر اور روایات کا انسائکلوپیڈیائی تعارف ہے ۔ جس میں بلوچوں کے رومان اور لوک کہانیاں بھی ہیں اور شخصیات کے مرقعے بھی ۔

قیمت : 3.50

براہوی کی لوک کہانیاں (انور رومان) (زیر طبع)

اردو اور لسانیات (خلیل صدیقی) (زیر طبع)

قلات پبلشرز، مستونگ (قلات ڈویژن)